قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۚ
سورۃ النساء آیت ۱۷۶

کہو اللہ فتویٰ دیتا ہے تمہیں کلالہ کے بارے میں ۔ ۴ : ۱۷۶

المنقذ من الضلالہ فی تفسیر آیتی الکلالہ

یعنی

# وصیّت وراثت اور کلالہ

## قرآن کریم کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ

از رشحات قلم

محدّث العصر و جامع العلوم
حضرت علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی

ناشر
الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
مکان نمبر ۳۱-۷-اے، بلاک نمبر ۱ - ناظم آباد - کراچی ۷۴۶۰۰
فون: ۶۲۱۴۴۹ ۶۲۷۸۴۰

سلسلہ اشاعت ــــ ۳۳

ــــ بار اوّل ــــ

ماہ اکتوبر ۱۹۹۶ء ــــ جمادی الاوّل ۱۴۱۷ھ

نام کتاب ــــ المنقذ من الضلالہ فی تفسیر آیۃ الکلالہ

ــــ یعنی وصیت و وراثت کلالہ ــ قرآن کی روشنی

ــــ میں ایک تحقیقی جائزہ

مؤلف ــــ علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی

کتابت ــــ مولوی گلزار احمد

صفحات ــــ ۲۳۰

قیمت ــــ پچاس ۵۰/ روپے صرف

طابع ــــ روحانی ڈائجسٹ پریس۔ ناظم آباد۔ کراچی

ــــ ناشر ــــ

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳-۷-۱ اے۔ بلاک نمبر ۱، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

فون: ۶۲۱۳۳۹ ۶۲۷۸۴۰

# پیش لفظ

قرآن کریم نے وصیت و وراثت میں جو ترتیب رکھی ہے وہ اس سے واضح ہے کہ سورۂ نساء میں جہاں وراثت کی تفصیل دی ہے، وہیں چار مرتبہ یہ جملہ ہرایا ہے کہ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ یعنی وراثت کی تقسیم سے پہلے مرحوم کے ذمہ جو قرض ہو اسے ادا کیا جائے۔ پھر رقم بچ جائے تو مرحوم کی وصیت پوری کی جائے۔ اس کے بعد بھی اگر رقم بچ جائے تو اس رقم کو وراثت کے اس طریقہ کے مطابق تقسیم کیا جائے جس کی تفصیل وراثت کی آیات میں دی گئی ہے۔

اس سے واضح ہے کہ حکم وصیت (سورۂ بقرہ آیت ۱۸۰[1]) منسوخ نہیں ہے، نہ کسی حدیث سے، نہ قرآن کریم کی کسی دوسری آیت سے۔ کیوں کہ ہر شخص اپنے حالات کے تحت جو مناسب سمجھے (کسی پر ظلم کئے بغیر) اسے اپنا فیصلہ کرنے کا حق ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے اس نے وصیت نہیں کی، یا وصیت سے کچھ رقم بچ گئی تو اسے آیاتِ وراثت کے مطابق تقسیم کیا جائے، ان آیات میں جو تفصیل ہے وہ علم الٰہی کے مطابق ہے۔ اس میں کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ اللہ نے جو اجازت آپ کو دی تھی اگر آپ نے اسے استعمال نہیں کیا تو متبادل صورت یہ ہے۔

البتہ وصیت میں چوں کہ یہ خطرہ ہو سکتا تھا کہ وصیت کرنے والے سے کسی کے ساتھ کوئی زیادتی یا فیصلہ میں غلطی ہو جائے تو فرمایا کہ تمام صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے، اگر ضرورت محسوس ہو تو عدالت مجاز، مرحوم کی زیادتی یا غلطی کو رفع کر دے (سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۲[2])۔

فرمایئے اس سے زیادہ مناسب اور متوازن راہ کیا ہو سکتی ہے کہ مرحوم کی ملکیت کو اس کی مرضی اور وصیت کے مطابق تقسیم کیا جائے اور اگر اس نے کوئی زیادتی یا غلطی کر دی ہو تو اسلامی معاشرہ کی نمائندہ انتظامیہ

---

[1] كُتِبَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَكَ خَيۡرَا ۖ  اۨلۡوَصِيَّةُ لِلۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ۚ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ ۝ (تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے معروف طریقے سے وصیت کرے یہ حق ہے متقی لوگوں پر)۔

[2] فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝ (البتہ جس کو یہ اندیشہ ہو کہ وصیت کرنے والے نے نادانستہ یا قصداً حق تلفی کی ہے تو پھر معاملے سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان وہ اصلاح کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے)۔

اس کی اصلاح کردے ـــــ اور اگر مرحوم نے وصیت نہ کی ہو، یا وصیت پوری کرنے کے بعد کچھ بچ جائے تو پھر اسے اللہ کی فرمائی ہوئی تقسیم وراثت کے مطابق استعمال کیا جائے تاکہ جھگڑا نہ ہو۔

جس طرح وصیت کے کھلے حکم اور وراثت سے پہلے بار بار اس کا ذکر کئے جانے کے باوجود اسے منسوخ یا محدود کرنے کی کوششیں کی گئیں اسی طرح واضح آیات وراثت کے فہم میں بھی اختلافات کئے گئے۔ پہلے تو یہ سنی شیعہ کے درمیان رہے، اب اہلحدیث اور اہل قرآن کے اختلافات کا بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ خواجہ احمد الدین امرتسری نے پہلے معجزۂ قرآن کے عنوان سے پھر اُولُو الْاَرْحَامِ ۭ فِی الْقُرْآن کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے عربی میں الوراثۃ فی الاسلام کے نام سے مولانا اسلم جیراج پوری نے منتقل کیا، اس میں فہم وراثت کے عام (سنی شیعہ) طریقہ پر تنقید کی گئی تھی۔ مولانا اسلم صاحب کی اس کتاب کا جائزہ عربی میں صحیفۃ الفرائض کے نام علامہ موسیٰ جار اللہ نے لیا اور اردو میں علامہ تمنا عمادی نے وصیت، وراثت اور کلالہ کے عنوان سے اس کا جائزہ لیا۔ قدیم طریقے کے مطابق علامہ تمنا کی اس کتاب کا پورا نام "المنقذ من الضلالۃ فی تفسیر آیتی والکلالۃ" ہے۔ پیش نظر کتاب یہی ہے۔ جسے قرآنی سنٹر کے تعاون سے الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ شائع کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ادارہ کے منتظمین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مولانا کی وہ کتابیں بھی شائع کرنے کی توفیق دے جو اب نایاب ہو چکی ہیں۔

حال ہی میں علامہ مرحوم کے واحد صاحبزادے سید انعام الدین نے ہم سے رابطہ کیا اور علامہ مرحوم کی تحقیقات کی اشاعت پر بہت خوشی کا اظہار کیا، ہم نے ان سے گذارش کی کہ مولانا کے غیر مطبوعہ مسودات کی فراہمی کی خصوصاً اور مطبوعہ مگر نایاب کتابوں کی عموماً، کوئی صورت نکالئے، مگر افسوس اس میں مکمل ناکامی ہوئی۔ کیوں کہ جو مسودات چٹاگانگ میں تھے وہ تو وہاں کے خونیں انقلاب کی نذر ہو نا ہی تھے، مگر جو مسودات مولانا مرحوم کے ساتھ تھے وہ بھی صاحبزادے صاحب کے بیوی بچوں کے بار بار کراچی کے مکانات میں منتقلی کی وجہ سے ضائع ہو گئے (یاد رہے کہ سقوط ڈھاکہ کے موقعہ پر مرحوم علامہ کراچی میں تھے اور ان کے صاحبزادے چٹاگانگ میں تھے جہاں سے اپنی بیوی بچوں کو وہ کسی نہ کسی طرح کراچی بھجوانے میں کامیاب ہو گئے تھے اور علامہ مرحوم کی وفات انہیں کے گھر میں ہوئی)۔

حیرت ہے مولانا جعفر شاہ پھلواروی اور مولانا حسن مثنیٰ ندوی جیسے حضرات کے ہوتے ہوئے علمی تحقیقات کا انتا قیمتی ذخیرہ کس طرح ضائع ہو گیا۔ مگر جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب سوائے افسوس کے اور کیا کیا جا سکتا ہے؟ فَصَبْرٌ جَمِیْل۔

محمد طاہر

- مفتی و مہتمم جامعہ مدینۃ العلوم اورنگ آباد، کراچی ۳۱۔
- ارکین ناظم اعلیٰ کل پاکستان سنی کونسل۔
- جنرل سیکریٹری ادارہ فکر اسلامی، کراچی۔
- سرپرست عالمی جمعیت تدریس القرآن۔
- سرپرست حرم خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم۔
- ترجمان متحدہ سنی محاذ گودھرا تحریک۔ کراچی۔

# فہرست مضامین

# المنقذ من الضلالۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم صلّ علیٰ سیّدنا و نبیّنا محمّدٍ وّعلیٰ صحبہٖ وخیار امّتہٖ وبارک وسلّم۔ اللّٰھمّ ارنا الحقّ حقًّا وارزقنا اتّباعہ وارنا الباطل باطلًا وّارزقنا اجتنابہ۔ ربّنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لّدنک رحمۃ ج انّک انت الوھّاب۔ آمین

# الکلالۃ[عہ]

## تصریحات لغویہ متعلق لفظ کلالہ

المغرب (لغت کی مشہور کتاب) جلد ۲ صہ ۱۵۹) میں ہے:-

الکلالۃ ما خلا الوالد والولد ویطلق علی الموروث والوارث علی القرابۃ من غیر جھۃ الوالد والولد

یعنی والد و ولد کے سوا جو وارث بھی ہو وہ کلالہ ہے اور اس کا اطلاق وارث اور موروث دونوں پر ہوتا ہے۔ اس قرابت (نسبی) کے اعتبار سے جو والد و ولد کی حیثیت سے نہ ہو۔

"لسان العرب" میں ہے :-

قال الاخفش والفراء الکلالۃ من القرابۃ ما خلا الوالد والولد وقال الازھری حدیث

یعنی اخفش و فراء کا قول ہے کہ کلالہ قرابت (نسبی) کے رو سے ہر وہ قرابت مند ہے جو والد و ولد

---

عہ قال فی المنجد فی لغۃ الرقبۃ یقال ورث مالاً عن رقبتہ بکسر الراء ای عن کلالۃ ولم یرثہ عن آبائہ وورث مجدا رقبۃ اذا لم یکن آباءہ امجادًا۔ فثبت بذلک انّ الکلالۃ ھی الوراثۃ التی لا تصل الاعن غیر والد و ولد

جابر رضا تفسیر للکلالۃ و انہ الوارث لانہ یقول مرضت مرضًا اشفیت منہ علیٰ الموت فاتیت النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت انی رجل لا یرثنی الا الکلالۃ۔

کے سوا ہو۔ ازہری کا قول ہے کہ حضرت جابر رضا کی حدیث کلالہ کی تفسیر ہے اور کلالہ وارث ہوتا ہے کیونکہ حضرت جابر رضا فرماتے ہیں کہ میں ایسے مرض میں مبتلا ہوا کہ اس کی وجہ سے موت کے قریب پہنچ گیا تو میں (کسی طرح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں ایک ایسا شخص ہوں کہ میرا کوئی وارث نہ ہوگا۔ بجز کلالہ کے۔

لسان العرب میں ایک بحث طویل کے بعد پھر بطور ماحصل کے یوں لکھا ہے والظاھر ان الکلالۃ مصدر یقع علی الوارث وعلی الموروث۔ والمصدر قد یقع تارۃً للفاعل وللمفعول اُخریٰ۔ واللہ اعلم یعنی ظاہر یہ ہے کہ کلالہ مصدر ہے وارث اور موروث دونوں کے لئے آتا ہے اور مصدر توکبھی فاعل کے لئے بھی آتا ہے اور کبھی مفعول کے لئے بھی۔

## مآخذ اہل لغت کی تصریح

اہل لغت کا مآخذ جہاں شعرائے جاہلیت کے کلام۔ قرآن مجید کی آیتیں اور اعراب کے باہمی محاورے ہوتے ہیں، وہاں حدیثیں اور روایتیں بھی ہوا کرتی ہیں اور پھر مفسرین کے اقوال بھی۔ ہر چند ائمہ لغت احادیث اور روایت اور نیز مفسرین کے اقوال کو صحت محاورۂ عرب اور تصحیح معانیٔ الفاظ عربیہ کے لئے اس وقت تک سند نہیں مانتے، جب تک قرآن مبین یا کلام عرب سے بھی اس کی شہادت واضحہ نہ مل جائے۔ مگر باوجود اس کے لغت کی کتابوں میں ہر طرح کے ... ایسے اقوال جمع کر دیا کرتے

ہیں۔ چنانچہ لسان العرب والے نے بھی یہاں کلالہ کے متعدد معنی حسب تعداد اقوال لکھ دیئے ہیں۔ مثلاً (۱) قال تشتمل علی الإخوة للام ومرةً علی الإخوة للاب والام یعنے کبھی تو یہ اخیافی یعنی ماں کی طرف سے سوتیلے بھائی بہن کو شامل ہوتا ہے اور کبھی حقیقی بھائی بہن کو۔ یہ قول صرف مفسّرین کا مسلک دیکھ کر فرمایا گیا ہے سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں مفسّرین اخیافی بھائی بہن مُراد لیتے ہیں اور آخر سورۂ نساء میں حقیقی و علاتی۔ بس اسی کے مطابق یہاں بھی لکھ دیا۔

(۲) من لاولد له ولاوالد له یہ قول بعض روایتوں کی بنا پر لکھ دیا گیا۔ کلام عرب سے اس کی کوئی سند نہیں پیش کی گئی۔ کیونکہ اس معنے کی رُو سے کلالہ مورث ہی ہو گا۔ اور جو سندیں ملتی ہیں وہ وارث یا وراثت پر دلالت کرتی ہیں۔ باقی رہیں روایتیں ان پر مفصّل بحث آگے آتی ہے۔

(۳) من لم یکن من النّسب لحًا۔ یعنی جو بلا واسطہ نسبی قرابت مند نہ ہو۔ یہ معنی گو بظاہر قریب الی الصحۃ ہیں۔ مگر یہ معنی بھی درحقیقت ناقص ہی ہیں۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

(۴) ھی الاخوۃ لِلاُمّ یعنی صرف اخیافی بھائی بہن ہی کو کلالہ کہتے ہیں۔ یہ قول صریحًا غلط ہے۔ چنانچہ آخر سورۂ نساء میں کلالہ کا جو ذکر ہے۔ وہاں کسی کے نزدیک بھی اخیافی بھائی بہن مراد نہیں ہیں۔

(۵) بنو العمّ الاباعد یعنی دور کے چچیرے بھائی۔ یہ قول بھی صحیح نہیں۔ قرآن مبین میں دو جگہ کلالہ کا ذکر ہے۔ کہیں بھی یہ معنی مراد نہیں ہیں۔

(۶) من تکلّل نسبه بنسبک کابن العم ومن اشبهه یعنی جس کا نسب تمہارے نسب کو محیط ہو، جیسے چچا کی اولاد یا ان کے مانند۔ یہ قول بھی تقریبًا قول پنجم کی طرح ہے۔

(۷) ھو من العصبة من ورث معه الاخوة من الام یعنی وہ عصبہ جن کے ساتھ اخیافی بھائی بہن وارث ہوں۔ یہ ایک عجیب و غریب معنی ہے جو لغت

مبین میں کسی جگہ بھی نہیں لگتا۔ نہ کسی فقیہ نے یہ معنی لئے ہیں اور نہ کوئی لے سکتا ہے اور نہ اس کے لئے کوئی سند کلام عرب سے پیش کی جا سکتی ہے۔

(۸) کل من لم یرثہ ولد اَوْ اَبٌ اَوْ اَخٌ ونحو ذَالِکَ یعنی ہر وہ میت جس کا نہ کوئی بیٹا وارث ہو، نہ باپ، نہ بھائی اور نہ کوئی ان کے مانند۔ یہ ایک ایسا انوکھا معنی ہے جو کوئی صاحب عقل تو نہیں لکھ سکتا۔ باپ بیٹا وارث نہ ہو، یہاں تک تو خیر آج سب کے سب کہہ رہے ہیں۔ بھائی بھی وارث نہ ہو تو پھر کون ہوگا؟ قرآن میں دو ہی جگہ کلالہ کا ذکر ہے اور دونوں جگہ بھائی بہن ہی کو وارث بتایا گیا ہے۔ فیاللعجب

(۹) الاخوۃُ العینیۃ یعنی کلالہ سے مراد صرف حقیقی بھائی ہیں۔ یہ قول شاید قول چہارم کے جواب میں کسی نے تردیداً کہہ دیا ہو۔ یا جس طرح قول چہارم آیت شتاء یعنی سورۂ نساء کے رکوع دوم والی آیت میں فقہاء کی رائے دیکھ کر ان کی تائید میں بے سوچے سمجھے کہہ دیا گیا تھا، بالکل اسی طرح یہ نواں قول آیت صیف یعنی آخری سورۂ نساء والی آیت میں علماء کرام کی رائے دیکھ کر ان کی تائید میں اسی طرح بے سوچے سمجھے لکھ دیا گیا ہے۔ حالانکہ علماء کرام یہاں صرف حقیقی بھائی بہن ہی مراد نہیں لیتے بلکہ حقیقی و علاتی دونوں مراد لیتے ہیں۔

**یہ سارے معانی اٹکل پچو ہیں**

حقیقت یہ ہے کہ یہ سارے اقوال یوں ہی اٹکل پچو کہہ دئیے گئے ہیں۔ رہ گئے صحیح معنی از روئے لغت وہی ہیں۔ جس کو اخفش و فراء نے بیان کیا ہے۔ یعنے: من القرابۃ ما خلا الوالد والولد جس کا مطلب یہ ہے کہ کلالہ وہ وارث ہے[عہ] جو نسبی

---

عہ اس سے صاف ظاہر ہوگا کہ کلالہ یا تو لیے معنی مصدری ہی میں مستعمل ہوگا جو اسکے معنی موضوع لہ ہیں یعنی ماسوائے والد و ولد کا وارث ہونا یا نہیں تو بمعنی فاعل یعنی وہ وارث جو ماسوائے والد و ولد ہو۔ یا معنی مفعول یعنی مورِث کے لئے مستعمل ہوا ہو۔ تو اس سے مراد وہ میت لاولد ہوگا جس کے وارث صرف بھائی بہن ہی ہوں۔ بس اس معنی اخیر سے لوگوں کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ کلالہ اس مورِث کو کہتے ہیں

قرابت رکھتا ہو اور میّت کا نہ والد ہو نہ ولد ہو۔ اور اسی کو معنی ۲ میں یوں بیان کیا ہے کہ من لم یکن من النسب بخاً یعنی جو بلا واسطہ نسبی قرابت مند نہ ہو لیکن یہ ۳ و لا معنی ناقص رہتا ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس معنے کے اعتبار سے دادا، دادی وغیرہ اور پوتا پوتی بھی کلالہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بلا واسطۂ پدر یا پسر میّت کے قرابت مند ہوتے ہیں حالانکہ یہ کلالہ نہیں ہیں۔ بخلاف اخفش و فراء کے بیان کردہ معنی کے کہ "والد" کے لفظ میں باپ کے ساتھ دادا بھی آجاتا ہے۔ اسی طرح "ولد" میں پوتا پوتی بھی داخل ہیں۔

## لغوی تحلیل

اہلِ لغت لکھتے ہیں۔ کَلَّ۔ یکلّ۔ کلاًّ و کلالاً و کلالۃ ای اعیا یقال کللت من المشی ای عییت۔ اکلّ کلالاً و کلالۃ ای اعیٰی۔ کلّ السّیف والبصر واللسانُ وغیرھا من الاشیاء الحدیدۃ الکل الذی ھو عیالٌ وثقلٌ علی صاحبہ۔ قال اللہ تعالیٰ: "کلّ علی مولٰہُ" ای عیال وثقل علیہ۔ یقال القی فلانٌ علی فلان کلّہٗ ای ثقلہ۔ ومنہ الحدیث "من ترک کلاًّ فعلیّ و الیّ" ای من ترک ولدًا لا کافل لہ فامرہٗ موکل علیّ و مفوّض الیّ۔ یصلح احوالہ من بیت المال (ملخص ما فی المغرب والمنجد ولسان العرب والجمہرہ وغیرہ) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کلّ کے معنی ہیں بوجھ کے، جبر کے۔ جو شخص کسی دوسرے کے سر پڑا۔ اس کے اخراجات دوسروں کے سر ہوں بغیر کسی خاص حق کے تو وہ اس پر بوجھ سا، جبر سا معلوم ہوتا ہے اعم اس سے کہ وہ اس کو بوجھ اور جبر سمجھے یا نہ سمجھے۔ کلالہ اسی کا مصدر ہے۔ یعنی بوجھ یا جبر ہونا ایسی وراثت جس کی رُو سے مرنے والے کے اُصول (ماں باپ، دادا، دادی وغیرہ) اور فروع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی وغیرہ) وارث نہ ہوں۔ بلکہ ان کے علاوہ دوسرے لوگ مثلاً بھائی بہن وغیرہ وارث ہوں۔ تو ایسی وراثت مرنے والے پر ضرور جبر ہو سکتی ہے یعنی اس کے دل کو یہ اذیت محسوس ہو سکتی ہے کہ اگر میرے اولاد ہوتی تو یہ لوگ جن کو مجھ سے کوئی خاص قریبی تعلق قلبی نہیں ہے میرے وارث نہ ہو سکتے۔ یہ لوگ صرف میرے

اولاد نہ ہونے کی وجہ سے خواہ میرے وارث ہو گئے۔ اصول یعنی والدین تو اولاد کے رہتے بھی وارث ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان کی وراثت کلالۃ نہ ہو گی۔ صرف انہیں کی وراثت کلالہ ہو گی جو اولاد کے ہوتے وارث نہ ہو سکیں۔ اصول یعنی والدین کی وراثت بھی مرنے والے پر جبر فطرۃً ہو سکتی ہے اور مرنے کے وقت یہ خیال آسکتا ہے کہ اگر اولاد ہوتی تو سارا مال ماں باپ ہی نہ لے لیتے۔ مگر اسی جبر کو یہ کہہ کر دور فرما دیا گیا کہ آباؤکم و ابناءکم لا تدرون ایهم اقرب لکم نفعا۔ تم نہیں سمجھتے کہ تمہارے لئے تمہارے باپ، ماں، زیادہ نفع بخش ہیں یا اولاد۔ یعنی ان کی وراثت کو کلالۃ نہ سمجھو۔

**روایات** تعجب در سخت تعجب ہے کہ تفسیر ابن کثیر میں ابن جریر کے حوالے سے صرف ایک ہی روایت نقل کی ہے جس کو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے شعبی روایت کرتے ہیں اور شعبی سے عاصم احول اور ان سے سفیان ثوری اور ان سے ابو بشر بن عبدالاعلیٰ اور ان سے ابن جریر روایت کرتے ہیں کہ قالا الکلالة من لا ولد له ولا والد علاوہ یہ روایت مرسل ہونے کے علاوہ ایک ایسے مجہول الحال راوی سے مروی ہے، جو صرف مجہول الحال ہی نہیں بلکہ مفقود الخبر شخص ہے۔ یعنی ابو بشر بن عبدالاعلیٰ،

ان کا ذکر نہ تقریب میں ہے نہ تہذیب الکمال میں ہے، نہ تہذیب التہذیب میں نہ طبقات ابن سعد میں، نہ خلاصۃ التہذیب میں، نہ میزان الاعتدال میں، نہ لسان المیزان میں، نہ تذکرۃ الحفاظ میں اور نہ دولابی کی کتاب الاسماء والکنیٰ میں۔ مرسل اس لئے میں نے کہا کہ شعبی کی کوئی روایت شیخین میں سے کسی سے بھی متصل نہیں ہو سکتی ہے۔ شعبی کی تو ولادت ہی آخر عہد خلافت فاروقی میں ہوئی ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر نے تہذیب

---

عہ یعنی حضرت شیخین رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کے نہ والد ہوں نہ ولد عہ مرسل اس روایت کو کہتے ہیں جس کے راویوں کا سلسلہ منقطع ہو جائے درمیان سے کوئی راوی چھوڑ دیا گیا ہو۔ اس قسم کی روایت کو مرسل بھی کہتے ہیں اور منقطع بھی۔ ایسی روایتیں عموماً ضعیف سمجھی جاتی ہیں ان پر وثوق نہیں کیا جا سکتا۔

التہذیب میں وضاحت سے لکھ دیا ہے مگر تعجب یہ ہے کہ ابن جریر نے اس روایت سے پہلے انہیں عاصم احول اور شعبی سے حضرت صدیق اکبر رض کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ الکلالۃ ما خلا الولد والوالد پھر اسی روایت میں یہ بھی موجود ہے فلما استخلف عمر رضی اللہ عنہ قال انی لاستحی من اللہ تبارک وتعالیٰ ان اخالف ابابکر فی رأی راٰہ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت فاروق اعظم رض کا فتویٰ بھی وہی تھا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ تھا۔ اور یہ روایت مشاہیر رواۃ سے ہے، ان میں کوئی مجہول راوی نہیں ہے۔ پھر یہی روایت دوسرے طریق سے بھی یہیں پر موجود ہے اور اس مفہوم کی تقریباً دس روایتیں ابن جریر نے جمع کر دی ہیں۔ جس کی ابتداء ہی یوں کی ہے۔ اختلف اہل التاویل فی الکلالۃ فقال بعضھم ھی ما خلا الوالد والولد۔ ذکر من قال ذالک ...... الخ یعنی معنی بتانے والوں نے کلالہ کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ تو بعضوں نے کہا کہ کلالہ والد و ولد کے ماسوا کو کہتے ہیں، جن کا یہ قول ہے انہوں نے یہ روایتیں ذکر کی ہیں۔ اس کے بعد ابن جریر نے دس روایتیں یکے بعد دیگرے لکھ دی ہیں۔ لیکن ابن کثیر کو تفسیر ابن جریر میں یہ سب روایتیں مطلق نظر نہ آئیں۔ اس کے بعد ابن جریر نے یہ بھی ضرور لکھا ہے۔ اور بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں۔ الکلالۃ من لا یرثہ والد ولا ولد وکل من لا ولد لہ ولا والد۔ یعنی کلالہ وہ ہے جس کے وارث والد و ولد نہ ہوں۔ اور ہر وہ شخص جس کے نہ ولد ہو نہ والد۔ پھر اس قول والوں کے پاس جو روایتیں ہیں ان کو بھی ابن جریر نے لکھ دیا ہے مگر یہ روایتیں پہلے قول والوں کی روایتوں سے از روئے جرح و تعدیل رواۃ ضرور کمزور ہیں۔ دوسری بات یہ بھی غور طلب ہے کہ یہاں دو اقوال مذکور ہیں۔

پہلا قول: من لا یرثہ والد ولا ولد۔

---

لہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کلالہ وہ وارث ہے جو والد و ولد کے ماسوا ہو۔ لہ یعنی حضرت عمر فاروق رض نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے شرماتا ہوں اس امر میں کہ حضرت ابوبکر رض کی رائے کی مخالفت کروں [illegible]

دوسرا قول کل مَن لّا ولدلہ ولا والدان میں سے کسی کو بھی کوئی غلط نہیں کہتا کیونکہ یہ کلالہ کی ایک قسم ہے۔ یہاں سوال اسی میں انحصار کا ہے۔ اگر اسی مفہوم میں کلالہ کو منحصر سمجھا جاتا ہے جب یہ ضرور غلط ہے ورنہ کلالہ کی ایک قسم یہ بھی ہے مَن لا ولدلہ و لا والد یعنی جس کے نہ اولاد ہوں نہ والدین۔ اصل بنائے اختلاف تو یہ ہے کہ اگر میت لاولد کے والد یا والدین زندہ ہیں تو پھر بھائی بہن اس کے وارث کلالہ ہو سکیں گے یا نہیں؟

جو شخص مرجائے اور اس کے نہ اولاد ہوں اور نہ والدین تو اس کی وراثت تو بالاتفاق کلالۃ ہوگی۔ اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ یہی بنائے اختلاف سمجھنے کی چیز اور تحقیق و تحیص کا اصل مرکز ہے۔ بعض لوگ اس بنائے اختلاف کو نہیں سمجھتے اور دونوں قول کو ایک قرار دیتے ہیں۔

پھر ابن جریر لکھتے ہیں کہ وقال الآخرون الکلالۃ ما خلا الولد یعنے اور دوسروں نے کہا ہے کہ کلالہ وہ وارث ہے جو اولاد کے ماسوا ہو۔ اس قول کے ثبوت میں لکھتے ہیں کہ عن شعبۃ قال سألتُ الحکم عن الکلالۃ قال ھو ما دون الأب یعنے شعبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حکم بن عتیبہ سے کلالہ کے متعلق پوچھا تو حکم نے کہا کہ کلالہ ماسوائے پدر کو کہتے ہیں۔ یہاں ناظرین کو حیرت ہوگی کہ دعویٰ تو یہ کیا گیا کہ کلالہ ماسوائے ولد کو کہتے ہیں اور دلیل میں حکم کا قول پیش کیا جاتا ہے کہ کلالہ ماسوائے اَب ہے۔ یہ کیا؟ اصل یہ ہے کہ کلالہ کے لئے لاولد ہونا تو سب کے نزدیک مسلم ہے۔ اختلاف صرف اس میں ہے کہ جس طرح کلالہ کو بے ولد ہونا ضروری ہے کیا اسی طرح بے والد ہونا بھی ضروری ہے؟ ایک جماعت بے والد ہونا بھی ضروری کہتی ہے۔ دوسری جماعت بے والد ہونا ضروری نہیں کہتی۔ مگر دونوں کے نزدیک وارث غیر والد و ولد ہی نسبی قرابت کی وجہ سے ہوں گے، جب ہی وہ وارث کلالہ ہوں گے یا ان کی وراثت کلالہ کہی جائے گی تو جن کا قول الکلالۃ ما خلا الولد ہے یہاں ان کی مراد یہ ہے کہ کلالہ کے لئے صرف اولاد کا نہ ہونا ضروری ہے اور ماسوائے اولاد موجود ہو سکتے ہیں اور وارث بھی ہو سکتے ہیں اور حکم نے جو ما دون الاب کہا اس کا

مطلب یہ ہے کہ کلالہ لا ولد تو ہوگا ہی ۔ مگر اس کے ورثہ نسبی حیثیت سے والدین اور غیر والدین سب ہو سکتے ہیں تو ما دُون الاب یعنے ماں باپ کے سوا جو وارث بھی نسبی قرابت کے اعتبار سے ایک لا ولد میت کے ہوں ۔ وہ کلالہ ہوں گے ۔ اسی عتبا سے جن کا قول الکلالۃ ما خلا الولد تھا انہوں نے حکم کے اس قول کو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیا ۔ ورنہ ما دون الاب کے عموم میں تو اولاد بھی آ جائے گی ۔ تو کیا اولاً کو بھی حکم کلالہ سمجھتے تھے ؟ اور میں نے جو الاب کے ترجمہ میں باپ کے ساتھ ماں کو بھی داخل کر لیا ۔ اس لئے کہ " والد اور اَب " کا لفظ دونوں کو شامل ہے ۔ اسی لئے " والدین اور ابوین " بولتے ہیں ۔ قرآن مجید میں ہے ۔ وورثہ ابواہُ یعنی میت کے وارث اس کے دونوں اَب ہوں تو ماں ضرور یہاں شامل ہوگی اور ظاہر ہے کہ ماں کی وراثت ہرگز کلالۃ نہیں ہوتی ۔ ورنہ ماں کو یا اس کی وراثت کو بھی کلالہ کہنا ہوگا ، جو کوئی بھی نہیں کہتا اسی طرح " ولد " کے لفظ میں بھی " بیٹے " کے ساتھ بیٹی ضرور داخل ہے اِنِ امْرُؤٌ ھلکَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ کے یہی معنی ہیں کہ میت کے نہ بیٹا ہو نہ بیٹی ہو ، اسی لئے جہاں جہاں ما خلا الولد کا لفظ ہے ۔ وہاں " ولد " سے " بیٹا بیٹی " دونوں مراد ہوں گے ۔ جس طرح قولہ تعالیٰ : ولِاَبویہِ لِکُلِّ واحدٍ منھُمَا السّدسُ مِمّا تَرکَ اِن کَانَ لَہٗ ولدٌ " میں لفظ ولد سے بیٹا بیٹی دونوں مُراد ہیں یعنے میت کے بیٹا ہو یا بیٹی اور ماں باپ بھی ہوں تو ماں باپ کو ایک ایک سدس ملتا ہے یہاں ولد میں بیٹا بیٹی دونوں بالاتفاق داخل ہیں ۔

پھر ابن جریر نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول بھی نقل کیا ہے ۔ مختصراً ترجمہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ کلالہ وہ ہے جس کے کوئی ولد نہ ہو ، ابن کثیر نے اس روایت کو بھی نقل تو کیا ہے مگر " مَن لَّا وَلَدَ لَہٗ " کے بعد " ولا والد " کا فقرہ اپنی طرف سے اضافہ کر کے حالانکہ نہیں پر ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک فتوٰی بھی نقل کر دیا ہے ۔ ابن جریر لکھتے ہیں ( ترجمہ ملاحظہ ہو ) دوسروں نے کہا کہ ولد کے سوا جو بھی ہو وہ

کلالہ ہے اور یہ قول ہے ابن عباس رضہ کا جس کو میں نے بروایت طاؤس نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضہ نے اخیافی بھائی بہن کو میت کے ماں باپ کے ہوتے سدس دلوایا (ترجمہ قول ابن جریر ختم ہوا) مگر اس روایت سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ اگر عینی یا عُلاقی بھائی بہن ہوتے تو حضرت ابن عباس رضہ میت کے باپ ماں کے ہوتے ان کو سدس نہ دلواتے، چونکہ اخیافی ہی تھے۔ اس لئے انہیں کو دلوا دیا۔ اگر عینی و علاقی و اخیافی سب ہوتے تو حضرت ابن عباس رضہ صرف عینی ہی کو سدس دلواتے اور علاقی و اخیافی کو محروم ہی قرار دیتے۔ اگر عینی نہ ہوتے تو علاقی ہی کو دلواتے اخیافی کو محروم قرار دیتے۔ چونکہ صرف اخیافی ہی تھے۔ اس لئے صرف اخیافی ہی کو سدس دلوا دیا۔ کیونکہ وہ الاقرب فالاقرب کے اصول کو جانتے تھے۔ غرض ان تمام اقوال میں یہ قول کہ کلالہ صرف وہی ہے جس کے نہ والد ہو نہ ولد۔ یا جس کا وارث نہ والد ہو نہ ولد بالکل بے اصل اور سرے سے غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس کے ثبوت میں کوئی حدیث مرفوع یعنی خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول تو ہے ہی نہیں، متاخرین کے وہی ضعیف اقوال کے سوا کچھ پیش نہیں کئے جا سکتے۔

مگر اس کا کیا جواب ہے کہ ایک ہزار سال سے تمام فقہاء و علماء نے اسی قولِ ضعیف و مخالف قرآن کو صحیح مان لیا ہے اور باقی اقوال جو قرآن کے مطابق ہیں ان سے بالکل چشم پوشی کر لی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے وجود سے انکار ہے۔ قرآن مبین نے آخر سورہ نساء میں قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ الخ یعنی یہ کہہ دو اے اللہ کے رسول کہ اللہ تعالے تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوٰی دیتا ہے کہ ایک شخص مر گیا جس کے کوئی ولد نہیں ہے۔ الخ

یہاں پر کلالہ کی تعریف خاص کر کے صرف اسی لئے بتا دی کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ کلالہ صرف میت لاولد ہی کو کہتے ہیں۔ لاوالد ہونا اس کے لئے ضروری نہیں۔ یہاں یہ اس لئے بتلا دیا کہ اس آیت میں جو صورتِ مسئلہ سامنے ہے وہ ایسی ہے کہ میت کے نہ ماں باپ ہیں نہ اولاد۔ صرف بھائی بہن ہیں اور کوئی بھی

نہیں، حتیٰ کہ زوج یا زوجہ بھی نہیں۔ اس لئے ہو سکتا تھا کہ اس آیت کے عنوان
بیان سے یہ سمجھ لیا جائے کہ کلالہ وہ ہے جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ اولاد اور نہ
زوج اور نہ زوجہ، اس لئے کلالہ کی صحیح تعریف پہلے بیان کر دینا ضروری تھا۔
چنانچہ بتا دیا کہ کلالہ وہ ہے جو لاولد مرے اور اس کے بھائی بہن بھی ہوں۔ عام اس
سے کہ ماں باپ دونوں یا ایک ہوں یا نہ ہوں۔ زوج یا زوجہ ہو یا نہ ہو۔ آیۃ الشتاء[1]
میں کلالہ کا جو ذکر آیا ہے تو وہاں بھی بھائی بہن کی وراثت کا ذکر موجود ہے۔ مگر وہاں والدین
کے ہوتے ان کی وراثت کا ذکر ہے اور یہاں یعنے آیت الصیف میں والدین کے
نہ ہونے کی حالت میں جب بھائی بہن وارث ہوں، اس کا ذکر ہے۔ اس لئے
والدین کا ہونا یا نہ ہونا محض اتفاقی امر ہے۔ کلالہ کی تعریف میں[2] داخل نہیں۔

## کلالہ کے اصل معنی

لیکن افسوس کہ مفسرین اور فقہاء نے اس قرآنی تعریف پر مطلق
غور نہیں فرمایا اور اہل عجم کی افترائی روایتوں میں الجھ کر خواہ مخواہ کہیں اخوۃ کو عینی
و علاتی قرار دیا اور کہیں اخیافی۔ اہل سنت نے بھی انہیں روایتوں اور انہیں مفسرین
وفقہاء کے اقوال مختلفہ کو جمع کر دیا۔ مگر افسوس ہے کہ کوئی بھی قرآن کی اس تصریح کو
نہیں لکھتا ہے۔ یہاں تک کہ ابن جریر ان لوگوں کا قول نقل کرتے ہوئے جو یہ
کہتے ہیں کہ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے صرف اولاد نہ ہوں تو فقط روایات اور

---

**وجہ تسمیہ آیت الشتاء و آیت الصیف** | [1] سورۂ نساء کے رکوع ۲ میں جو کلالہ کا مسئلہ بیان فرمایا
گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت موسم سرما میں نازل ہوئی تھی اسی لئے اس کو آیت الشتاء یعنی موسم سرما والی آیت کہتے
ہیں۔ اور آخر سورۂ نساء میں جو کلالہ کا فتویٰ آیا ہے اس کے متعلق تاریخ قرآن کے ماہرین کا عقیدہ ہے کہ
یہ آیت موسم گرما میں اتری تھی اس لئے اس آیت کو آیۃ الصیف یعنی موسم گرما والی آیت کہتے ہیں۔ ولا مشاحۃ
فی الاصطلاح "مسلمات" میں جھگڑا کیوں کیا جائے اسی سے میں نے بھی وہی قول مان لیا ہے۔

**ایک اہم حاشیہ** | [2] کلالہ کی صحیح تعریف اور اس کی تقسیم کلالہ کامل و کلالہ ناقص اور اس کی وجہ کہ کلالہ
کا بیان آیت الشتاء میں کیوں نہیں کیا گیا۔ اور چند ماہ کے بعد موسم گرما میں وہ بھی لوگوں کے استفتاء کے
بعد کیوں بتایا گیا۔ یہ سب مسائل بتفصیل علامہ مولانا اسلم جیراجپوری کی تفسیر کے مقدمہ میں آگئے ہیں۔ یہاں ان باتوں کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

قول ہی نقل کرتے ہیں، قرآن حکیم کی اس آیت سے نہ خود اس قول کی صحت پر استناد کرتے ہیں نہ کسی کا ذکر کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اس قول کی سند میں، اس آیت کو پیش کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مبین کی اس تصریح کی طرف کسی کی نگاہ نہ تھی۔ فاعتبروا یا اُولی الابصار۔

## ابن کثیرؒ کی دلیری

ان تمام تصریحات کو سن لینے کے بعد اب آپ ابن کثیرؒ کی دلیری ملاحظہ فرمائیے کہ وہ اس آیت کی تفسیر میں کس بے باکی کے ساتھ یوں تحریر فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| الکلالة من لا ولد له ولا والد | یعنی کلالہ وہ ہے جس کے نہ ولد ہو، |
| وهكذا قال علي وابن مسعود | نہ والد۔ ایسا ہی کہا ہے حضرت علیؓ اور |
| وصح عن غير واحد عن ابن | ابن مسعودؓ نے اور یہی قول ابن عباسؓ |
| عباس وزيد بن ثابت وبه | کا بھی ایک سے سوا راویوں سے ثابت |
| يقول الشعبي والنخعي والحسن | ہے اور زید بن ثابت کا قول بھی۔ اور |
| وقتادة وجابر بن زيد | یہی کہا ہے شعبی اور نخعی اور حسن اور قتادہ |
| والحكم وبه يقول اهل | اور جابر بن زید اور حکم نے اور یہی کہتے |
| المدينة واهل الكوفة | ہیں اہل مدینہ اور اہل کوفہ اور اہل بصرہ |
| والبصرة وهو قول الفقهاء | اور یہی فقہاء سبعہ اور آئمہ اربعہ |
| السبعة والائمة الاربعة وجمهور | اور جمہور سلف و خلف بلکہ سب کے |
| السلف والخلف بل جميعهم | سب کا قول ہے اور ایک کے سوا |
| وقد حكى الاجماع عليه غير | اشخاص نے اس پر اجماع بیان کیا ہے |
| واحد وورد فيه حديث | اور اس بارے میں حدیث مرفوع بھی |
| مرفوع۔ | وارد ہے۔" |

یہاں تک لکھنے کے بعد ابن کثیرؒ آخر میں تحریر فرماتے ہیں (ابن عباسؓ کے دونوں قول نقل کرکے یعنی یہ بھی کہ کلالہ وہ ہے جس کے نہ والد ہو نہ ولد۔ اور یہ بھی

کہ کلالہ وہ ہے جس کے صرف ولد نہ ہو"۔

والصحیح الاول ولعل — یعنی صحیح پہلا قول ہی ہے۔ اور
للراوی ما فھم ما — غالباً راوی نے ان کی مراد سمجھی ہی نہیں
ارد — ہے۔

اس کے بعد آیت کی تفسیر لکھتے ہیں :-

فقولہ تعالٰی "ولہ اخ او اخت" — یعنی اللہ تعالٰی نے جو فرمایا کہ "اور اس
ای من ام کما ھو فی قراءۃ — میت کے بھائی ہو یا بہن ہو" اس سے
بعض السلف منھم سعد — مراد وہ بھائی بہن ہیں جو ماں کی طرف
ابن ابی وقاص وکذا فسرہ — سے یعنی اخیافی ہیں۔ جیسا کہ سلف
ابوبکر الصدیق فیما — میں سے بعض کی قراءت میں یہاں
رواہ قتادہ عنہ۔ — پر "من ام" کا لفظ ہے۔ انہیں سلف
میں سے سعد بن ابی وقاص رضہ بھی ہیں

اور اسی طرح اس آیت کی تفسیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی
کی ہے اس روایت میں جو قتادہ رضہ نے ان سے کی ہے :

ابن کثیر نے جو بلا دلیل ستنے دعوے غیر معمولی جسارت کے ساتھ کر ڈئے جو سراسر
اور بالکل واقعیت کے خلاف ہیں، میں حیران ہوں کہ ان کے متعلق کیا لکھوں۔ بہتر ہے
کہ میں ابن کثیر رحہ کے ہر ہر قول کا تجزیہ کر کے اس کے ہر ہر جزء کی تنقید خود ناظرین کے
سامنے پیش کر دوں کہ اہل انصاف خود فیصلہ کر لیں۔ ابن کثیر رحہ فرماتے ہیں کہ کلالہ
کے معنے بس صرف یہی ہیں کہ "جس کے نہ والد ہو نہ ولد"۔ اور یہی قول سب کا ہے۔
سلف سے لے کر خلف تک کا اور اسی پر اجماع ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ کے بالکل خلاف
ہے۔ میں ابن جریر کی عبارت پیش کر چکا ہوں کہ کلالہ کی تعریف کے متعلق لوگوں
کا اختلاف رہا ہے۔ جن میں ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ کلالہ وہ وارث ہے جو
والد و ولد کے سوا ہو۔ اس قول کی سند میں دس روایتیں ابن جریر نے پیش کی ہیں

اور یہ روایتیں نسبتاً اس قول کے مطابق روایتوں سے زیادہ قوی ہیں جن کو ابن کثیر رح نے پیش کیا ہے۔

## دو مختلف اقوال کو ایک سمجھا

یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ بعض کم فہم یا غیر منصف حضرات نے ان دونوں اقوال کو ایک قرار دیدیا ہے۔ اور اس لئے سمجھتے ہیں کہ سب ایک ہی بات بول رہے ہیں۔ بجو بی ممکن ہے کہ ابن کثیر رح بھی اسی دھوکے میں پڑ گئے ہوں۔ حالانکہ مَن لّاولدہٗ ولا والد" (جس کے نہ ولد ہو نہ والد) اور ما خلا الوالد والولد (والد وولد کے سوا) میں بہت واضح فرق ہے۔ پہلی تعریف کی رُو سے کلالہ سے مرنے والا مورورث مراد ہوتا ہے اور اس تعریف کی رُو سے ضروری ہے کہ مورورث عنہ کے ماں باپ کوئی بھی زندہ نہ ہوں جس طرح کوئی اولاد نہ ہو۔

اور دوسری تعریف کی رُو سے کلالہ کا لفظ وارث پر صادق آتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہوتا کہ مورورث عنہ کے ماں باپ زندہ نہ ہوں بلکہ ماں باپ کی زندگی میں بھی اگر کوئی شخص نسبی قرابت کیوجہ سے وارث ہو جائے تو وہ وارث کلالہ ہوگا۔

اس لئے مَن لاولد له ولاوالد اور مَا خلا الوالد والولد دونوں کو ایک سمجھ لینا انتہائی غلطی اور بہت بڑا دھوکہ ہے۔ ابن کثیر رح نے یقیناً دونوں قول کو ایک ہی سمجھ کر لکھ دیا کہ سب ایک ہی بات کہہ رہے ہیں اور اسی قول پر سلف جہاں کا اجماع ہے وغیر ذالک۔ اور اسی طرح کا دھوکہ اہل لغت کو بھی ہوا۔ یہ مغلطہ ناظرین کو خوب یاد رہنا چاہیئے۔ اسی لئے یہاں میں نے دوبارہ یاد دہانی کر دی۔

## ابن کثیر کی فرضی مرفوع حدیث

تعجب ہے کہ ابن کثیر نے جو یہ لکھا ہے کہ اسی قول کے مطابق حدیث مرفوع بھی وارد ہوئی ہے تو پھر اس حدیث مرفوع کو ذکر کیوں نہ کیا؟ صحاح میں تو ایک حدیث بھی اس کے متعلق نہیں مل سکتی۔ غیر صحاح میں بھی تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ ایک حدیث بھی جو مرفوع ہو ابن کثیر کے موافق نہیں مل سکتی ہے۔ اس لئے

کہ غیر مرفوع، مراسیل میں بقول صاحب درّ منثور ابوداؤد نے ابوسلمہ سے ایک روایت پیش کی ہے جس کو درّ منثور میں عبد بن حمید سے بھی نقل کیا ہے کہ جآء رجل الی رسول الله صلی الله علیہ وسلم فسألہ عن الکلالۃ فقال اما سمعت الایۃ التی انزلت فی الصیف . قل الله یفتیکم فی الکلالۃ فمن لم یترک ولدًا ولا والدًا فورثتہ کلالۃ مگر اس روایت کی لغویت اسی سے ظاہر ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آیت الصیف کا حوالہ دیا تو پھر پوری آیت کیوں نہ پڑھ دی ۔ قل اللہُ یفتیکم فی الکلالۃ تک پڑھ کر کیوں رہ گئے ۔ اس کے بعد تو اس آیت میں خود ہی کلالہ کی تفسیر موجود ہے ۔ ان امرؤٌ ھلک لیس لہٗ ولدٌ الخ یعنے : ایک شخص مرگیا اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہے ۔ الخ تو پھر اس قرآنی تفسیر کو چھوڑ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک نئی تفسیر اپنی طرف سے کیوں فرما دی ۔

## مرفوع حدیث یعنی بل رفعہُ اللہُ الیہ

پھر ابوداؤد کی یہ مرسل روایت ہے مرفوع نہیں ۔ اس لئے قابل وثوق بھی نہیں ۔ غالباً ابن کثیر والی وہ مرفوع روایت بل رفعہ اللہ الیہ کا مصداق بن کر دنیا سے مرفوع الی السماء ہوگئی ۔

## ابوداؤد کی دوسری آخری حدیث

حقیقت یہ ہے کہ ابوداؤد کے اس باب کی آخری روایت میں یہ فقرہ حدیث میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ راوی کا قول ہے ۔ چنانچہ ابوداؤد کی پوری حدیث یوں ہے ۔

| | |
|---|---|
| حدثنا منصور بن ابی مزاحم | یعنے ابوداؤد منصور بن ابی مزاحم سے |
| نا ابوبکر عن ابی اسحٰق عن | وہ ابوبکر بن عیاش سے وہ ابو اسحٰق |
| البراء بن عازب قال جاء | السبیعی سے وہ حضرت براء بن عازب |
| رجل الی النبی صلی اللہ علیہ | سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص |
| وسلم فقال یا رسول اللہ صلی | رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس |

الله عليه وسلم يستفتونك
في الكلالة. قال ما الكلالة قال
تجزئك آية الصيف قلت
لأبي اسحق هو من مات ولم
يدع ولدا ولا والدا قال
كذلك

آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ لوگ آپ سے
کلالہ کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تو
کلالہ کس کو کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے آیت
الصیف (آخر سورۂ نساء والی آیت
یعنی ان امرؤ ہلک لیس لہ ولد الخ ایک
شخص مرگیا اور اس کے کوئی اولاد
نہیں ہے۔ الخ) کافی ہے۔ (یہاں تک
اصل حدیث ختم ہوگئی۔ اسکے بعد ابوبکر بن عیاش نے کہا کہ) میں نے ابو اسحٰق
السبیعی سے پوچھا کہ وہ (یعنی کلالہ تو) وہ شخص ہے جو مرگیا اور نہ اس نے
ولد چھوڑا اور نہ والد۔ تو ابو اسحاق نے کہا کہ ایسا ہی ہے؛
تو کلالہ کے یہ معنے کہ جس مرنے والے کے نہ ولد ہو نہ والد۔ یہ تو ابو اسحٰق السبیعی
کا قول ہے، حدیث کا ٹکڑا کہاں ہے۔

**ابوداؤد کا عنوان بیان**

اور ابوداؤد نے تو باب بھی باندھا ہے۔ من کان لیس لہ ولد ولہ اخوات اور اس سے
پہلے باب فی الکلالہ ہے۔ غرض ابوداؤد کی کسی روایت میں بھی حدیث کے اندر یہ تصریح
نہیں ہے کہ کلالہ کے لئے ولد کیطرح والد کا نہ ہونا بھی ضروری ہے۔

**ابو اسحاق السبیعی شیعہ کا اضافہ**

اور یہ بھی واضح رہے کہ ابو اسحٰق السبیعی
شیعہ تھے، اور ایسے ایسے لوگوں سے
روایت کیا کرتے تھے۔ جن سے کبھی کسی نے کوئی روایت نہیں کی۔ بلکہ بعض غیر صحابی کو صحابی
تک قرار دے کر اس سے مرفوع روایت کرنے میں ان کو کچھ باک نہ ہوتا تھا۔

## دُرِّ منثور کی روایت

صاحب درِّ منثور نے ایک روایت اور بھی پیش کی ہے واخرج ابوالشیخ عن البراء قال سئل رسول اللہ صلی اللہُ علیہ وسلم عن الکلالۃ - قال ما خلا الوالد والولد۔ یہ روایت کوئی نئی روایت نہیں۔ یہ وہی ابوداؤد والی روایت ہے۔ جس کو تفسیر عبدبن حمید سے صاحب درمنثور نے نقل کیا ہے۔ اسی لئے یہاں بھی وہی حضرت براء بن عازبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہے ہیں اور یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ قرآن مبین کے بالکل مطابق ہے اور اس میں ابواسحٰق السبیعی کا وہ تفسیری اضافہ نہیں ہے جس کو ابوداؤد نے توضاحت کے ساتھ حدیث کی تفسیر کے طور پر لکھا مگر عبدبن حمید اور ان کے تبع صاحب درِّمنثور نے جزء حدیث قرار دے کر نقل کیا۔ ابوالشیخ کی اس روایت نے تفسیر عبدبن حمید اور تفسیر درِّمنثور کی تصحیح کردی۔ غرض حضرت براء بن عازب والی جو روایت ہے وہ چاہے مرفوع ہو یا مُرسل جو بھی ہو، ابن کثیر کے موافق نہیں ہے بلکہ مخالف ہے۔

## ما خلا سے وارث مراد ہے

اس لئے کہ ما خلا الوالد والولد سے اسی قدر کلالہ کے معنی معلوم ہوئے کہ والدین اولاد کے سوا جو لوگ وارث ہوں۔ وہ کلالہ ہیں۔ یہ کبھی اس حدیث سے نہیں نکلتا کہ جس مورث کے نہ والدین زندہ ہوں نہ اولاد ہوں وہ کلالہ ہے۔ ما خلا الوالد والولد میں جو ما (موصولہ) ہے اس سے وارث مُراد ہیں۔ یا اگر ماخلا کو ایک لفظ قرار دیجئے تو یہ وارث کی صفت ہے۔

## مَن سے مورث مُراد ہے

اور من لم یکن لہٗ ولد ولا والد میں جو مَن موصولہ ہے، اس سے مورث محتہ مُراد ہے دونوں کو ایک قرار دے دینا انتہائی عدم تدبر کی دلیل ہے۔ غرض جو روایت خاص رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ وہ ابن کثیر کے خلاف ہے ہرگز موافق نہیں۔

## ابن عباس رضؓ کے اقوال

ابن کثیر کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول وفتویٰ ان کے موافق ہے اور جو ایک

قول ان کے خلاف ہے وہ ان کے نزدیک راوی کی نافہمی کیوجہ سے اس طرح رواتی ہوگیا ہے۔ حالانکہ حضرت ابن عباس رضہ سے متعدد طرق سے ان کے خلاف[1] روایتیں ہیں۔ جن کو میں آگے لکھتا ہوں۔ اور جو روایت ان کے نزدیک راوی کے عدم فہم سے ان کے خلاف مروی ہوگئی ہے، اس میں خود انہیں کا عدم فہم کام کررہا ہے۔ چونکہ یہ ما خلا الوالد والولد اور من لا والد له ولا ولد دونوں کے فرق کو نہیں سمجھ رہے ہیں اور خواہ مخواہ دونوں کو ایک کرکے دونوں طرح کے اقوال کو اپنے موافق ہی سمجھ رہے ہیں۔ اس لئے جس نے صرف من لا ولد له لکھ دیا یا کہہ دیا، بس اس کو یہ اپنے خلاف سمجھ کر اس کی تردید کرنے لگتے ہیں، حالانکہ جس طرح الکلالة من لا ولد له ان کے خلاف ہے۔ بالکل اس طرح الکلالة ما خلا الوالد والولد ان کے خلاف ہے۔ دونوں قول میں فرق صرف اس قدر ہے کہ الکلالة من لا ولد له میں کلالہ مورث لا ولد کو قرار دیا گیا ہے۔ اعم اس سے کہ اس کے والدین موجود ہوں یا نہ ہوں۔ اور الکلالة ما خلا الوالد والولد میں کلالہ وارث کو کہا گیا ہے۔ اعم اس سے کہ مورث کے والدین زندہ ہوں یا نہ ہوں۔ وجود والدین و عدم وجود والدین کی شرط ان[2] میں سے کسی قول میں بھی نہیں ہے۔ اچھا تو آپ حضرت ابن عباس رضہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔ قال ابن جریر حدثنا محمد بن بشار قال ثنا مؤمل قال ثنا سفيان عن عمرو بن دينار عن الحسن بن محمد بن حنيفة عن ابن عباس قال الكلالة ما خلا الوالد والولد۔ حدثنا ابن بشار وابن وكيع كلاهما قالا ثنا عبد الرحمن قال ثنا اسرائيل عن ابي اسحاق عن سليم بن عبد عن ابن عباس رضي الله عنهما بمثله پھر سلیم بن عبد السلولی سے ابن عباس رضہ کا یہی قول نقل کیا ہے۔ بطریق آخر ابن وکیع ہی سے۔ اور حکم بن عتیبہ کا قول[3] بھی سن لیجئے۔

---

[1] تفسیر کبیر ج۳ ص۱۳۲ میں ہے قال ابن عباس الاخوة باخذ ابن السدس الذي حجبوا الام عنه تو حق ابن عباس رضہ کے نزدیک بھائی بہن ماں کے حصے میں ایک سدس کم کرکے خود لے لیں گے اور باپ ماں ان کے حاجب ہوں گے

[2] جس سے صرف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک آیت کلالہ کے وہ معنی نہیں جو عرض کررہا ہوں۔ [3] اور پھر حکم کا وہ قول ہے کہ الکلالة هو ما دون الاب ... ابن جریر ...

قال ابن جریر حدثنی محمد بن المثنی قال ثنا محمد بن جعفر عن شعبة عن الحکم قال فی الکلالة ما دون الولد والوالد اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی سن لیجئے۔ وہی ابن جریر شعبی سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ الکلالة ما خلا الوالد والولد اور دوسرے طریق سے الکلالة ما دون الوالد والولد۔

**حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول**

قال ابن جریر حدثنا ابن وکیع قال ثنا ابی عن عمران بن حدیر عن السمیط قال کان رجل ایسر مخرج یوما وهو یقول بیده ودرة فکذا ابدؤہا الا انه قال ای علی حین ولست ادری ما الکلالة۔ الا ان الکلالة ما خلا الوالد والولد۔

**حضرت صدیق اکبر رض کا قول**

پھر سنئے۔ حدثنا ابن وکیع قال ثنا ابی عن سفیان عن جابر عن عامر عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال الکلالة ما خلا الوالد والولد

**مسند احمد سے حضرت عمر رض کی حدیث**

مسند امام احمد بن حنبل میں ہے عن معدان بن ابی طلحة قال قال عمر رض ما سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشئ اکثر مما سألته عن الکلالة حتی طعن باصبعه فی صدری وقال تکفیك اٰیة الصیف التی فی آخر سورة النساء (مسند احمد جلد اول ص۲۶) اور یہ مضمون متعدد طویل و قصیر روایتوں میں ہے۔ مسند جلد اول ص۲۸ ص۳۸ ص۵ اگر جی چاہے تو دیکھ لیجئے اور یہ معلوم ہے کہ آیت الصیف میں کلالہ کے متعلق صرف امرؤ هلك لیس له ولد ہے ولا والد نہیں ہے۔

مگر افسوس کہ ابن کثیر کو یہ سب چیزیں مطلق نظر نہ آئیں اور چونکہ وہ الکلالة ما خلا الوالد والولد۔ ما دون الوالد والولد کو اور من لم یکن لہ والد ولا ولد

یا من لیس لہ والد ولا ولد کو بالکل ایک متحد المعنی عبارتیں سمجھتے رہے اور دونوں طرز بیان کے فرق واضح سے بالکل بے خبر و غافل رہے۔ اس لئے یہ لکھ گئے کہ اس معنی کو جمہور سلف وخلف کہتے ہیں کہ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ والد ہو نہ ولد۔ اور اس پر تمام لوگوں کے اجماع کا دعویٰ کر بیٹھے۔ عفی اللہ عنہ وغفرلہ

حقیقت حال یہ ہے کہ آیۃ الصیف یعنے آخر سورۂ نساء والی آیت میں کلالہ کی صحیح تعریف موجود ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کلالہ کے معنے پوچھنے والوں کو اسی آیت کی طرف صرف متوجہ کر دینا کافی سمجھے۔

## آخر سورۂ نساء مع ترجمہ

آخر سورۂ نساء کو دیکھئے۔ یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد الآیۃ یعنے (اے رسول! لوگ تم سے (کلالہ سے متعلق) فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کلالہ کے بارے میں تمہیں فتویٰ دیتا ہے کہ ایک شخص مرگیا اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہے اور اس کی ایک بہن ہے تو اس کا نصف مال متروکہ ہے اور اگر کلالہ بہن ہی ہو یعنی بہن ہی لاولد مر جائے تو وہ (بھائی) اس (بہن) کے کل مال کا وارث ہو جائے گا۔ الخ

## کلالہ سے یہاں کیا وارث و موروث دونوں سمجھے جا سکتے ہیں۔

اس آیت سے پتہ لگا کہ کلالہ اس مورث بے ولد کو کہتے ہیں جس کے وارث صرف بھائی بہن ہوں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ہم آغاز میں لکھ چکے ہیں اس میں لیس یرثنی الا کلالۃ کے لفظ سے سمجھا گیا کہ کلالہ اس وارث کو کہتے ہیں جو بلا واسطہ میت کا قرابت مند از قسم اصول وفروع نہ ہو۔ اور آیت الشتاء یعنی سورہ نساء کے دوسرے رکوع کی آیت میں وان کان رجل یورث کلالۃً سے معلوم ہوا کہ کلالہ مصدر ہے اور کسی فرد لاولد کی اس وراثت کو کہتے ہیں جو والدین کے سوا کسی اور کو پہنچے

اگر یورث کو کان کی خبر اور کلالۃ کو تمیز قرار دیجیئے۔ ورنہ یہاں بھی کلالہ سے مورث ہی مُراد ہے کیونکہ دراصل رجل کَانَ کا اسم ہے اور یورث رجل کی صفت ہے۔ اور کلالۃ کان کی خبر واقع ہے۔ حال یا تمیز نہیں۔ حال تسلیم کریں جب بھی اس سے مُورث ہی مراد ہوگا۔ غرض قرآن حکیم میں دو جگہ کلالہ کا لفظ ہے اور دونوں جگہ مورث ہی اس لفظ سے مُراد ہے۔ وارث یا وراثت کہیں بھی مُراد نہیں۔ خواہ مخواہ کھینچ تان کر ثابت کرنا اور بات ہے۔ مگر کہا جا سکتا ہے کہ اس آخر سورہ نساء والی آیت میں کلالہ سے وارث و مورث دونوں ہی سمجھے جا سکتے ہیں یعنی: اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وله اخت فهو كلالة ایک شخص لاولد مرگیا اور اس کے بھائی بہن ہیں، بس وہی کلالہ ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ اِنِ امرؤ هلك ليس له ولد وله اخت (او اخ) فهى او هو كلالة یعنی وہ اخ یا اخت جو اس لاولد مورث کے وارث ہوں وہ کلالہ ہیں اور پھر وہ اصل معنے مصدری بھی یہاں مُراد لے سکتے ہیں۔ بایں طور کہ اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وله اُخْتٌ (او اخ) فورا ثتهما كلالة اس لئے يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ فرما کر صُورت مسئلہ پیش کر دی گئی اور صورت مسئلہ میں وارث بھی مذکور ہیں اور موروث بھی۔ اور وراثت کا تو بیان ہی ہے لیکن کلالہ کا مفہوم یہاں جو بھی لیجیئے، وارث یا موروث یا وراثت۔ بہر صُورت موروث کا صرف لاولد ہی ہونا اس کے لئے شرط لازمی ثابت ہوتا ہے۔ لاولدیت کے ساتھ لاوالدیت بھی کلالہ کے مفہوم میں موروث کے لئے ضروری ہو۔ یہ نہ تو اس آیت استیفت سے ثابت ہوتا ہے، نہ آیتِ الشتاء سے اور نہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی روایت سے ہوسکتا ہے کہ وراثت کلالہ کی صورت میں موروث لاولد کے والدین، دونوں یا ایک کوئی بھی

---

له یک مفصل مسودہ تھا جس کو صاف کر رہا تھا۔ یہاں تک صاف ہو چکا تھا کہ وہ مسودہ ایک صاحب ایک دن کے لئے دیکھ کر واپس کر دینے کا وعدہ کر کے لے گئے اور گھر جا کر اپنے ایک عزیز کے حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے اچانک موت کی خبر سن کر کلکتہ چلے گئے۔ واپس آئے تو انہیں پھر وہ مسودہ ان کے گھر نہ ملا۔ اور میرے پاس معذرت و شرمندگی کے سوا کچھ نہ لائے تو پھر یہ مسودہ کر جو

ہو، جس کی مثال آیت الصّیف یعنی آخر سورۂ نساء میں مذکور ہے اور ہو سکتا ہے کہ مورث لاولد کے والدین میں سے دونوں یا ایک موجود ہوں جس کی مثال اس آیت الشتاء میں موجود ہے۔

تعجب تو یہ ہے کہ علماءِ کرام تو ناسخ و منسوخ کی طرف بہت جلد دوڑ جاتے ہیں آخر انہوں نے آیت الشتاء کو آیت الصّیف سے منسوخ کیوں نہ کر دیا؟ یہ تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

اور جب اخیافی و عینی کا فرق کرنا تھا تو وراثت کے سلسلہ میں تین جگہ اخوۃ کا ذکر ہے ایک تو والدین کے بیان وراثت کے سلسلے میں دوسرے آیت الشتاء میں تیسرے آیت الصّیف میں۔ اور تین طرح کے اخوۃ بھی ہوتے ہیں۔ (۱) عینی (۲) علاتی (۳) اور اخیافی۔ تو جس طرح آیت الشتاء میں صرف اخیافی قسم کے اخوۃ مراد لے لئے۔ اسی طرح آیت الصّیف میں صرف عینی مراد لے لیتے اور والدین کے سلسلے میں صرف علاتی۔ و یہ بات قرین عقل بھی ہوتی۔ کہ علاتیوں کو سوتیلی ماں سے عداوت ہوتی بھی چاہیئے تو اگر باوجود اس کے کہ خود ان کو کچھ نہ ملے مگر یہ اس عداوت کے ماتحت جو فطرتاً ان کے قلوب میں سوتیلی ماں کے ساتھ ہے۔ خواہ مخواہ اس کا حصّہ کم کر کے باپ کو دلوا دیا تو بالکل مناسب ہے۔ ورنہ آیت الصّیف میں عینی و علاتی دونوں مراد لے لینا بالکل بے جوڑ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# الکلالۃ

---

**لغوی تحلیل** | كَلَّ يَكِلُّ كَلًّا وَكَلَالَةً وَكَلَالًا اعيا۔ كَلَلْتُ مِنَ المشي۔ أَعْيَيْتُ اَكَلَّ إِكْلَالًا اَوْ كَلَالَةً۔ اعيٰ۔ كَلَّ السَّيف والبصر واللسان وغيرها من الاشياء الحديدة۔ الكَلّ الذي هو عيال ويثقل على

صاحبه۔ قَالَ اللّٰهُ تعالیٰ : کَلٌّ عَلٰی مَوْلَاهُ ۔ ای عیالٌ وثقل علیه۔ یقال "اَلقیٰ فُلَانٌ عَلٰی فُلَانٍ کلّه" ای ثقله، ومنه الحدیث مَنْ تَرَكَ کَلًّا فعلیّ وَإِلَیّ ای مَن ترك ولدًا لا کافِلَ لهُ فَامرهُ موکل عَلَیّ وَمُفَوّضٌ إِلیّ یُصلحُ احواله من بَیتِ المَالِ (ملخص ما فی المغرب والمنجد ولسان العرب، والجمهرة وغیرہا)

خلاصہ یہ ہے کہ کَلٌّ کے معنی ہیں "بوجھ" "جبر" کے۔ جو شخص کسی دوسرے کے سر پڑا۔ اس کے اخراجات اس دوسرے کے سر ہوں، بغیر کسی خاص استحقاق کے تو وہ اس پر بوجھ اور جبر ہو سکتا ہے۔ کلالہ اسی کا مصدر ہے یعنی بوجھ، جبر ہونا۔

ہر مرنے والا یہی تمنا رکھتا ہے کہ اس کے بعد اس کا مال اس کی اولاد کو ملے، گر والدین بھی زندہ ہوں تو کچھ ان کو بھی۔ اور اگر اولاد مطلقًا نہ ہو۔ تو نسبی قرابت کے اعتبار سے وہ صرف والدین ہی کی وراثت کو پسند کرے گا، اگر والدین کے علاوہ بھائی بہن بھی وارث ہو جائیں۔ یا صرف بھائی بہن ہی وارث ہوں، یا اور دور کے قرابت مند، تو یہ فطرتًا اس پر جبر ہو سکتا ہے۔ اور اس کے دل میں اس کی حسرت مرتے کے وقت چٹکیاں لے سکتی ہے کہ اگر میری اولاد ہوتی تو یہ لوگ خواہ مخواہ میرے مال کے وارث نہ ہو جاتے اس لئے ایسی وراثت کو بھی کلالہ کہتے ہیں۔ یہ تو معنی مصدری کے اعتبار سے ہوا مگر چونکہ

---

[1] یہ ایک ایسی فطری آرزو اور نفسیاتی خواہش ہے جس سے بتقاضائے بشریت انبیاء و مرسلین بھی محفوظ نہیں رہے۔ چنانچہ سورۂ مریم کے شروع ہی میں حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے۔ انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں فریاد کی کہ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا۔ غرض یہ خواہش کہ میرے بعد میرا وارث میرا بیٹا ہی ہو، میری اولاد ہی ہو، ہر شخص کے دل میں فطرتًا ہوتی ہے۔ اور غیر اولاد کی وراثت کو وہ صرف بدرجہ مجبوری ہی قبول کرتا ہے۔ ترجمہ ــ میرے رب! میں اپنے عصبوں سے ڈرتا ہوں (کہ یہ لوگ میرے بعد میرے وارث ہو جائیں گے اور میری بیوی تو بانجھ ہے، اس لئے اب تو اپنی طرف سے مجھ کو ایک وارث (بیٹا) دے دے۔

مصدر متعدی کی نسبت اس کے فاعل اور مفعول دونوں ہی کی طرف ہوتی ہے۔ اس لئے اس مصدر کو صفت قرار دے کر کبھی وارث پر بھی اس کا اطلاق کرتے ہیں اور کبھی مورِث عنہ یعنی مورث پر بھی۔

## قرآن مبین میں دوجگہ کلالہ کا ذکر

قرآن مبین میں کلالہ کا لفظ دو ہی جگہ آیا ہے۔ آیت الشتاء یعنے سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں اور آیت الصَّیف یعنے آخر سورۂ نساء میں ؛ جو حسب ذیل ہیں۔

پہلی آیت "آیت الشتاء" وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ الاٰیۃ۔ یعنی اور جس کی میراث بانٹی جاتی ہے (یا) جو موروث عنہ یعنی مورِث بنایا جاتا ہے، اگر کلالہ ہے یعنی اس کے بھائی یا بہن ہیں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ الخ (سورۂ نساء رکوع ۲)

دوسری آیت آیت الصَّیف "يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ الاٰیۃ۔ اے رسول لوگ تم سے فتوٰی پوچھتے ہیں تو کہہ دو کہ اللہ تعالےٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوٰی دیتا ہے کہ ایک شخص مرگیا۔ جس کے کوئی اولاد نہیں۔

---

آیت الشتاء و صیف کی وجہ تسمیہ | کہا جاتا ہے کہ سورۂ نساء کا دوسرا رکوع موسم سرما میں اترا تھا اور آخر سورہ کی یک آیت موسم گرما میں اتری اس لئے اس کو آیت الشتاء موسم سرما والی آیت اور اس کو آیت الصیف موسم گرما والی آیت کہتے ہیں۔ ۔۔ دونوں آیتوں میں بُعد زمان و مکان کیوں ہے۔ | فتوٰی دیتا ہے یعنی فتوٰی دے رہا ہے اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ آیت الشتاء میں کلالہ کا ذکر آ چکا ہے۔ اگر تم پوری آیات مذکورہ یعنے سورۂ نساء کے دوسرے رکوع پر غور کرو تو اس سوال کی ضرورت باقی نہ رہے۔ اولاد ہوتے ہوئے والدین کے سوا کسی نسبی وارث کو کچھ نہیں مل سکتا۔ کلالہ ترکہ پانے والے صرف بھائی بہن ہی ہوتے ہیں۔ یہی اولاد کے ہوتے والدین کی اور دو کچھ پائیں گے نہیں۔ والدین کے ہوتے والدین کی اولاد یعنے بھائی بہن یک سدس اور ایک سے زیادہ ہوں تو یک ثلث پائیں گے۔ اگر والدین بھی نہ ہوں تو جس کے اولاد نہ ہوں نہ والدین وہ صرف والدین کی اولاد یعنی بھائی بہن ہی ہوں تو یقیناً اپنی اولاد کی جگہ بھی والدین کی

(باقی اگلے صفحہ پر)

اور اس کے (صرف) ایک بہن ہے تو اس کا نصف مال متروکہ ہوگا اور اگر بہن ہی مر جائے تو) وہ بھائی اس بہن کا وارث (کل مال کا) ہوگا۔ بشرطیکہ اس بہن کے کوئی اولاد نہ ہو۔ الخ (آخر سورۂ نساء)

ان دونوں آیتوں میں کلالہ ہی بیان ہے اور دونوں جگہ بھائی بہن ہی کی وراثت کی تصریح ہے۔ وہی کلالہ وہاں بھی ہے اور یہاں بھی۔ وہاں بھی بھائی بہن ہی وارث ہوتے ہیں اور یہاں بھی۔ مگر وہاں سدس یا بصورت کثرت ثلث دلوایا جاتا ہے اور یہاں صرف ایک بہن ہو تو نصف مال، ایک سے زیادہ ہو تو دوثلث، صرف بھائی یا بھائی بہن دونوں ہوں تو سب مال انہیں کو دلوا دیا جاتا ہے۔ آخر اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں پہلی آیت کی تفسیر میں اس دشواری اور اس کے حل کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:۔

اجمع المفسرون ھٰھنا علیٰ ان المراد من الأخ والاخت الاخ والأخت من الأم وکان سعدُ بن ابی وقاص یقرءُ ولهٗ اخ او اخت من ام۔ وانما حکموا بذالك لانه تعالیٰ قال فی اٰخرالسُّورة۔ قُلِ اللّٰهُ یفتیکم فی الکلالة فاثبت للاختین الثلثین وللاخوة کل المال و ھٰھنا اثبت للاخوة والاخوات الثلث۔ فوجب ان یکون المراد من الاخوة والاخوات ھٰھنا غیرالأخوة والأخوات فی تلك الایة۔ فالمراد ھٰھنا الاخوة والاخوات من الام وھناك الاخوة والاخوات من الأب والأم أو من الاب (ختم عبارت) یعنے امام رازی رح فرماتے ہیں کہ مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں الاخ والاخت سے ماں کی طرف

---

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اولاد لے بیٹی اور وہی حصے پانے لگی جو اپنی اولاد دیا تی۔ تھی بات تو سورۂ نساء کے دوسرے رکوع سے نکل ہی رہی ہے تم پوچھتے کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ تو کلالہ کے متعلق فتویٰ دے ہی رہا ہے۔ یہ فرما کر مزید تشریح فرما دی کہ اچھا تم وہاں نہیں سمجھ سکے تو اب صاف طور سے سن لو۔ یہی وجہ ہوئی کہ یہ آیت چند ماہ کے بعد موسم گرما میں اتری کیونکہ دوبارہ تشریح ہے نہ کہ کوئی نیا بیان۔

سے سوتیلے بھائی بہن مراد ہیں۔ اور سعد بن ابی وقاص رضؓ پڑھا کرتے تھے" و لہ اخ او اخت من ام" یعنے اور اس کے بھائی یا بہن ہوں ماں کیطرف سے۔

## مفسرین کی تفسیری دشواری اور پھر غلط فہمی

اور مفسرین نے یہ حکم اس لئے لگایا کہ اللہ تعالےٰ نے اسی سورت کے آخر میں فرمایا ہے۔ قُلِ اللّٰہُ یُفتِیکُم فِی الکَلَالَۃِ یعنے اللہ تعالےٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے) تو دو بہنوں کے لئے دو ثلث ثابت کیا ہے اور بھائیوں کے لئے کل مال اور یہاں بھائی بہن سب کو ملا کر ثلث مال۔ اس لئے واجب ہوا کہ یہاں اخوۃ و اخوات سے کوئی دوسرے اخوۃ و اخوات مراد ہوں جو اس آیت والے اخوۃ و اخوات کے سوا ہوں۔ تو یہاں مراد صرف ماں کیطرف والے بھائی بہن ہیں اور وہاں باپ ماں دونوں طرف والے بھائی بہن ہیں یا صرف باپ کی طرف والے۔

اس تشریح و توضیح نے صاف بتا دیا کہ یہ تفریق مجبوراً پیدا کی گئی ہے۔ اخوۃ و اخوات یا اخ و اُخت کا لفظ دونوں جگہ مطلق ہے کوئی فرق نہیں ہے۔ کلالہ دونوں ہی جگہ ہے۔ اس لئے جب تک کوئی تفریق قرآن سے باہر محض اپنی طرف سے نہ پیدا کی جائے اس وقت تک یہ گتھی ان مفسرین کے نزدیک سلجھ نہیں سکتی تھی۔ مگر محض اپنی طرف سے قرآن میں کچھ کہنا بہت اہم تھا۔ اس لئے حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کی ایک قراءت جو ابن جریر کی وضع کردہ ہے۔ پیش کر دیگئی تاکہ یہ صورت حال جو نکالی گئی ہے۔ بالکل بے سند نہ ہے اور چونکہ یہ نئی قراءت بھی بالکل غیر معروف ہے جس کو ابن جریر کے سوا کوئی بھی ان سے پہلے نہیں جانتا تھا۔ اس لئے اس کو مؤکد کرنے کے لئے تمام مفسرین کے اجماع کا ذکر کر دیا گیا اور یہ اجماع کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ تقریباً سارے مفسرین ابن جریر ہی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

## یہ کانٹا ضرور دوسروں کو بھی کھٹکا ہوگا

یہ تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگلے علماء و فقہاء و محدثین میں سے کسی کو یہ کانٹا کبھی نہیں کھٹکا۔ ضرور کھٹکا ہوگا۔ مگر سہل انگاری اور اگلوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد اور تقلید کے جمود نے ان کو مزید تدبّر فی القرآن کی اجازت نہ دی اور یہ اگلوں پر اعتماد کئے بیٹھے رہے۔ ہمارے دوست اور بھائی مولانا اسلم جیراجپوری سے آخر نہ رہا گیا اور انہوں نے ان آیتوں میں غور فرمایا اور بہت حد تک تدبّر و تعمق سے کام لیا۔ یہاں تک کہ پوری کتاب ہی تیار کر دی اور ایک نیا خیال نکال کر ہی رہے

## مولانا اسلم کی غلط فہمی کی وجہ

مگر مولانا کے بھی زیر غور دراصل یہ کانٹا نہ تھا۔ بلکہ وہ صرف یتیم پوتوں کے حجب سے متاثر تھے اور ان کے حجب کو توڑنے کے لئے آیات وراثت پر غور کر رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں کلالہ کا مسئلہ زیر غور آ گیا۔ تو چونکہ یہ ایک ضمنی غور تھا اس لئے جو تدبّر کا حق تھا۔ ان سے بھی اس مسئلہ میں ادا نہ ہو سکا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا کو بھی آخر قرآن سے باہر ہی جانا پڑا اور اپنے مفروضہ کو قرآن سے ثابت کرنے کے لئے بعید از عربیت و دُور از عقل رکیک تاویلیں انکو بیدا کرنا پڑیں۔

## مولانا اسلم کا ترجمہ آیت اور مزید تشریح

اگلے مفسرین کی غلطی تو یقینی اور قطعی ہے۔ مولانا اسلم بھی اس آیت کا ترجمہ اپنی کتاب "محجوب الارث" میں یوں فرماتے ہیں

"اگر کوئی مرد کسی کلالہ کا وارث بن جائے یا کوئی عورت۔ بحالیکہؒ اس کلالہ کے

---

ؒ مولانا اسلم نے واؤ حالیہ کے معنی واؤ منصلہ کے لئے ہیں گو ترجمہ "بحالیکہ" کیا ہے مگر مفہوم اگرچہ انکا رکھا ہے ورنہ کیا ان کے نزدیک بھائی یا بہن ہونے کی حالت ہی میں ان کے مفروضہ عہدی وارثوں کو حصہ ملیگا؟ اگر کوئی بھائی یا بہن نہ ہو تو کیا وہ ان مفروضہ عہدی وارثوں کو ترکہ نہیں دلوائیں گے؟ افسوس ہے کہ انہوں نے باوجود دقیق مہارت کے دونوں کے فرق کو محسوس نہیں فرمایا۔ واؤ حالیہ جس جملہ پر آتا ہے اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ پہلے جملہ میں ذوالحال پر جو حکم کیا گیا ہے یا جس حکم کا ذکر ہے۔ وہ اس ذوالحال کے اس جملہ حالیہ کے مضمون کے ساتھ

کوئی بھائی یا بہن ہو تو اس مرد یا عورت میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملے گا۔"

اس کی تشریح خود یوں فرماتے ہیں کہ :-

"له کی ضمیر کا مرجع کلالہ ہے اور لکل واحد منہما میں تثنیہ کی ضمیر رجل و امرأۃ کیطرف راجع ہے نہ کہ اخ و اخت کیطرف۔ یورث باب افعال سے ہے مجرد سے نہیں ہے۔"

---

لقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ : ان الذین ماتوا وھم کفار کیا اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ جو لوگ مرجائیں اگرچہ وہ کافر ہوں پھر کیا وجہ ہے کہ وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ وله أخ او اخت کے ترجمہ میں تو واؤ حالیہ کی وجہ سے مجبور تھے کہ بجائیکہ اس کلالہ کے کوئی بھائی یا بہن ہو۔ لکھیں مگر آگے تشریح میں فرماتے ہیں "بھائی اور بہن کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ وہ وارث دوسروں کیطرح عہدی رشتہ داروں کو محروم نہیں کرتے بلکہ ان کی موجودگی میں بھی وہ وارث ہو سکتے ہیں" مطلب یہ نکالا کہ اگرچہ بھائی بہن موجود ہوں ان عہدی رشتہ داروں کو حصہ ملیگا مگر خود اپنے ہی ترجمہ کو وہ ملاحظہ فرمائیں کہ اگر کوئی مرد کسی کلالہ کا وارث بنایا جائے یا کوئی عورت بجائیکہ اس کلالہ کے کوئی بھائی یا بہن ہو تو اس مرد یا عورت میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملیگا۔ خیال فرمائیے اس "بجائیکہ" سے کیا مطلب نکلتا ہے۔ جسکے تو صاف یہی معنی نکلیں گے کہ جو شخص کسی کلالہ کا وارث بنایا گیا ہے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت اسی حالت میں اس کو سدس یا ان دونوں میں سے ہر ایک کو ایک سدس ملیگا کہ اس کلالہ کے بھائی یا بہن بھی ہو۔ اگر کلالہ کے کوئی بھائی یا بہن نہ ہو تو کوئی حق نہیں ہے۔ اس بنائے ہوئے وارث کو کہ وہ اس کلالہ کی میراث میں سے کچھ بھی لے یہ کہاں سے مولانا اسلم نے نکال لیا کہ ان بھائی یا بہن کی موجودگی میں بھی وہ وارث ہو سکتے ہیں: یعنی اگر بھائی بہن نہ ہوں جب تو مدرجہ اولی وارث ہوں گے۔ یہ مطلب اس جملہ حالیہ سے کسی طرح نکل سکتا ہے کوئی شخص مجھ کو سمجھا دے ؟ ہاں اگر واو اتصال ہوتا یعنی فرمایا جاتا وان کان له اخ او اخت۔ جب البتہ یہ مطلب جو مولانا اسلم نے نکالا ہے نکلتا۔ مگر واؤ حالیہ و جملہ حالیہ کی صورت میں تو مولانا اسلم کا مطلب قیامت تک نہیں نکل سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ مولانا اسلم کے نزدیک باہمی موالاۃ کا معاہدہ ایک شخص ایک جماعت سے بھی کر سکتا ہے، حالانکہ کسی زمانے میں بھی دستور نہ تھا، ولیس معاہدہ کسی ایک ہی شخص کے ساتھ ہو سکتا ہے، ور ہوا کرتا تھا چاہے وہ مرد ہو یا عورت مگر ایک شخص ایک جماعت کے ساتھ یہ معاہدہ کرے کہ تم لوگ مرد تو میں تم سب کا وارث اور میں مروں تو تم سب میرے وارث۔ کیونکہ پہلی آیت میں وان کانوا اکثر من ذلک کا لفظ بتا رہا ہے کہ دو سے جتنے بھی زیادہ ہوں سب ایک ثلث میں

[illegible]

اس کے بعد پھر لکھتے ہیں کہ :-

"اس آیت میں بھائی اور بہن کا حصہ قطعاً نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ عہدی رشتہ واروں کا ہے۔ بھائی اور بہن کا ذکر اس وجہ سے آگیا ہے کہ یہ والدین اور اولاد کیطرح عہدی رشتہ داروں کو محروم نہیں کرتے بلکہ ان کی موجودگی میں بھی وہ وارث ہو سکتے ہیں"

صاحب کشاف نے عام مفسرین کے مطابق تفسیر لکھ کر بطور تفنن طبع آخر میں یہ لکھا ہے کہ (فان قلت فان جعلتَ یورث علی البناء للمفعول من ورث مما وجهه؟ (قلت) الرجل حینئذ الوارث لا المورث فان قلت فالضمیر فی قوله "فلکل واحد منهما" الی من یرجع حینئذ؟ (قلت) الی الرجل والی

---

[1] صاحب کشاف کا مطلب یہ ہے کہ اگر یورث کو فعل مجہول باب افعال سے تسلیم کیا جائے تو اس صورت میں رجل وارث ہوگا نہ کہ مورث یعنی آیت کا ترجمہ یوں ہوگا؛ اگر کوئی مرد وارث چھوڑا جائے کلالہ کی حیثیت سے اور اس مرد کے جو وارث چھوڑا گیا ہے اکوئی بھائی (بھی) ہو تو اس وارث مرد و اس کے بھائی دونوں کے لئے ایک ایک سدس ہے۔ اسی طرح یا اس وارث مرد کے بہن ہو (تو اس وارث مرد اور اسکی بہن دونوں کے لئے ایک ایک سدس ہوگا) مگر کس قدر مہمل یہ صورت تفسیر ہے یعنی اصل مورث کہ وہ جو وارث چھوڑ گیا ہے، خود مرد ہو یا عورت اور اس کے کوئی بھائی بہن ہو یا نہ ہو اس حالت میں اس وارث چھوڑنے والے کو کیا ملے گا اس کا کوئی ذکر نہیں کیا اس وارث چھوڑے ہوئے کو اسی حالت میں ایک سدس مل سکتا ہے کہ اس کے کوئی بھائی یا بہن بھی ہو؟ پھر یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ وارث چھوڑا ہوا شخص خود میت کا رشتہ میں کون ہو؟ وفی البیضاوی ویجوز ان یکون الرجل الوارث والمورث من اورث وکوئی یورث علی البناء للفاعل فالرجل المیت ۔ وکلالة تحتمل معانی اسلفنا فعلی الاول مراد حال ۔ علی الثانی مفعول لہ وعلی الثالث مفعول بہ جیسے یورث کو مجرد سے لیا جائے تو رجل سے مراد مورث ہے۔ اس صورت میں کلالۃً کان کی خبر ہوگی یا یورث کی ضمیر کا حال ہوگا ورا اگر یورث باب افعال کا مضارع مجہول ہے تو کلالۃً مفعول لہ ہوگا۔ (اور کلالہ یہاں معنے مصدری میں آئیگا یعنے اگر کوئی شخص وارث چھوڑ جائے کلالہ ہونے کی وجہ سے عام اس سے کہ یہ کلالگی وارث چھوڑنے والے میں پائی جائے یا اس شخص میں جو وارث چھوڑا گیا جس کا یہاں ذکر ہے اور اگر بعض قرأت غلط کی بناء پر

احیہ واخنتہ (کشاف جلداول صفحہ ۲۵۸) مولانا نے اسی عبارت سے یہ اخذ فرمایا کہ یورث کو باب افعال سے قرار دیا جائے اور اس کی ضمیر چونکہ رجل کی طرف پھر رہی ہے اس لئے رجل کو وارث مانا جائے نہ کہ مورث۔ یہاں تک تو کشاف کی عبارت سے اخذ کیا۔ اب مولانا کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ جب رجل کو وارث قرار دیدیا۔ تو پھر مورث کون ہوگا اس لئے ترکیب یہ سوجھی کہ کلالہ کو مورث قرار دیکر اس کو یورث کا مفعول دوم بنا دیا جائے۔ ور اس کے آگے جو ولہٗ ہے اس کی ضمیر رجل کے عوض کلالۃ کیطرف پھیر دی جائے کیونکہ رجل کے ساتھ امرأۃ بھی تو آگئے ہے۔ یہ واحد مذکر کی ضمیر یک مذکر اور ایک مونث کیطرف کس طرح پھر سکتی ہے؟ اور اس کے بعد جو لکل واحد منہما کی ضمیر تثنیہ ہے۔ اس کو اخ واخت کے عوض رجل او امرأۃ کیطرف پھیری جائے اور اس سے قطعی انکار کر دیا جائے کہ یہاں بھائی بہن کے حصے بیان کئے گئے ہیں۔ بلکہ یہاں رجل وامرأۃ کے حصے معین کر کے بتا دئیے گئے ہیں جن کو اس مرنے والے کلالہ نے اپنی زندگی ہی میں بذریعہ عہد و پیمان اپنا وارث بنا دیا تھا۔ اس عہد و پیمان والے وارث کے سہام کی تعیین یہاں مولانا کے زعم میں صرف یک لفظ یورث کے اوٹ میں چھپی ہوئی ہے۔ بشرطیکہ اس کو باب افعال کا مضارع مجہول اور کلالۃ کو اس کا حقیقتاً فاعل مگر بلباس مفعول مان لیجئے۔ اس کی مزید تشریح آگے آتی ہے

**عام مفسرین کی راہ** | غرض عامتہ مفسرین اور فقہاء و محدثین نے ابن جریر طبری کی کورانہ تقلید کر کے اس عقدے کا حل کر دو آیتوں میں دو جگہ بھائی بہن کو مورث کلالہ کا وارث قرار دیا جاتا ہے اور دونوں جگہ دو طرح کے سہام بتائے جاتے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ نکالا کہ آیت الشتاء میں ماں کیطرف سے سوتیلے بھائی بہن مراد لے لئے، اور آیت الصیف میں اپنے بھائی بہن اور باپ کی طرف سے سوتیلا۔ اور ابن جریر کی پیدا کردہ اس تفریق پر مطمئن ہو بیٹھے ورغور مزید کی مطلقاً ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔

**مولانا اسلم کی راہ** | اور مولانا اسلم جیراجپوری نے اسکے حل کا طریقہ یہ نکالا

کہ اسی سے انکار کر دیا کہ آیت اشتاء میں بھائی بہن کے سہام بیان کئے گئے ہیں - بلکہ ان کے نزدیک بھائی بہن کے ہوتے عہدی وارثوں کے سہام معین فرمائے گئے ہیں اور بھائی بہن کے حصے کی تصریح صرف آیت الصیف یعنے آخر سورۂ نساء میں ہے ۔

## اصل رکوع وراثت میں عینی وعلاتی اخوۃ کی وراثت کا ذکر نہیں مگر اخیافی کا ذکر ہے؟ اس کی کیا وجہ؟

اس کی کیا وجہ ہوئی کہ ایسے اہم ورثہ جو مورث کے خاص اولاد کے برابر حصے پانے والے ہیں ۔ آخر موسم سرما میں جب تمام ورثہ کے حصے معین فرمائے گئے تھے ، تو اولاد ، والدین ، ازواج اور بقول مولانا عہدی وارثوں تک کے حصے تو اس وقت بیان فرما دیئے ۔ بھائی بہن کا تذکرہ والدین کے حصے بتلانے کے وقت آتا ہے ۔ پھر بزعم مولانا ان عہدی وارثوں کے حصص کی تصریح کے موقع پر آتا ہے ۔ لیکن خود ان بھائی بہن کے حصوں کا مطلقاً ذکر نہیں آتا ۔ آخر کیوں ؟ جب لوگوں نے دیکھا کہ سب کا حصہ بتایا گیا بھائی بہن کے حصے مطلقاً بیان ہی نہیں کئے جا رہے ہیں تو آخر دریافت کیا ۔ تو آخر سورۂ نساء میں بموسم گرما ان شہیدان تیغ تغافل کے حصوں کی تصریح کر دی گئی ۔ اس کی وجہ مولانا نے کچھ بیان نہیں فرمائی ۔

## اگلے پچھلے سب نے آیت کو گنجلک ہی قرار دیا

مختصر یہ کہ ابن جریر طبری کی تفسیری روایتوں نے اس آیت کے صحیح مفہوم کیطرف سے عامۃ الناس کے ذہن کو پھیر دیا اور پھر یہ آیت ہر شخص کو گنجلک سی (معاذ اللہ من ذالک) نظر آنے لگی ۔ اگلوں نے ابن جریر ہی کے حل پر قناعت کر لی ۔ مولانا اسلم نے اپنی ایک راہ الگ نکالی ۔ مگر نفس آیت کو گنجلک سب نے قرار دیا ۔ کسی نے بھی کوئی ایسا مفہوم نہیں پیش کیا جو آیت کے الفاظ سے مترشح ہو ، بہر حال اب دونوں آیتوں کی تفسیر ملاحظہ ہو ۔

# تمہیدی تفسیر

## دونوں آیتوں کی تفسیر

حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے کلالہ کے مفہوم کو بار بار لوگوں نے ان دونوں آیتوں کے نزول کے بعد بھی پوچھا تو آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ تمکو بس آیت الصیف یعنے آخر سورۂ نساء والی آیت تمہارے لئے کافی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ کلالہ کی تعریف آخر سورۂ نساء والی آیت میں موجود ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم پہلے اسی آیت الصیف ہی کی شرح کریں تاکہ اسی کی روشنی میں آیت الشتاء کو بھی بآسانی سمجھ سکیں۔

## تفسیر آیت الصیف

اَللّٰہُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِی الۡکَلٰلَۃِ ؕ اِنِ امۡرُؤٌا ہَلَکَ لَیۡسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّ لَہٗۤ اُخۡتٌ الخ اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ

---

لہ میں اس قسم کی روایتوں کو قطعاً صحیح نہیں سمجھتا جو قرآن مبین کی آیتوں کو غیر مبین وغیرہ ثابت کرنے کے لئے بنائی گئیں ہیں مگر تمام مفسرین ان روایتوں کو لکھتے آئے ہیں۔ یہاں تک کہ مولانا اسلم صاحب جیراجپوری نے بھی اپنے رسالہ "الوراثت فی الاسلام" میں اس کو نقل کیا ہے اس میں شک نہیں کہ آیت الصیف میں کلالہ کی پوری تعریف بیان کردی گئی ہے اور اس لئے ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی نے کلالہ کے متعلق آپ سے پوچھا ہو اور آپ نے اس پوچھنے والے سے فرمایا ہو کہ تم مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ آیت الصیف پر کیوں غور نہیں کرتے مگر ان روایتوں کا عنوان بیان صاف بتا رہا ہے کہ ان میں ایک نمایاں پہلو اس کا بھی ہے کہ قرآن مبین کے الفاظ اسکے جملے بعض جگہ اپنے مفہوم پر واضح طور سے دلالت نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے پر بھی کہ آیت الصیف تمہارے لئے کافی ہے لوگ آیت الصیف سے کلالہ کے مفہوم کو نہیں سمجھ سکے اور رسول اللہ ؐ کے بعد بھی لوگوں میں اس کے مفہوم کے متعلق اختلاف ہی رہا اور حضرت صدیق اکبر رضؓ اور حضرت فاروق اعظم رضؓ اسکے مفہوم میں متردد رہے ہے۔ (معاذ اللہ من ذٰلک) اس لئے ایسی روایتوں کو کسی مسلم کا ایمان کبھی قبول نہیں کرسکتا۔ میں نے اس روایت کو دروغ برگردن راوی وکھتے ہوئے بطور تفنن اس کا بہانہ بنالیا ہے کما مر التنبیہ

کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک شخص مرگیا۔ درآنحالیکہ اس کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ اور اس کے (صرف) ایک بہن ہے" اس کے آگے آیت میں تفصیل موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مرنے والا مرد ہو یا عورت، مگر ہو لاولد، اور اس کے صرف ایک بہن ہو تو نصف ترکہ پائے گی۔ صرف ایک بھائی ہو تو وہ کل ترکہ کا وارث ہوگا۔ صرف دو یا زیادہ بہنیں ہوں تو دو ثلث میں بقدر مساوی باہم بانٹ لیں گی۔ اگر بھائی بہن سب ہوں تو مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ

### آیت الصّیف سے کلالہ کی تعریف

اس آیت کے متعلق جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ کلالہ کی تعریف جاننے کے لئے یہی آیت کافی ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اس آیت سے کلالہ کی تعریف کس طرح نکلتی ہے۔ فرمایا گیا ہے۔ اِمْرُؤٌ اھلک لیس لَہٗ وَلَدٌ ایک شخص لاولد مرگیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ کلالہ کی تعریف بس اسی قدر ہے اس لئے ہر مُردۂ لاولد کو کلالہ کہیں گے۔ اس کے بعد جو فرمایا گیا ہے کہ ولہ اخت الخ تو یہ اس کے ورثہ کے سہام کا ذکر ہے، کلالہ کی تعریف میں داخل نہیں ہے۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اِمْرُؤٌ ھَلَکَ لَیْسَ لَہٗ ولد ولہ اخت (او اخ اَوْ کلاھُما) یہاں تک اس کی تعریف مکمل ہوتی ہے۔ صرف مُردے کا لاولد ہونا ہی اس کے کلالہ کہلانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ لاولد ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے بھائی بہن کا یا ان میں سے کسی ایک کا وارث ہونا بھی اس مردۂ لاولد کے کلالہ ہونے کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے کہ جس طرح لیس لہٗ ولد۔ یہاں ترکیب میں حال واقع ہے اسی طرح ولہ اخت بھی حال ہی واقع ہے۔ بلکہ یہ دونوں جملے مل کر ایک جملہ معطوفہ بن کر جملہ حالیہ ہورہے ہیں تو ظاہر ہوگیا کہ ولد کا نہ ہونا جس طرح یہاں شرط ہے اسی طرح اخت یا اخ یا دونوں کا کم یا بیش ہونا بھی یہاں شرط ہے۔ اب ان تعریفوں میں سے کس کو صحیح سمجھا جائے۔ یہ مرحلہ غور طلب ہے۔

### ان میں سے کون سی تعریف کو صحیح سمجھا جائے

حقیقت یہ ہے کہ کلالہ ہونے

کے لئے صرف اسی قدر کافی تھا کہ مرنے والا لاولد مرے کیونکہ ایک لاولد شخص اگر مرنے کے وقت مال و دولت چھوڑ کر مر رہا ہے تو ضرور اس کے دل میں یہ خیال حسرت و افسوس کے ساتھ چٹکیاں لے گا کہ کاش میرے اولاد ہوتی تو میرے اس مال و دولت کی وہ میری خواہش کے مطابق وارث ہوتی اور اولاد کے سوا جو بھی اسکے وارث ہونے والے ہوں گے۔ ان کی وراثت پر وہ بدرجہ مجبوری ہی راضی ہوگا چاہے وہ والدین ہوں یا بھائی بہن۔

## ذکر ورثہ و تعین حصص میں نفسیات کا خیال

اللہ تعالیٰ نے ورثہ کے حصے جو معین کرکے بتلائے

تو میت کے نفسیات کے مطابق سب سے پہلے اولاد کے حصے بیان فرمائے اولاد کے بعد والدین کے سہام کی تشریح[1] اور اس کے بعد ہی فرمایا کہ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا یعنی والدین و اولاد میں تم نہیں محسوس کرتے کہ نفع کے اعتبار سے کون تم سے زیادہ قریب ہے۔ تمہاری خواہش کے مطابق تمہاری اولاد ہی کو تمہارا سارا ترکہ نہیں دلوا دیا گیا۔ بلکہ تمہارے والدین کو بھی ایک ایک سُدس دلوا دیا گیا۔ اسی طرح ایک ثلث تمہارے والدین کو ملا اور دو ثلث تمہاری اولاد کو۔ تم اپنی پدرانہ محبت کی وجہ سے اپنی دلی خواہش کے مطابق اپنے مال کی تقسیم کے خواہاں ہو۔ مگر اس کو بھول جاتے ہو کہ ماں باپ اور اولاد میں سے کس سے تم کو نفع زیادہ پہنچا ہے جس سے محبت زیادہ ہو تم اس کے استحقاق کو تو محسوس کرتے ہو، مگر جس سے تمہیں نفع زیادہ پہنچا ہے اس کے استحقاق کو نہیں محسوس کرتے۔

غرض یہ کہہ کر بتا دیا کہ والدین کی وراثت جبر کی وراثت نہیں ہونی چاہیئے اس لئے نہ والدین وارث کلالہ ہو سکتے ہیں نہ ان کی وراثت کلالہ کہی جاسکتی ہے اور نہ ان کے مقابل ان کا وہ لاولد ولد مورث کلالہ کہا جاسکتا ہے۔

---

[1] ولد مورث میں یہاں ترکیب توصیفی ہے۔

اگر صرف میت لاولد کو کلالہ کہہ سکتے

**اگر صرف میت لاولد کو کلالہ کہہ سکتے ؟** تو جس میت لاولد کے وارث اس کے صرف والدین ہوں اس کو بھی کلالہ کہتے اور ان والدین کی وراثت بھی کلالہ کہی جاتی اور ان والدین کو بھی کلالتاً وارث سمجھا جاتا ۔ مگر ایسا کوئی بھی نہیں کہتا ۔ اسی لئے قرآن میں میں جہاں فَاِن لَم یَکُن لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗ اَبَوَاهُ (اگر میت کے کوئی اولاد نہ ہو اور صرف والدین ہی اس کے وارث ہوں) فرمایا گیا ہے ، وہاں اس میت لاولد کو کلالہ نہیں فرمایا گیا ۔ اور کس طرح کہا جاتا کیونکہ والدین تو اولاد کے ہوتے بھی وارث ہوتے ہیں ۔ کلالہ تو وہ وارث ہے جو صرف لاولد ہی کا ترکہ پائے یا وہ وراثت ہے جو کسی لاولد سے ہی ملے ۔

تو جس وارث کی بھی وراثت بشری ہو سکتی ہے ، وہ یقیناً اصول وفروع یعنے والدین کے ماسوا ہی ہوگا ۔ اس لئے اخ و اخت ہی کی وراثت کو معنی مصدری کے اعتبار سے کلالتاً کہیں گے اور اخ و اخت ہی جب وارث ہوں تو ان کو معنی فاعلی کے اعتبار سے کلالہ کہا جائے گا ۔

اور موروث لاولد کی وراثت اگر بھائی بہن کو پہنچ رہی ہے تو وہ موروث لاولد بھائی بہن کا موروث ہونے کی حیثیت سے ان بھائی بہن کے مقابل کلالہ کہا جائیگا نہ کہ دوسرے وارثوں کے مقابل ، اگر اس کے دوسرے ورثا بھی ہوں ۔ مثلاً والدین یا احد الزوجین ۔ لاولد موروث اس کی وراثت اور اس کے وارث ، ہر ایک پہ کلالہ کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے ۔ مگر ہر جگہ نہیں ۔ میت لاولد کے والدین بھی نہ ہوں اور صرف بھائی بہن ہی اس کے وارث ہوں تو وہ بھائی بہن بھی کلالہ کہے جائیں گے اور وہ میت لاولد بھی کلالہ کہا جائے گا ۔ اور ان بھائی بہن کی وراثت بھی کلالہ کہی جائے گی ۔ مگر میت لاولد کے والدین دونوں یا ان میں کا ایک بھی اگر موجود ہے اور بھائی بہن بھی ہیں جو والدین یا ان میں سے ایک کے ساتھ اس لاولد کے وارث ہو رہے ہیں تو وہ میت لاولد صرف

---

لہ یعنے مرنے والے پہ جبر گذرے ۔

ان بھائی بہن کے مقابل کلالہ کہا جائے گا، اور اس کے وارثوں میں سے صرف یہی بھائی بہن کلالہ کہے جائیں گے اور فقط انہیں بھائی بہن کی وراثت کلالہ کہی جائے گی۔ نہ عام طور سے اس میت ناولد کو کلالہ کہیں گے، نہ اس کے ہر وارث کو، نہ اس کی مطلق وراثت کو۔

پہلی تعریف ضرور ناقص ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ کلالہ ہونے کے لئے اس میت کا لاولد ہونا ضروری ہے۔ دوسری تعریف میں جو دوسری شرط لگا کر تعریف کو مکمل کیا گیا ہے کہ اس میت ناولد کے بھائی بہن بھی ضرور ہوں۔ جب اس کو کلالہ کہیں گے۔ یہ بالکل صحیح ہے۔

فرق صرف اسی قدر ہے کہ جس میت لاولد کے والدین بھی ہوں اور بھائی بہن بھی وہ میت ناولد کو عام طور سے کلالہ نہیں کہا جاتا۔ اس لئے کہ وہ بعض ورثہ کے اعتبار سے کلالہ ہے اور بعض کے اعتبار سے نہیں۔ اسی طرح اس کی وراثت بھی بعض ورثاء کو کلالتاً پہنچتی ہے اور بعض کو نہیں۔ البتہ اس میت لاولد کے صرف بھائی بہن وارث کلالہ ضرور کہے جائیں گے۔ چونکہ انہوں نے کلالتاً وراثت پائی ہے۔

---

سہ یہ صحیح ہے کہ میت کے اگر خود بھی اولاد نہ ہو مگر اس کے والدین کی اولاد ہوں یعنی میت کے بھائی بہن ہوں تو اگر والدین بھی اس میت کے نہ ہوں تو یہی والدین کی اولاد اس میت کی اولاد کی جگہ پوری پوری لے لیتے ہیں البتہ اگر والدین یا ان میں کا کوئی بھی ہو تو والدین کے مربیانہ تقدم کی وجہ سے جو میت اور میت کی اخوۃ سب پر یکساں حاوی ہے۔ اخوۃ میت کی اولاد کے برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ والدین پر ان کا تقدم کسی طرح صحیح نہیں بخلاف اولاد کے کہ ان کو تقدم قربت محض جو حاصل ہے وہ والدین کے مربیانہ تقدم پر خواہ مخواہ فطرتاً غالب آ جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر میت لاولد کے نہ والدین ہوں نہ اخوۃ ہوں تو والدین کے اخوۃ میت کے اخوۃ کی جگہ لے لیں گے۔ مگر باپ کے اخوۃ کے ہوتے ماں کے اخوۃ کے لئے کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ ہاں باپ کے اخوۃ نہ ہوں تو پھر ماں کے اخوۃ کا حق ہوگا۔ اسی طرح اعمام و بنی اعمام وغیرہ کے نہ ہونے پر خوات وغیرہ، خواتین وغیرہ ۔۔۔ جاتے ہیں۔ فافہم وتأمل۔

بخلاف اس مورث لاولد کے جس کے صرف بھائی ہی ہوں، اور اسی طرح والدین بھی نہ ہوں، ایسا میت لاولد مکمل کلالہ ہے۔ اس لئے کہ اس کی وراثت کلالۃً ہی اس کے ورثہ کو ملتی ہے اور اس کے سارے وارث صرف کلالہ ہی ہیں۔ اس لئے یہ بھی ہمہ تن کلالہ ہی کلالہ ہے۔

جب کوئی کلی یا اسم جنس بولا جاتا ہے تو ہمیشہ اس کا فرد اکمل ہی مُراد ہوتا ہے۔ کلالہ کے متعلق سوال ہوا تو یقیناً وہی کلالہ سمجھا گیا جو پورا پورا مورث کلالہ ہو اور جس پر کلالہ کا اطلاق ہر طرح صحیح ہو۔ اس لئے اس کی نوعیت کو صاف کرتے ہوئے جواب دیا گیا کہ اگر کوئی شخص مر گیا اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہے اور صرف ایک بہن ہے۔ الخ غرض جس میت لاولد کے وارث صرف اخوۃ ہوں اسی کے ورثا یعنی بھائی بہن کے حصوں کی تصریح کی گئی۔

**کلالہ ناقص**

اور ہو سکتا ہے کہ کلالہ ناقص یعنی جس میت لاولد کے وارث والدین کے ساتھ اخوت بھی ہوں۔ ان کے وارث کلالہ یعنے بھائی بہن کے حصوں کا ذکر چونکہ آیت الشتاء میں آچکا ہے اس لئے یہاں یہی سمجھا جائیگا کہ اب سوال کلالہ کامل ہی کو صرف بیان کر دیا۔ کیونکہ ذوی الفروض میں صرف یہی ایک نوع باقی رہ گئی تھی جس کی تصریح پہلے صراحتاً نہیں کی گئی تھی۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آخر اللہ تعالےٰ نے وہاں ان کو کیوں بیان نہیں فرمایا۔ یہاں دریافت کرنے پر کیوں بیان کیا؟ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک نوع کے ورثہ کا ذکر رہ گیا تھا پوچھنے سے یاد آگیا تو اب بیان کیا۔ وما کان ربک نسیا

---

[1] اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ والدین بھی اگر کسی میت لاولد کے ہیں اور اخوۃ بھی ہیں تو اخوۃ ثلث مال سے زیادہ کسی حال میں بھی نہیں پاتے جس کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں سمجھی جا سکتی۔ اسی لئے ان کو ثلث مال یا سدس کی وراثت اس قدر بعید نہیں ہو سکتی جو بہ داشت نہ کی جائے مگر جہاں والدین بھی نہ ہوں وہاں تو یہی بھائی بہن اولاد کی پوری پوری جگہ لے لیتے ہیں۔ میت کی خاص اولاد اور میت کے والدین کی اولاد میں کوئی فرق نہیں رہتا بس یہی بات ہے میت کے ہمہ تن کلالہ ہونے کی۔

## آیت الصیف یعنی قانون وراثت کی ایک دفعہ آخر سورۂ نساء میں کیوں ہے؟

تو ایسا ہرگز نہیں ہے۔ وہاں کلالہ ناقص یعنے اخوۃ کی وراثت کا ذکر والدین کے ساتھ آچکا ہے اور وہ ذوی الفروض تو ہو چکے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ میت کے جب نہ اپنی اولاد ہو نہ والدین ہوں مگر والدین کی اولاد ہو تو والدین کی اولاد سے زیادہ قریب تر اس میت کا وارث اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور وراثت والدین واقربین ہی کا حق ہے اور یہ ایسے اقرب ہیں کہ اگر اولاد نہ ہو تو والدین کے ہوتے بھی کچھ حصہ میراث پاتے ہیں تو جب نہ والدین ہیں نہ اولاد، جب تو بدرجہ اولیٰ یہی والدین ہی کی اولاد اپنی اولاد کی جگہ لے لی گی اور وہی حصہ جو اپنی اولاد کے ہوں گے والدین کی اولاد کو ملیں گے۔ یہ اتنی کھلی ہوئی اور واضح بات تھی کہ اس کے بتلانے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ مگر جب لوگوں نے دریافت ہی کیا تو بتا دیا گیا۔ یہی وجہ اس نوع وراثت کے تاخیر بیان کی ہے، جو بہت واضح اور نہایت معقول وجہ ہے۔

### تفسیر آیت الشتاء

قوله تعالیٰ: وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ الآية اور جو مرد مورث بنایا جاتا ہے اگر وہ کلالہ ہے یا عورت یعنے یا جو عورت مورث بنائی جاتی ہے اگر وہ کلالہ ہے، اور اس کے ایک بھائی یا بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک سدس ہے الخ

اس آیت میں رجل بالاتفاق کان کا اسم ہے، اور یورث اکثر مفسرین کے نزدیک رجل کی صفت ہے، اور یہی قول صحیح ہے کیونکہ رجل نکرہ محض ہے۔ اس میں مسند الیہ ہونے کی صلاحیت بغیر کسی طرح کی تخصیص کے آ نہیں سکتی۔ یورث کا جملہ صفت بن کر اس میں تخصیص پیدا کر رہا ہے، اس لئے یہی رجل یورث مرکب توصیفی کان کا اسم ہو سکتا ہے۔ فقط رجل کو کان کا اسم قرار دینا اصول نحو کے خلاف ہے بعض وقت نکرہ بھی مسند الیہ ضرور ہو جاتا ہے، مگر اس کے لئے شرطیں ہیں جو علم نحو میں

متعارف میں ۔ ان میں کی کوئی شرط بھی یہاں پائی نہیں جاتی ۔ اس لئے رجل کو کان کا اسم اور یورث کو خبر بنانے والا جو ضعیف قول ہے، ہرگز صحیح نہیں۔ کان کی خبر آگے کلالۃً موجود ہے ۔ اس کو یورث کی ضمیر کا حال بنانا جب صحیح ہوتا کہ یورث کو کان کی خبر بنانا صحیح ہوتا ۔ اور یورث کو کان کی خبر بنانا جب صحیح ہوتا کہ رجل کو بحالت تنکیر محض کان کا اسم بنانا صحیح نہیں اس لئے کوئی بھی صحیح نہیں ۔

## اگر ان کان رَجلاً ہوتا

البتہ اگر ان کان رجلاً ہوتا تو ہوسکتا تھا، بایں طور کہ کان کی ضمیر راجع ہوتی میت ہوکر اسم ہوجاتی اور رجلاً خبر بن جاتا ۔ یورث کلالۃً رجلاً کی صفت ہوتا اور مطلب یہ ہوتا کہ ان کان المیت رَجُلاً یورث کَلٰلَۃً او امرأۃً مگر یہ جب رجلاً نہیں ہے ۔ بلکہ رَجُلٌ ہے تو یورث کَلٰلَۃً کو خبر بنانا صحیح نہیں ہوسکتا [1] اس کے سوا کوئی صورت صحیح نہیں ہے کہ رجل یُورث کان کا اسم اور کلالۃً کان کی خبر ہو ۔ بس یہی ایک صحیح ترکیب ہے ۔

## یُورث کی بحث

ایک بحث یہ ہے کہ یورث باب افعال کا مضارع مجہول ہے یا باب مجرّد وَرِثَ یُوْرَثُ وِرْثَۃً کا ؟ تمام مفسّرین بالاتفاق اس کو باب مجرّد کا مضارع مجہول قرار دیتے ہیں لیکن بعض جو اس کو باب افعال کا مشتق کہا ہے وہ معنوی اعتبار سے صحیح نہیں ۔

باب افعال سے یہاں اس کو مشتق سمجھنا کسی صحیح مفہوم کیطرف رہنمائی نہیں کرتا ہے یراث کے معنی ہیں کسی دوسرے کو وارث بنانا ، وارث چھوڑنا ۔ اگر یہاں یورث باب افعال سے لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اگر کوئی مرد کسی کا وارث بنایا جائے ۔ کلالۃً یعنے کلالہ کی حیثیت سے ۔ یا یوں کہئے کہ اگر کسی مرد کو کوئی میت اپنا کلالۃً وارث چھوڑ جائے یا کسی عورت کو کوئی میت اپنا کلالۃً چھوڑ جائے ۔ و لہٗ اَخٌ او اخت اور اس کے (آگے) جو

---

[1] اس سے کہ مسند الیہ اس طرح کا نکرہ منکرہ نہیں ہوسکتا ۔ ۔ ۔ جیسے کہ وَلہٗ اَخٌ او اختٌ کی ضمیر رجل کیطرف پھر سکتی ہے اور رجل کے ساتھ صنا بوجہ عطف تردیدی کے امراۃ کی طرف بھی ، وجہ ضمیر کی مذکیر کے کلالہ محض تمیز کی حیثیت رکھتا ہے ، خبر کی کوئی دت نہیں ہے اسلئے وہ کی ضمیر کلالہ کیطرف نہیں پھر سکتی ہے ۔

کلالۃً وارث بنایا گیا ہے یا وارث چھوڑ گیا ہے) یک بھائی یا بہن ہو تو اس کلالۃً وارث بنائے ہوئے مرد یا عورت کے بھائی بہن میں سے ہر ایک کو سدس مال ملے گا۔ دیکھیئے کہ کس قدر غیر معقول مطلب نکلتا ہے۔

**یہ ایک معمولی سا نکتہ ہے**

ایک معمولی سا نکتہ ہے کہ یُوْرَثُ وَرِثَ یعنی باب مجرد کا مضارع مجہول گر ہے تو اس کے معنی ہیں۔ موروث یا موروث عنہ یعنے مورث بنایا جائے یا بنا یا جاتا ہے یا بنایا جائے گا اور اگر باب افعال اورث کا مضارع مجہول ہے تو اس کے معنی ہوں گے وارث بنایا جائے یا وارث بنایا جاتا ہے یا بنایا جائیگا۔ دونوں کا فرق ملحوظ رہے۔ تو کس قدر تعجب کی بات ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نہیں، کلالۃً یہاں حال یا تمیز واقع نہیں ہے اور نہ کان کی خبر ہے بلکہ یورث کا مفعول ثانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مرد کسی کلالہ کا وارث بنا دیا جائے ور س کلالہ کے بھائی بہن بھی ہوں

ہر عربی داں جانتا ہے کہ "وراثت" میں ایک تو "وارث" ہوگا، دوسرا مال موروث، تیسرا موروث عنہ جس کو "مورث" کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہی مر کر اپنے قرابت مندوں کو اپنے مال متروکہ کا وارث بناتا ہے۔

**اورث کے معنی**

لسان العرب جلد ششم[20] میں ہے۔ اَوْرَثَ الرَّجُل وَلَدَہٗ مالًا مِیراثًا حسنًا اس لئے وہ میت ہی مورث یعنے وارث بنانے والا ہے جس کا ترکہ وارثوں کو ملا یا ملے گا۔ غرض اگر کلالہ ہی کا ترکہ اس رجل سے پایا ہے تو کلالہ ہی تو مُوْرِث ہوا اور جب مورث ہوا تو یورث فعل معروف کا وہی فاعل ہے اور مذکور ہے۔ پھر فاعل کا ذکر کر دینے کے باوجود فعل کو مجہول بنا کر مالم یسمّ فاعلہٗ قرار دینا کس زبان کا قاعدہ ہے۔ فاعل کو مفعول کے بھیس میں پیش کر دینا اور فعل کو مجہول بنا کر یہ کہنا کہ اس کے فاعل کا ہم نام نہیں بتائیں گے، امیر خسرو کے کہہ مکرنیوں سے کم نہیں ہے۔

**کلالۃً کو یورث کا مفعول نہیں بنایا جا سکتا**

اِنْ کَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ کَلٰلَۃً میں اگر یُوْرِثُ باب افعال

سے ہے اور کَلٰلَۃً اس کا مفعول ہے تو میں یہ سوال کرتا ہوں کہ فمَن یُورِثہ بآخر اس کے جواب میں آپ کیا فرمائیں گے؟ یہی نا کہ یہی کلالہ۔ کیونکہ مورث وہی ہے تو جب وہ فاعل ہے تو مفعول بنا کر کیوں لایا گیا؟[1] اگر فعل کو مجہول ہی لانا تھا اور فاعل پر پردہ ہی ڈالنا تھا، تو مَن کا پردہ ڈالتے۔ اور مِنْ کَلَالَۃٍ کہتے، نہ کہ کلالۃً جو صراحتًا وبدیہۃً غلط ہے۔

## جو بات زمانہ ماضی میں گذری ہو اس کے لئے فعل مضارع کیوں لایا گیا!

دوسری بات یہ ہے کہ یورث فعل مضارع ہے جو بمعنی حال یا استقبال ہی آئے گا اور وہ کلالہ تو مر چکا اگر اس نے کسی غیر وارث سے اپنی زندگی میں یہ عہد کیا تھا کہ میرے بعد تو میرا وارث ہوگا، تو وہ اس اجنبی کو اپنی زندگی ہی میں اپنا وارث بنا چکا ہوگا۔ اس لئے اورثہ کَلٰلَۃً یا اُورِث من کَلٰلَۃٍ فرمایا جاتا نہ کہ صیغہ مضارع مجہول مع اظہار فاعل بجائے مفعول۔

## اجنبی کو وارث بنانے کے لئے توریث کا لفظ ہے نہ کہ ایراث کا

تیسری بات یہ ہے کہ کسی اجنبی غیر وارث کو اگر کسی نے اپنا وارث بنایا تو اس مضمون کو باب افعال سے یعنی ایراث کے لفظ سے ادا نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ باب تفعیل پر لا کر توریث سے ادا کرتے ہیں۔ قال ابو زید ورّث الرجل فلانًا مالًا توریثًا۔ اذا دخل علی ورثتہ من لیس منہم فجعل لہ نصیبًا۔ (قطر محیط جلد ۲ ص ۲۲۳) لسان العرب جلد بستم[20] میں ہے۔ ورّثہ توریثًا ای ادخلہ فی مالہ علی ورثتہ ورّث فی مالہ ادخل فیہ من لیس من اھل الوراثۃ۔ غرض یہاں اگر عہدی وارث مراد ہوتے تو یورث نہ ہوتا بلکہ یورّث ہوتا اور وہ بھی بصیغہ مضارع

---

[1] یعنی منصوب کیوں ہے اس کو تو مرفوع ہونا تھا ورنہ فاعل بن کے آنا تھا۔

مجہول نہیں ، بلکہ بصیغہ ماضی معروف اور کلالۃً منصوب نہ ہوتا بلکہ فاعل کی حیثیت سے مرفوع ہوتا کیونکہ وارث بنانے والا آپ اسی کلالہ کو قرار دے رہے ہیں ۔ اس لئے ورّثہ کلالۃ فرمایا جاتا ۔ یا وُرّث بہ کلالۃ کہا جاتا ۔

غرض ان کان رجُلٌ یورث کلٰلۃً میں رجل کو وارث قرار دینا اور کلالہ کو مورث ایک ایسی انوکھی تفسیر ہے جو دنیائے ادب کے عجائب خانے ہی میں پیش کیجا سکتی ہے

## ولہٗ اخ او اخت

### لہٗ اخ او اخت میں لہٗ کی ضمیر کا مرجع

ساری دنیا کے نزدیک لہٗ کی ضمیر اس آیت میں رجل کیطرف پھرتی ہے ۔ مگر فرمایا جاتا ہے کہ نہیں کلالۃ کیطرف پھرنی چاہیئے کیونکہ آیت تو یوں ہے ۔ وان کان رجُلٌ یورث کلٰلۃً او امرأۃ ولہ اخ و اُختٌ اس لئے یہ ضمیر رَجُلٌ ہی کی طرف تو پھرے گی نہیں ۔ جب پھرے گی تو امرأۃ کیطرف بھی ۔ اگر رجل اور امرأۃ دونوں کی طرف جانا پھرنا ہو تو ضمیر تثنیہ کی لیتے ۔ ولھُما کہیئے ورنہ لہٗ کی ضمیر صرف رجل ہی تک پھر کر رہ جائے گی ۔

### جمع قلت مفرد کے حکم میں ہے اسکی طرف ضمیر واحد کی پھر سکتی ہے

**لطیفہ** | مجھ سے ایک مدرسہ کے مدرّس اوّل صاحب ایک بار جھگڑ رہے تھے

---

۱؎ یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جس طرح یوصی بہا او دین ، اور یوصیں بہا او دین پھر توصون وبہا او یوصی بہا صیغہ مضارع آتا ہے یا د حقیقت مرنے والا مرنے سے پہلے ہی وصیت کر چکا ہوگا ۔ صیغہ ماضی وصیت کے متعلق مستعمل نہیں ہوا اسی طرح یہاں بھی صیغہ ماضی کی جگہ صیغہ مضارع آیا اس لئے کہ یوصی ، یوصین ، توصون اور یوصی کو صیغہ مضارع لانے میں ایک نہایت لطیف بلاغت پنہاں ہے جس کی طرف مفسرین کی نگاہ نہیں گئی ورنہ کسی منسوب اس کو چھیڑا کہ حرب صیغے مضارع کے کیوں آئے اور عام مفسرین اس نکتہ کو سمجھ بھی نہیں سکتے تھے اس لئے کہ وہ آیت وصیت کو آیت وراثت سے منسوخ مانتے ہیں ، اس لئے ان کا ذہن کب اس طرف

جاسکتا تھا ۔ بعض حضرات نے اس آیت سے آیات وراثت میں تخصیص

کردان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین ۵ (آغاز ۹ نحل) میں بطونہ کی ضمیر واحد مذکر غائب مما کے ما موصولہ کیطرف وہ زبردستی پھیرتے رہے اور خدا جانے کیا مطلب مجھے سمجھانے رہے، جسے میں مطلقاً نہ سمجھ سکا۔ صرف اس لئے کہ الانعام " غیر ذوی العقول اور پھر جمع کا صیغہ ہے، اس کی طرف واحد مذکر کی ضمیر کس طرح پھر سکتی ہے۔ میں نے ہزار ہا کہا کہ حضور! انعام جمع قلت کا وزن ہے اور جمع قلت مفرد کے حکم میں بھی آتی ہے۔ اس لئے واحد مذکر کی ضمیر اس کی طرف پھر سکتی ہے۔ مگر وہ مطلق نہ سمجھے، ورمجھ ہی کو جاہل سمجھتے رہے۔ حالانکہ نحو کی مطولات میں اس کی تصریح موجود ہے۔

## رجل، وارث اور کلالہ مورث عنہ نہیں ہو سکتا، بلکہ رجل ہی مورث عنہ ہے، مانعۃ الجمع کیطرف ضمیر واحد ہی پھیرنی مناسب تھی۔

یہاں ایک اور ہی نکتہ ہے وہ یہ کہ قرآن مبین نے رجل کو وارث اور کلالہ کو مورث نہیں قرار دیا ہے بلکہ رجل ہی کو مورث قرار دیا ہے، ورکلالہ اس مورث کی صفت ہے جس کا محل کان کی خبر بنا کر اس پر کیا ہے۔

**مانعۃ الجمع و مانعۃ الخلو کا فرق** رجل اور امرأۃ میں عطف تردیدی مانعۃ الجمع کی حیثیت سے ہے۔ مورث یا مرد ہی ہوگا یا عورت ہی ہوگی۔ مرد بھی ہو اور عورت بھی، ایک ہی صورت مسئلہ میں یہ ناممکن ہے اس لئے ان دونوں کیطرف یکجائی طور سے تثنیہ کی ضمیر پھیرنی مناسب نہ تھی، اسی لئے ولھما اخ او اخت نہیں فرمایا۔ بخلاف فلکل واحد منھما کے کہ ایک مورث کے وارث صرف بھائی اور صرف بہن اور دونوں ہو سکتے ہیں یعنے اخ و اخت میں مانعۃ الخلو[1] ہے۔ مانعۃ

[1] کسی بات میں عطف تردیدی جو دو چیزوں کے درمیان ہو، ان دونوں کا اجتماع اگر اسی بات میں محال ہو تو اس کو مانعۃ الجمع کہتے ہیں جیسے میں کہوں کہ آج منگل ہے یا بدھ ظاہر ہے کہ آج منگل ہی ہوگا یا بدھ

الجمع نہیں، اس لئے یہاں تثنیہ ہی کی ضمیر لانا مناسب تھا۔ مانعۃ الجمع و مانعۃ الخلو کے فرق کو تثنیوں کے ضمائر کے مراجع میں ملحوظ نہ رکھنا سخت بے ادبی بے حسی ہے۔ تنزوّج هندًا او اختها او اتها احد اتها میں واتهما احد اقهما نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ فراء نے تو مانعۃ الخلو میں بھی وحدت ضمیر کو جائز رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ من کان لهٗ اخ او اخت فلیصلهٗ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور فلیصلهما بھی اور فلیصلها بھی دیکھئے تفسیر کبیر جلد ۳ صلا ۲ اور پھر سورہ نساء آیت ۱۲۴ پڑھیئے وَمَن یَعمَل مِنَ الصّالحَاتِ مِن ذَکَرٍ او اُنثیٰ وهو مؤمنٌ الآیۃ یہاں وهو مؤمنٌ جو جملہ حالیہ ہے اس کے ذوالحال ذکر اور انثیٰ دونوں ہیں۔ مگر وهما مؤمنان نہیں کہا گیا۔ عطف تردیدی اور مانعۃ الجمع ہے اس لئے جملہ حالیہ میں ضمیر واحد آئی اور اس کی خبر بھی واحد ہی رہی۔ اگر تثنیہ لاتے تو غلط نہیں تو غیر فصیح تو ضرور ہوتا۔

اچھا یوں ہی سمجھا جائے کہ لهٗ کی ضمیر یہاں صرف رجل ہی کیطرف پھرتی ہے۔ اصل جملہ یوں ہی سمجھئے ان کان رجلٌ یورث کلالۃً ولهٗ اخٌ او اختٌ۔ ولهٗ اخ او اخت تو رجلٌ کا حال واقع ہے اور یہاں جملہ او امرأۃ ایک جملہ معطوفہ معترضہ واقع ہو گیا ہے۔ آپ اس سے قطع نظر فرمالیں۔ اب تو اس لهٗ کی ضمیر رجلٌ کیطرف باطمینان تمام آپ پھیر لیں گے۔ اس کے بعد او امرأۃ کو دیکھئے جس طرح بقاعدۂ عطف آپ اس امرأۃ کے ساتھ یورث نہیں بلکہ تورث کلالۃ لگاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ ولها اخ او اخت کو بھی اسی عطف کے قاعدے سے لگا لیجئے۔ اس میں آپ کو کون سی دشواری

---

ہی ہوگا۔ دونوں نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ہو سکتا ہے کہ نہ منگل ہو نہ بدھ بلکہ کوئی تیسرا دن ان دونوں کے سوا ہوا۔ اور اگر اجتماع تو ہو سکتا ہو۔ مگر دونوں سے کوئی نہ ہو بلکہ کوئی تیسرا ہو۔ ایسا نہ ہو سکے تو اسی کو مانعۃ الخلو کہتے ہیں۔ جیسے میزبان سے کہا جائے کہ مہمان کو کھانا کھلا دو یا رخصت کر دو۔ تو کھانا کھلا کر رخصت کر دینے دونوں باتوں کا اجتماع ممکن ہے۔ مگر نہ کھانا ہی کھلایا جائے نہ رخصت ہی کیا جائے۔ یہ قائل کے منشاء کے بالکل خلاف ہے اور اگر جمع و خلو دونوں ممنوع ہوں تو تردید حقیقی ہے۔ جیسے یہ عدد جفت ہے یا طاق۔ ظاہر ہے کہ دونوں کا اجتماع بھی محال ہے اور یہ بھی محال ہے کہ نہ یہ ہو نہ وہ۔

محسوس ہوسکتی ہے؟ جس طرح وہاں سے اسی امرأۃ کے لئے نورث کلالۃ بعاطف عطف منتزع ہوسکتا ہے۔ بالکل اسی طرح ولہٗا اخ واخت کا ٹکڑا بھی منتزع ہوسکتا ہے۔ آپ دونوں کیطرف بلحاظ طور سے لہٗ کی ضمیر ہرگز نہ پھیرئے۔ مگر رجل کیطرف لہٗ کی ضمیر اور امرأۃ کیطرف لہا کی ضمیر تو پھیر سکتے ہیں۔

## فلکل واحد منہما

لہٗ کے بعد اس منہما کی ضمیر کی جنگ چھیڑ دی گئی ہے۔ وہ اس طرح کہ کہا جاتا ہے۔ یہ تثنیہ کی ضمیر اخ او اخت کیطرف نہیں بلکہ رجل او امراۃ کیطرف پھرتی ہے۔ اس لئے کہ یہاں اخ و اخت کے حصوں کا بیان ہی نہیں ہے۔ ان دونوں کے حصوں کا بیان تو آیت الصیف آخر سورہ نساء میں موجود ہی ہے اور وہاں ان کو زیادہ ملا ہے۔ یہاں بھی پھر وہی اخ او اخت کے حصے بیان کئے جائیں اور محض مختصر، یہ کیا؟ اس لئے ضرور یہاں کسی اور دو کے حصے بیان کئے جارہے ہیں۔

## عہدی وارث کی وراثت

اور وہ دوسرے دو اگر اس آیت میں ہوسکتے ہیں تو بس رجل اور امرأۃ ہی ہوسکتے ہیں۔ اور چونکہ انہیں دونوں کے متعلق یُورث کلالۃ کہا گیا ہے۔ اس لئے اس یورث کلالۃ کو اگر وراثۃً کلالۃً کے معنیٰ میں کسی طرح فرض کر لیجئے تو پھر یہ رجل و امرأۃ اس کلالہ کے وارث عہدی ثابت ضرور ہوجائیں گے، بس اس آیت میں انہیں عہدی وارثوں کے حصے مذکور ہیں، نہ کہ بھائی بہن کے حصے۔

یہ ساری دشواریاں آیت مذکورہ کے سیاق و سباق پر پوری طرح غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ دونوں آیتوں میں کلالہ ہی کی وراثت کا ذکر ہے، اور وارث اخ و اخت ہی صاف نظر آرہے ہیں مگر حصے مختلف ہیں۔ یہ کیوں؟ بس یہی دشواری متقدمین کے سامنے بھی تھی، اور میرے دوست مولانا اسلم صاحب کے سامنے بھی۔ اگلوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ ایک جگہ اخیافی بھائی بہن مراد لے لئے۔ اور دوسری جگہ عینی و علاتی۔ اور مولانا نے ایک جگہ اخ و اخت کی وراثت ہی سے انکار کر دیا اور کھینچ

تمان کے ایک جگہ عہدی وارثوں کے حصوں کا بیان ثابت کر دکھایا اور دوسری جگہ اخ و اخت کے حصوں کا۔ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۰

## حقیقت حال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مردوں کے لئے ایک حصہ ہے اس مال میں جو والدین اور قریب تر رشتہ مند چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی ایک حصہ ہے۔ اس مال میں جو والدین اور قریب تر رشتہ دار چھوڑ جائیں۔ (سورۂ نساء ع ۱)

یہاں اتنا ضرور معلوم ہوگیا کہ والدین کے ساتھ اقربین بھی ہوتے ہیں تو جب والدین کی طرح مورث ہو سکتے ہیں تو یقیناً والدین کے ساتھ وارث بھی ہوسکتے ہیں۔ اسی لئے میت کا سب سے قریب تر والدین کے علاوہ میت کی اولاد ہے۔ وہ والدین کیطرح مورث بھی ہوتے ہیں اور والدین کیطرح بغیر والدین کے، اور والدین کے ساتھ میت کے وارث بھی ہوتے ہیں۔ اپنی اولاد نہ ہو تو انہیں والدین کی اولاد کے قریب تر ہے کیونکہ والدین کے ساتھ اس میت کی نسبت جس طرح کی ہے بالکل اسی طرح کی نسبت ان والدین کی دوسری اولاد کو ان والدین کے ساتھ ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ والدین کے ساتھ والدین کی اولاد میت لاولد کی وارث نہ ہو سکیں، اگر میت کی اولاد خود موجود ہے تو پھر وہ ضرور میت کے لئے والدین کی اولاد سے زیادہ قریب تر ہے۔ یعنے والدین کے

---

لہ سورۂ نساء رکوع ۵ میں ہے۔ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ اور ہم نے ہر ایک کے لئے حقدار ورثہ بنائے ہیں جس کے ترکے میں والدین اقربین اور وہ جنہیں تمہارے داہنے ہاتھوں سے گرہ دے رکھا ہے تو ان حقداروں کو ان کا حصہ دے دو یہ ترجمہ مِمَّا تَرَكَ پر وقف کرنے کے اعتبار سے ہوگا اور اگر أَيْمَانُكُمْ کو وقف کیجئے تو یہ ترجمہ ہوگا کہ والدین اقربین اور وہ جنہیں تمہارے داہنے ہاتھوں سے گرہ دے رکھا ہے یہ لوگ جو کچھ مال چھوڑ جائیں اس میں ہم نے ہر ایک کے لئے حقدار ورثہ بنائے ہیں۔ حقداروں کو ان کا حصہ دے دو۔ غرض یہ والدین و اقربین و ازواج جن سے عقدی رشتہ ہے وارث بھی ہوتے ہیں اور مورث بھی۔

ساتھ خود میت کی بھی اولاد ہو، اور والدین کی بھی تو اقربین اس میت کے لئے خاص اس کی اولاد ہوگی۔ والدین کی اولاد اقرب نہیں رہے گی۔ اسی لئے اپنی اولاد کے ہوتے والدین کی اولاد کو کوئی حصہ نہیں پاتی۔ مگر میت لاولد ہے اگر والدین بھی ہوں اور والدین کی اولاد بھی، تو والدین کی اولاد ہی اقرب ہونے کی وجہ سے والدین کے ساتھ میت لاولد کا ترکہ پائے گی۔ کیونکہ اولاد والدین کے اقرب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور والدین کی معیت میں اقربین کی وراثت بخوبی ہو سکتی ہے۔ والدین خود اپنی اولاد کے حاجب ہو جائیں، یہ والدین کی فطرت کے خلاف ہے۔ خصوصاً جب میّت کے ساتھ دونوں کی اقربیت دو طرح کی ہے۔

**سلسلۂ کلام سیاق وسباق** ابتدائے رکوع دوم جہاں سے ورثہ کے حصوں کی تصریح شروع ہوئی ہے۔ وہاں سے آخر رکوع تک بغور پڑھ جائیے۔ اور سلسلۂ کلام میں ورثہ کے مدارج اور ان کی ترتیب وتہذیب ملاحظہ فرمائیے۔ چونکہ ہر شخص کو سب سے زیادہ محبّت اپنی اولاد سے ہوا کرتی ہے۔ اس لئے کہ اولاد انسان کا جزء ہوتا ہے تو حصوں کی تصریح سب سے پہلے اولاد ہی سے شروع کی گئی ہے۔ اولاد کے بعد ہر شخص کو اپنے والدین سے محبت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہر شخص اپنے والدین کا ایک جزء ہے۔ بدیں وجہ اولاد کے بعد والدین کے حصّے بیان کر دیئے۔ والدین کے ساتھ اقربین کا ذکر جو اس رکوع سے چار آیت پہلے آیا ہے، وہی آیت جو (حقیقت حال کے پیرگراف میں گذر چکی ہے) اس میں اس کی طرف ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ موالی سے مراد یہاں ورثہ نسبی ہیں جن کو میت کے ساتھ ولایت نسبی حاصل ہے، یہی حقیقت لموالی من ورائی میں بھی ورثہ نسبی ہی مُراد ہیں۔ چونکہ حضرت زکریاؑ کے اولاد نہ تھی اس لئے والدین ہی کی اولاد یا اجداد کی اولاد موالی ٹھہرے جو ان میں آپ سے قریب تر ہوں۔ والذین عقدت ایمانکم سے وارث سببی مراد ہے یعنی بذریعہ عقد باہمی جو رشتہ قائم کیا گیا ہو اور وہ صرف نکاح ہی ہے۔ ایک مرد کے کئی کئی بیویاں ہو سکتی ہیں اس لئے یہاں صیغہ جمع آیا۔

## والدین نہ کسی وارث کے حاجب ہوتے ہیں نہ کسی سے محجوب

اشارہ ہے کہ والدین میّت کے ہر اقرب کے ساتھ وارث ہو سکتے ہیں، اسی لئے نہ یہ خود کسی کے حاجب ہوتے ہیں نہ کوئی دوسرا وارث ان کو محجوب کر سکتا ہے۔ یہاں والدین کی تین حالتیں بیان کی ہیں۔

## والدین کی وراثت میں تین حالتیں ہیں

(۱) میت کے اولاد بھی ہو اور والدین بھی ہوں۔

(۲) میّت لاولد ہو اور صرف اس کے والدین ہی موجود ہوں۔

(۳) میت لاولد ہو اور والدین بھی موجود ہوں اور والدین کی اولاد (اخوۃ) بھی موجود ہوں۔

پہلی شکل تو بے خرخشہ ہے۔ اس کے متعلق کسی بحث وتمحیص کی ضرورت ہی نہیں۔ البتہ دوسری اور تیسری صورتوں کو ملاکر ملاحظہ فرمایئے۔ والدین ہوں اور اولاد ہوں تو والدین میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملے گا۔ مگر اولاد میں سے کس کو کتنا ملے گا؟ یہاں کچھ بیان نہیں کیا۔ اس لئے کہ اس کی تفصیل اولاد کے حصص کے بیان میں جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

## کہیں کسی وارث کا ذکر تو ہو مگر وہاں پر اس کا حصّہ مذکور نہ ہو

## تو یہ دلیل اس کے وہاں محروم الارث ہونے کی نہیں ہے

میت لاولد ہو تو دو ہی صورتیں ہیں۔ صرف والدین ہی ہوں تو ماں کو ایک ثلث ملے گا۔ یہیں تک بیان کر کے چھوڑ دیا۔ یعنی باقی دو ثلث باپ کا ہوگا۔ اسی للذکر مثل حظ الانثیین (عورت کا دونا مرد کا حصہ) کے اصول کے مطابق۔ جس طرح اگر میّت کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو ایک

ثلث بیٹی کو اور دو ثلث بیٹے کو ملتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ والدین کے ساتھ والدین کی اولاد یعنے میّت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں کو ایک سدس ملتا ہے۔ جس طرح میّت لاولد کے جب صرف والدین ہوں تو ماں کے لئے ثلث تو بتایا۔ باپ کو کتنا ملے گا اس کا ذکر نہ کیا اس لئے کہ وَرِثَهُ أَبَوَاهُ کا لفظ اتنا ضرور بتا رہا ہے کہ باپ ماں دونوں وارث ہوں گے۔ تو جب ماں کا حصہ معین کر کے بتا دیا تو یقیناً باقی مال باپ ہی کا ہوگا۔ کیونکہ باپ کے سوا دوسرا ہے کون؟

یہاں سے قرآن مبین کے اس عنوان بیان کا انداز مل گیا کہ بیان وراثت کے سلسلے میں جہاں کئی طرح کے اشخاص کا ذکر آئے اور بعض کے حصے معین کر کے بتا دیئے گئے ہوں، اور بعض کے حصے کا مطلقاً ذکر نہ ہو تو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ جس کے حصے کا کچھ ذکر نہیں ہے وہ محروم ہے۔ یا تو اس کے حصے کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اس لئے یہاں پھر بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی یا اس کا بیان بعد کو آئیگا یہ محل اسکے ذکر کا نہیں۔ اسلئے یہاں اس کا کچھ ذکر نہ کیا۔ یا یہ سمجھنا چاہیئے کہ باقی کل مال عصوبةً

---

لہ گذشتہ صفحات کے حاشیہ میں لکھ چکا ہوں کہ کلالہ نام جس کے نہ والدین ہوں نہ اولاد اور اخوۃ ہوں تو وہی اخوۃ اولاد کی پوری پوری جگہ لے لیتے ہیں۔ غرض میت لاولد کے اگر بھائی بہن ہوں تو یہ بھائی بہن چونکہ میت کے والدین کی اولاد ہیں۔ اس لئے میت کی اولاد کی قائم مقامی کر لیتے ہیں۔ کلالہ ناقص میں یعنی اگر میت لاولد کے والدین بھی ہوں اور اخوۃ بھی تو اخوۃ اولاد کی پوری پوری قائم مقامی نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ والدین کے مقابل، اولاد کو جو تقدم قربت حاصل ہے وہ اخوۃ کو نہیں اور والدین کو مرتبۃً تقدم جس طرح میت پر حاصل تھا۔ ویسا اخوۃ پر بھی حاصل ہے۔ اس لئے اتنا تو ہوا کہ جس طرح اولاد کے ہوتے والدین کو ایک ایک سدس ملتا ہے بالکل اسی طرح والدین کے ہوتے ان اخوۃ کو میت لاولد کے مال میں سے صرف ایک سدس ہی ملے گا۔ اب سوال رہ جاتا ہے باقی ماں کا تو باقی مال اگر اولاد ہوتی تو وہی لیتی۔ یہاں اپنی اولاد نہیں ہے والدین کی اولاد ہے اور والدین کا تقدم بہ نسبت میت اور ان اخوۃ سب پر یکساں ہے۔ پھر باپ اصل مالک ہے یہی اولاد کا دیکھ مولود لہ ہے اس لئے اولاد کا حصہ باپ کو ملے گا۔ اور باپ کا سدس بھائی بہن کو۔ اگر ایک سے زیادہ ہوئے تو

یہ شخص لے لیگا۔ جو کچھ بھی معین حصّے والوں سے بچ جائے اس کا ہے جس کا خود کوئی معیّن حصّہ نہ تھا۔ اس لئے اس کے حصّے کی وضاحت نہ کی۔

یہاں بھی یعنے جب والدین کے ساتھ بھائی بہن بھی ہوں تو صرف ماں کا حصّہ سدس معین کر کے بتا دیا۔ باقی مال میں باپ اور بھائی بہن شریک ہوں گے۔ اس کو ہر صاحب عقل خود سمجھ لے گا۔ ذکر تو یہاں نہ باپ کے حصّے کا ہے نہ بھائی بہن کے۔ اگر عدم ذکر سے محروم ہی سمجھنا چاہیئے تو پھر یہاں باپ کو محروم کیوں نہیں سمجھتے؟ صرف بھائی بہن کو محروم سمجھ لینے کی کوئی وجہ معقول کسی کے پاس نہیں ہے۔

اولاد کے ساتھ اگر والدین بھی وارث ہوں، جسکے بیان میں صرف والدین میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس دلوایا گیا مگر اولاد کے حصوں کی تفصیل وہاں پر نہیں کی۔ اس لئے کہ اولاد کے حصوں کا بیان ان کے ذکر میں گذر چکا ہے۔ بالکل اسی طرح جب بھائی بہن کے ساتھ والدین وارث ہوں تو بھائی بہن کے حصوں کا ذکر والدین کے حصوں کے بیان میں نہیں کیا۔ اسلئے کہ جب بھائی بہن کا ذکر آئے گا تو ان کے حصوں کی تفصیل آجائے گی۔ یہاں صرف اتنا معلوم ہوگیا کہ ماں کا جو بھائی بہن نہ ہونے کی حالت میں اگر مورث لا ولد ہو تو ثلث تھا۔ بھائی بہن کی وجہ سے اب سدس معین ہوگیا ہے۔ باقی مال میں باپ ہے اور بھائی بہن۔ بھائی بہن کا حصّہ معین آگے مذکور ہے ان کو دے کر جو کچھ بچے گا۔ وہ باپ کو ملے گا۔

## جو وارث نہ ہو وہ ایک اجنبی ہے

یہ سمجھنا کہ بھائی بہن یہاں صرف ماں کے حصّے کو کم کر دیتے ہیں، مگر خود کچھ بھی نہیں پاتے۔ بالکل انوکھی بات اور سراسر عقل کے خلاف ہے۔ جو وارث ہی نہیں ہوسکتا۔ وہ محض ایک اجنبی ہے۔ کسی اجنبی کا وجود ایک وارث کی وراثت پر کیوں اثر انداز ہوگا۔ اجنبی کسی دوسرے وارث کو نہ محجوب کرسکتا ہے نہ کسی کے حصّے کو کم کرسکتا ہے۔ صرف اس لئے کہ بھائی بہن کے حصوں کا یہاں پر کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ سمجھ لینا کہ ان کا اس موقعہ پر کوئی حصّہ ہی نہیں ہے، بڑی افسوسناک کوتاہی فکر ہے

خصوصًا جب اس کی مثال موجود ہے کہ اولاد کے ہونے سے والدین کے حصّے کم ہو جاتے ہیں، یہاں اس کا ذکر ہے۔

| | |
|---|---|
| وَلِاَبَوَیْهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ اِنْ کَانَ لَهٗ وَلَدٌ | یعنی: میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے ایک سدس ہے۔ اگر اس کے کوئی اولاد بھی ہو۔ |

تو یہاں اولاد کے حصّوں کا مطلقًا ذکر نہیں ہے مگر آپ اس سے یہ نہیں سمجھتے کہ اولاد اور والدین دونوں ہوں تو صرف والدین کو ایک ایک سدس ملے گا مگر اولاد کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ اولاد کے حصّے کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ آپ یہاں والدین کو اولاد کا حاجب کیوں نہیں قرار دیتے؟ بالکل اسی طرح تو والدین کے ساتھ اخوۃ کا بھی ذکر ہے جس طرح میت کی اولاد والدین کے حصّوں کو کم کر دیتی ہے، اسی طرح میت کے بھائی بہن بھی میت کے والدین کے حصوں کو کم کر دیتے ہیں جس طرح وہ کم کر کے خود لیتے ہیں یہ بھی کم کر کے خود لیں گے۔ وہاں اولاد کے حصوں کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ یہاں بھائی بہن کے حصوں کا ذکر بعد کو آئیگا۔ اوّل یا آخر ترتیبے دارد۔ اتنے سے فرق کو افسوس کہ نہ متقدمین مفسرین سمجھے نہ متاخرین سمجھ رہے ہیں۔

## درمیان میں اقرب سببی کا ذکر

اقرب الی المیت دو قسم کے ہیں باعتبار نسب و باعتبار سبب۔ نسب چونکہ مقدم ہے اس لئے پہلے اقرب نسبی کا ذکر کیا۔ ظاہر ہے کہ اولاد اور والدین سے زیادہ قریب الی المیت از رُوئے نسب کون ہو سکتا ہے؟ ان دونوں کے بعد اقرب الی المیت عورت کے لئے شوہر اور مرد کے لئے بیوی سے بڑھکر کوئی بھی نہیں۔ بیان ورثت میں سلسلہ اقربین کو درجہ بدرجہ ترتیب وار ہی بیان کرنا تھا۔ غرض صرف اس لئے کہ اقربین کا سلسلہ بیچ سے نہ کٹ جائے والدین کے حصوں کے ذکر میں ہر چند بھائی بہن کی وراثت کا ذکر اشارتًا آچکا تھا۔ مگر وہاں بھائی بہن کے حصوں کی تفصیل نہ کی۔ بلکہ اقربین نسبی کے بعد چونکہ ابھی اقربین سببی باقی تھے۔ اس لئے پہلے ان سببی اقربین کے حصّوں کا ذکر کیا۔

یعنی زوج و زوجہ کے حصوں کی تفصیل فرمائی۔

زوج و زوجہ کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اگر میت کے کوئی اولاد بھی ہو تو شوہر کو چوتھائی اور بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور میت لا ولد ہو تو شوہر کو نصف حصہ اور بیوی کو چوتھائی دیا جائے گا۔ یہاں بھی وہی للذکر مثل حظ الانثیین کا اصول مدنظر رہا اور یہاں بھی اولاد کے حصوں کا کوئی ذکر نہیں۔ باوجود اس کے شوہر یا بیوی کوئی بھی اولاد کے لئے حاجب نہیں ہو سکتا۔

## حاجبیتِ والدین کی ایک لایعنی دلیل اور اس کی تردید

شاید کوئی کہے کہ والدین اولاد کے لئے حاجب نہیں ہو سکتے اس لئے کہ میت اور اولاد میت کے درمیان میت کے والدین کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مگر میت اور اخوۃ میت کے درمیان والدین ہی کی وجہ سے رشتہ قائم ہوتا ہے۔ اگر والدین نہ ہوتے تو ان کے درمیان رشتہ ہی قائم نہیں ہوتا۔ اس لئے اخوۃ میت کا مال میت میں، والدین میت کے ہوتے کوئی حصہ نہیں ہے، اور والدین، بھائی بہن کے ضرور حاجب ہوں گے۔ خصوصاً جب والدین میت سے زیادہ قریب ہیں باعتبار بھائی بہن کے کیونکہ میت والدین کا جزء ہے اور بھائی بہن نہ میت کے جزء ہیں نہ میت ان کا جزء ہے

تو اس کا جواب یہ ہے کہ والدین کے متعلق تو یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے کہ وہ کسی اقرب کے حاجب ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اس لئے کہ اللہ تعالے نے والدین کے ساتھ دوسرے اقربین کا ذکر فرما کر یہ بتا دیا کہ والدین کا حق محض اقرب ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے۔ بلکہ ان کی شخصیتیں بہت بلند ہیں۔ وہ مستقل مورث ہیں اور جب مورث مستقل ہیں تو وارث بھی مستقل ہیں جیسا کہ سورہ نساء آیت ۳۳ - وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ الخ سے ظاہر ہے - دیکھو حاشیہ صفحہ ۵۸

البتہ ان کے ساتھ دوسرے اقربین بھی یکجا ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے نہ ان کو کوئی میت کے ترکے سے محروم کر سکتا ہے نہ یہ کسی کو محروم کرتے ہیں۔ قرب و بعد رشتہ کی یکسانی

میں دیکھا جاتا ہے جس طرح باپ کے ہوتے دادا کو ترکہ نہیں مل سکتا۔ اور ماں کے ہوتے نانی دادی ترکہ نہیں پاسکتی۔ اور والدین اور بھائی بہن کے درمیان رشتے کی یکسانی کہاں ہے۔ اگر رشتے کی یکسانی اقرب ہونے میں ضروری نہیں تو والدین کو شوہر یا بیوی کا بھی حاجب ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ والدین ضرور شوہر اور بیوی سے زیادہ تر قریب ہیں۔

**سبب رشتہ حاجب نہیں ہوتا**

باقی رہا یہ امر کہ بھائی بہن سے میت کا رشتہ والدین ہی کی وجہ سے ہے۔ اس لئے والدین کے ہونے بھائی بہن کو ترکہ نہیں ملنا چاہیئے خواہ مخواہ کا قیاس غلط ہے۔ یہی صورت تو شوہر اور بیوی کے ہوتے اولاد کی ہے اولاد کا وجود ہی شوہر یا بیوی کی وجہ سے ہے۔ جس طرح بھائی بہن کا وجود والدین کی وجہ سے۔ تو اگر والدین کے ہوتے بھائی بہن محجوب ہو جا سکتے ہیں تو شوہر اور بیوی کے ہوتے اولاد کو بھی محجوب ہو جانا چاہیئے۔

**بھائی بہن کے حصے والدین کے ہونے ہوئے**

جب تمام اقربین نسبی وسببی بیان ہو چکے تو اب صرف ایک اقرب رہ گیا تھا جو گذشتہ تینوں اقربین میں سے صرف اولاد ہی کے مقابل بعید ہے۔ اس لئے کہ اولاد خاص میت کے اجزاء ہیں، اور بھائی بہن میت کے والدین کے اجزاء۔ ظاہر ہے کہ بیٹے اجزاء کے ہوتے والدین کے اجزاء ضرور بعید ہیں اس لئے ان کو اولاد کے ہوتے میت کا کوئی حصہ مال بھی نہیں ملنا چاہیئے

غرض اگلے تینوں اقربین میں سے صرف اولاد ہی چونکہ اخوۃ سے زیادہ قریب الی المیت ہیں باعتبار جزئیت نسبی بھی اور باعتبار محبت بھی۔ اس لئے اولاد ضرور ان کی حاجب ہو جاتی ہے اور اولاد کے ہوتے یہ کچھ بھی نہیں پاتے۔

**اقربین نسبی کی تین قسمیں**

اصل یہ ہے کہ اقربین نسبی تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) اصول یعنی والدین (۲) فروع یعنی اولاد

(۲) ہم جنس یعنے بھائی بہن۔
ان میں سے دو قسم میں باہمی یکسانیت ہے یعنی اولاد میت اور اخوۂ میت ہیں، وہ اس طرح کہ یہ دونوں محض اجزاء ہونے کی وجہ سے میت کے وارث ہوتے ہیں۔

## اولاد اخوۃ کے حاجب ہو سکتے ہیں۔ والدین نہیں

اولاد۔ خاص اجزاء میت ہیں۔ اور بھائی بہن، اجزائے والدین میت۔ سبب قرب دونوں میں صرف جزئیت ہے اس لئے ان میں جس کی جزئیت اقرب ہے وہ ابعد کے لئے ضرور حاجب ہو جائیگا مگر باقی دوسرے اقرب نسبی یعنی والدین اور اخوۃ میں کسی قسم کی یکسانیت نہیں جسطرح اقرب سببی میں اور اخوۃ میں کوئی یکسانیت نہیں۔ اس لئے جس طرح اقرب سببی اخوۃ کو محروم نہیں کر سکتے والدین بھی اخوۃ کو محروم نہیں کر سکتے۔

## جس طرح والدین کی اہمیت اخوۃ کی وراثت پر اثر انداز ہوکر

## رہی اسی طرح اخوۃ کی اہمیت والدین پر

اتنا ضرور ہے کہ والدین کی اہمیت جو وارث مستقل ہونے کی حیثیت سے ہے وہ اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتی چنانچہ اس میت لاولد کے والدین بھی اگر نہ ہوتے تو کل مال اس کے بھائی یا بھائی بہن ہی کو مل جاتا۔ ایک ہی بہن ہوتی۔ جب بھی نصف مال سے لیتی اور دو یا دو سے زیادہ ہوتیں تو ثلث تو یقینا پالیتی۔ والدین نے ان کو ایک ہوں تو ایک سدس اور زیادہ ہوں تو دو سدس یعنی ایک ثلث سے زیادہ پانے کا مستحق نہ رکھا۔
سی طرح یہ بھائی بہن بھی ہم جنس قرابت مندوں میں سب سے زیادہ قریب کی میت میں۔ اس لئے باپ ماں کی وراثت پر یہ بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہ رہے

اگر تنہا ہوئے تو نزلہ بر عضو ضعیف مے ریزد۔ ان کا اثر صرف ماں ہی کے حصے پر اتنا پڑا کہ ثلث کا آدھا سدس بنا دیا۔ اور ایک سے کہیں زیادہ ہوئے تو پھر جس طرح ایک سدس کی کمی ماں کے حصۂ معینہ میں کی تھی۔ اسی طرح ایک سدس کی کمی اس باقی مقدار مال میں بھی یہ ڈال دیتے ہیں۔ جو باپ کو ماں کا سدس کاٹ کر ملتا۔

مختصر یہ کہ والدین اخوۃ کو بالکل محروم الارث بنا دیں اس کی کوئی وجہ نہیں ہے نہ قرآن کی رُو سے، نہ عقل کی رُو سے نہ انصاف کی رُو سے۔ ؎

**لفظ اخوۃ کی جمعیت** ایک بحث یہ نکالی گئی ہے فان کان لہٗ اخوۃ فلأمه السُّدس میں اخوۃ کا لفظ بصیغہ جمع آیا ہے۔ اس لئے اگر ایک یا دو ہوں۔ بھائی یا بہن، یا دونوں ملا کر تو ماں کا حصہ ثلث سے سدس نہ ہوگا۔ اگر دو سے زیادہ ہوں گے۔ جب البتہ ماں کے ثلث کو آدھا کر کے سدس بنا دیں گے۔ بعضوں نے کہا کہ دو بھی جمع ہی کے حکم میں ہے۔ اس لئے اگر صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ماں کا حصہ کم نہ ہوگا۔ یعنے ثلث سے سدس نہ ہوگا۔ دو یا دو سے زیادہ ہوں جب ماں کو ثلث کی بجائے سدس ملے گا۔

تعجب یہ ہے کہ آیت الصیف یعنے آخر سورۂ نساء میں جہاں کلالہ کا ترکہ صرف بہن بھائی کو دلوایا گیا ہے۔ وہاں ارشاد ہے کہ وان کانوا اخوۃً رجالاً ونساءً فللذکر مثل حظ الانثیین۔ یہاں بھی وہی اخوۃ مذکور ہے اور رجالاً ونساءً سب صیغہ جمع آیا ہے تو کیا اگر صرف ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو للذکر مثل حظ الانثیین کا اصول برتا نہیں جائیگا۔ چونکہ اخوۃ رجال اور نساء سب بصیغہ جمع مذکور ہیں۔ ؎

---

؎ سید السند حاشیۂ کشاف میں لکھتے ہیں۔ ومذھب ابن عباس رض ان الاخوۃ یأخذون السُّدس الذی حجبوا الام عنه مع وجود الآب یعنے حضرت ابن عباس رض کا مذہب یہ ہے کہ اخوۃ وہ سدس لے لیں گے جس سے انہوں نے ماں کو محجوب کیا ہے باوجود باپ کی موجودگی کے۔ (کشاف ج ۱ ص ۳۷۲) بر حاشیہ در آخر کتاب شریفیہ ص۹۴ میں بضمن بیان عصبات

افسوس ہے کہ ان عجمی مفسرین وفقہا، ومحدثین نے اپنے غلط اقوال و آراء کو مستند کرنے کے لئے اس قسم کی لغو اور مہمل باتوں کو اکابر صحابہ کرام کیطرف منسوب کر کے کتابوں میں لکھ مارا۔ اور خواہ مخواہ کا اختلاف قرآن مبین میں ڈال کر بعد والوں کو اشتباہ و ارتیاب میں ڈالا

| | |
|---|---|
| وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ | اور وہ لوگ جو ان کے بعد کتاب |
| مِنْ بَعْدِھِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ | اللہ کے وارث ہوئے وہ اس کے |
| مُرِیْبٍ۔ | متعلق ریب وشک میں پڑ گئے۔ |

اہل ادب بخوبی جانتے ہیں کہ ایسے مواقع میں اخوۃ رجال، نساء اور اس قسم کے کلمات جو بصورت جمع آئیں جمعیت سے معرّیٰ ہو کر بمعنی اسم جنس آتے ہیں اسی لئے قلیل وکثیر سب پر دلالت کرتے ہیں۔ کیا حضرت عبداللہ بن عباس یا حضرات خلفاء راشدین یا دوسرے مہاجرین وانصار اس محاورے اور ادب عربی کے اصول سے ناواقف تھے؟ ہرگز نہیں، مگر خواہ مخواہ کی جھوٹی روایتیں گھڑ گھڑ کر یاران طریقت نے ان بزرگوں کی طرف منسوب کر رکھیں۔

غرض یہاں بھی یہ اخوۃ کا لفظ جمعیت سے معرّیٰ بمعنی اسم جنس ہے چاہے ایک بھائی یا ایک بہن ہو چاہے دو ہوں یا دو سے زیادہ۔ بہر حال ماں کا حصہ ثلث سے گھٹ کر سدس ہو جائے گا۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عصبہ مع غیرہ کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے۔ من قولہ علیہ السلام جعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ والمراد من الجمعین ھٰھنا ھو الجنس ولھذا کان اُخْتٌ مُتَعَدِّدًا تو جس طرح اس حدیث میں اخوات اور بنات، بصیغہ جمع ہونے کے باوجود اسم جنس کے معنی میں ہیں اور واحد تثنیہ جمع سب پر دلالت کر رہے ہیں۔ بالکل اسی طرح قرآن مبین کی اس آیت میں اخوۃ کا لفظ بھی اسم جنس ہی کے معنی میں ہے اور واحد تثنیہ و جمع سب پر اس کا اطلاق ہوگا۔ اگر یہ ادب عربی کا قاعدہ حدیث میں لیا جا سکتا ہے۔ تو قرآن مبین میں کیوں غیر معتبر ہو گا۔ فافہم۔

**اقرب ہم جنس**

اقرب نسبی میں سے فروع واصول کو بیان کرنے کے بعد اقرب سببی کو بیان کرلیا اور اب صرف اقرب ہم جنس باقی رہ گئے تھے۔ اس لئے سب کے آخر میں ان کے حصّوں کی تصریح فرمائی گئی۔

یہ میں لکھ چکا ہوں کہ اقرب نسبی کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) فروع (۲) اصول (۳) ہم جنس

فروع اور ہم جنس میں اتنی یکسانیت ہے کہ دونوں ہی جزئیت کی وجہ سے قرابت رکھتے ہیں۔ فروع میت کے خاص اجزاء ہیں اور ہم جنس میت کے والدین کے اجزاء۔ اس لئے اپنے خاص اجزاء کے ہوتے والدین کے اجزاء ضرور قرابت میں بعید سمجھے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ فروع یعنی اولاد کے ہوتے ہم جنس یعنے بھائی بہن کو میت کا ترکہ کچھ بھی نہیں ملتا۔ اسی وجہ سے بھائی بہن کی وراثت کا وہیں ذکر آیا ہے، جہاں میت لاولد ہے۔ اس لئے بھائی بہن کی وراثت کے بیان کو میت کے کلالہ یعنے لاولد ہونے سے مشروط کر دیا اور فرمایا کہ:۔

## وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً کا واؤ عطف

| | |
|---|---|
| وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ | یعنے: اور جو مرد مُورث بنایا جارہا ہے، اگر کلالہ ہو یا عورت (جو مورث بنائی جارہی ہے اگر کلالہ ہو) اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہے تو ہر ایک کے لئے ایک سُدس ہے الخ |

اس آیت میں واؤ عطف بتارہا ہے کہ یہ جملہ مستانفہ جس کا اُوپر سے کوئی تعلق نہ ہو، ایسا نہیں ہے، بلکہ اس کو اُوپر سے کچھ لگاؤ ہے۔ اہل علم جو وصل وفصل کے قاعدے سے واقف ہیں اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

## یُورث فعل مجہول کیوں لایا گیا؟

پھر یورث بصیغہ مجہول آیا ہے یہ کیوں؟ آخر اس کا فاعل کوئی نہ کوئی ضرور ہوگا۔ فعل مجہول کو فعل لم یسمّ فاعلہ کہتے ہیں یعنے وہ فعل جس کے فاعل کا نام نہ لیا گیا ہو۔ نام کیوں نہیں لیا گیا؟ اس کے جہاں متعدد وجوہ ہیں۔ وہاں ایک اہم وجوہ یہ بھی ہے کہ فاعل متکلم اور مخاطب دونوں کو معلوم ہے۔ اس لئے خواہ مخواہ اسکے ذکر کی ضرورت نہیں۔ خصوصًا جہاں مفعول ہی کی نوعیت کا بیان کرنا مقصود ہے۔ یہاں واؤ عطف بیان کر رہا ہے کہ اس جملے کا تعلق اوپر کے کسی جملے سے ہے۔ اور یورث کی مجہولیت ظاہر کر رہی ہے کہ اسکے فاعل کا ذکر وہاں آچکا ہے اور یہاں مفعول ہی کا بیان مقصود ہے۔ اس لئے آپ اس جملے کا وصل اُوپر کے جملوں میں سے کسی جملے کے ساتھ تلاش کیجیئے۔

اس تلاش کا طریقہ ہم آپ کو بتاتے ہیں، یہاں ذکر ہے کلالہ کا، اور کلالہ کس کو کہتے ہیں۔ آپ آیت الصیف یعنے آخر سورۂ نساء میں دیکھ لیجئے کہ اِمْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَه ولد وله اخت الخ کلالہ کی تعریف بتادیگئی ہے کہ ایک شخص مرگیا ہو اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو یعنے لاولد مرا ہو اور اس کے بہن ہو یا بھائی بہن سب ہوں یا صرف بھائی ہو۔ کیا یہ صُورت اوپر کے کسی جملے میں آئی ہے۔

## عطف کی مفصل بحث

اوپر کے جملوں کو شروع سے پڑھئے۔ جہاں اولاد کی وراثت کا ذکر ہے۔ اس آیت پر تو اس کا عطف نہیں ہوسکتا کیونکہ کلالہ مورث لاولد کو کہتے ہیں۔ جہاں اولاد کا ذکر وہاں کلالہ کا کیا مذکور؟

اب والدین کا بیان دیکھئے۔ ان کی تین حالتیں بیان کی ہیں:-

(۱) والدین بھی ہوں اور اولاد بھی ہوں، اس حالت سے بھی کلالہ کا تعلق ہو نہیں سکتا کیونکہ یہاں بھی اولاد کا وجود مذکور ہے۔ اس لئے کلالہ سے اس کا تعلق نہیں

(۲) والدین کی دوسری حالت کہ صرف والدین ہی وارث ہوں، نہ اولاد ہو نہ بھائی

بہن ۔تو اس صورت سے بھی کلالہ کا کوئی تعلق نہیں ۔اس لئے کہ کلالہ کے لئے صرف لاولد ہونا ہی شرط نہیں ہے بلکہ بھائی بہن کا وجود بھی ضروری ہے ، اور یہاں صرف والدین ہی وارث ہیں ۔غرض اس صورت سے بھی کلالہ بالکل بے تعلق ہے ۔

(۳) والدین کی تیسری[1] حالت کا بیان جہاں ہے کہ مورث لاولد ہو اور وارث والدین ہوں اور اخوۃ بھی موجود ہوں ۔بس صرف یہی ایک آیت یہی ایک جملہ ہے جس پر اس وان کان رجلٌ یورث کلالہ کا عطف وصل ہو سکتا ہے ۔اس لئے کہ اس کے بعد تو ازواج کا ذکر ہے اور وہ اقرب سببی ہیں ۔ اخ واخت کی وراثت قرابت نسبی کی وجہ سے ہے ۔سببی ونسبی وارثوں کے درمیان کوئی سی مناسبت ہو سکتی ہے کہ ان کے بیان پر ان کے بیان کا عطف وصل کیا جا سکے ۔[2]

---

[1] اس عطف کی صحت کی ایک واضح وجہ یہ بھی ہے کہ اولاد وازواج کے ذکر میں مورث کو مخاطب کی ضمیر سے یاد فرمایا گیا ہے اگر ان آیتوں پر عطف ہوتا تو یہاں ضمیر غائب مالکر وان کان رجل یورث کلالۃ نہیں فرمایا جاتا ۔بلکہ وان کنتم رجل یورث کلالۃ کہا جاتا وان ورثتم کلالۃ یا ورثتم کلالۃ فرمایا جاتا ۔ والدین ہی کی وراثت کے بیان میں مورث کو بضمیر غائب بیان کیا ہے اس لئے والدین ہی کی تیسری حالت پر اس کا عطف ہے ۔

[2] عطف وصل اس لئے کہا کہ عطف یا وصل ناقص کے لئے آتا ہے یا فصل ناقص کے لئے ازواج کی وراثت کا ذکر جس آیت میں ہے ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد الخ یہ آیت واو عطف ہی سے شروع ہوئی ہے اور اس کا عطف والدین کے بیان وراثت والی آیت پر ہے اور والدین کی قرابت نسبی یقیناً بھائی بہن سے زیادہ اقرب ہے پھر وہاں کون سی مناسبت پیدا ہو گئی کہ اقربین نسبی و قربین سببی کے بیان وراثت والی آیتوں میں رشتۂ عطف قائم کیا گیا ؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ وہاں عطف فصل ناقص کا تھا اور یہاں عطف وصل ناقص کا ہے ۔ بیان وراثت کے عموم میں نسبی وسببی ہر طرح کے قربین ہیں ۔ فی الجملہ معنوی وصل ہر بیان کو دوسرے بیان کے ساتھ ہے ۔اور ہر بیان جب مکمل ہو گیا تو پھر دوسرے بیان سے اس کا انقطاع بھی ظاہر ہے ۔ اس لئے

(بقیہ صفحہ پر)

**توضیح عطف وصل** | وان کان رجلٌ یورث کلالۃً اور وہ شخص جو مورث بنایا جارہا ہے اگر کلالہ ہو۔ یہاں یورث کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ تذکرہ اسی شخص کا ہے جو پہلے مورث منہ ہو چکا ہے۔ جس کے وارثوں کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ وہاں چونکہ اس کے وارثوں کا ذکر آچکا ہے اس لئے فاعل یعنے وارث کا تذکرہ یہاں دوبارہ نہیں کیا۔ بلکہ مفعول کیطرف فعل کی نسبت کر دینا ہی کافی سمجھا۔ اس لئے کہ درحقیقت اس مفعول کے فاعل یعنے اس مورث منہ کے وارث دو طرح کے تھے اور ایک کی وراثت جب دوسرے کے ہوتے ہو، تو ایک خاص حصۂ معین کا وہ مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ اسی بنا، پہ وہاں والدین کا اخوۃ کے ہوتے جس قدر حصہ ہوتا تھا۔ مذکور ہوا۔ مگر اخوہ کا حصہ نہیں بتایا گیا اس لئے

---

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) ہر دو مکمل بیان کے درمیان واؤ عطف فصل ناقص کے لئے آیا کہ سلسلہ بیان وراثت کو قائم رکھنے کے لئے عطف بھی ہے اور ہر بیان بطور خود ایک دوسرے سے منقطع بھی ہے مگر یہ صورت یہاں نہیں ہے اس لئے کہ وہ جو مورث لاولد کے وارث والدین ہوں اور اخوۃ بھی موجود ہوں، والی صورت والدین کی وراثت میں بیان ہوئی تھی۔ وہ وہی صورت ہے جو یہاں اب اخوۃ کی وراثت کے لئے دہرائی گئی ہے۔ وہاں اس صورت کی نسبت چونکہ صرف والدین کیطرف تھی اس لئے مورث کو کلالہ نہیں کہا کیونکہ مورث لاولد اپنے والدین کے حق میں کلالہ نہیں ہوتا۔ اور یہاں چونکہ اس کا ذکر اخوۃ کی وراثت کے سلسلہ بیان میں آیا ہے اس لئے مورث کو کلالہ کے نام سے یاد کیا ہے۔ غرض یہاں واؤ عطف وصل کے لئے آیا ہے اور دوسری جگہوں میں جہاں ایک وارث کا بیان ختم کرکے، دوسرے وارث کا بیان شروع کیا ہے وہاں عطف فصل کے لئے واؤ ہے جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ہر جگہ واؤ عطف کے بعد وارث ہی کا ذکر آیا ہے اس لئے کہ وراثت وارثوں کو ملتی ہے۔ مگر یہاں مورث کی نوعیت کو پہلے واضح کیا ہے۔ پس کے بعد وارث کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے کہ اس مورث کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ یہ اسی مورث کے دوسرے ورثہ کا ذکر ہے۔

کہ وہاں صرف والدین ہی کے حصوں کا ذکر تھا۔ یہاں بھائی بہن اگر والدین کے ہوتے وارث ہوں۔ اس کا بیان ہے۔ اس لئے یہاں صرف بھائی بہن کے حصوں کا ذکر کیا گیا۔ وہاں اخوۃ کا نام لے کر وجودِ اخوۃ کو بتا دیا گیا۔ یہاں یورث کو مجہول مالم یسم فاعلہ بنا کر وَرِثَہٗ اَبَوَاہُ کی یاد دلانی کر کے وجود والدین کیطرف نہایت بلیغ اشارہ فرما دیا گیا۔

"والدین کسی میت لاولد کے وارث ہوں" اس کا ذکر اوپر اس طرح گذر رہا ہے فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَہٗ اَبَوَاہُ "تو یہاں جو رجل یورث فرمایا گیا۔ اس یورث کے فاعل کا ذکر ورثہ ابواہ میں آچکا ہے۔ اس لئے ان کان رجل یورث کلالۃ کی تفسیر یہ ہوئی کہ ان کان رجل یرثہ ابواہ کلٰلَۃً اس طرح وہ فاعل جو لم یسم تھا مسمّٰی ہو گیا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جو اپنے والدین کا موروث مت ہو رہا ہے۔ اگر کلالہ ہو کیونکہ ورثہ ابواہ جہاں فرمایا گیا ہے۔ اس کے پہلے فان لم یکن لہ ولد موجود ہی ہے۔ اس لئے جس کیطرف لم یکن لہ ولد کے لہٗ کی ضمیر پھرتی ہے۔ اسی کی طرف ورثہ کی ضمیر مفعولی اور ابواہ کی ضمیر مجرور بھی پھر رہی ہے۔ تو پھر اس کا لاولد ہونا ظاہر ہے۔ اسی ضمیر کو یہاں رجل فرمایا گیا ہے۔ وہاں ورثہ کی شکل ضمیر مفعول اسی کو کہا گیا تھا۔ یہاں اسی کو یورث میں ضمیر مفعول مالم یسم فاعلہ بنا کر لایا گیا۔ وہاں وان کان لہٗ اخوۃ کہہ کر فقط اخوۃ کا ذکر کرتے ہوئے صرف والدین میں سے ماں کے حصے کی تعیین کر دی تھی کہ اخوۃ نہ ہوں تو ثلث اور اگر اخوۃ بھی ہوں تو سدس مال پائے گی۔ باپ کے حصے کا مطلق ذکر نہ کیا۔ اس لئے کہ ورثہ ابواہ میں باپ ماں دونوں کی وراثت کا صاف بیان موجود ہے۔ جس کے معنیٰ ہی یہی ہیں کہ معین حصے والوں سے جو کچھ بچے گا۔ باپ لے لے گا۔ باپ کا لاولد موروث کے ترکے میں کوئی حصہ معین نہیں کیا گیا ہے۔ اور اخوۃ کے حصے کا ذکر وہاں اس لئے نہیں کیا کہ ان کا ذکر اپنے محل پر آگے آتا ہے۔ چنانچہ یہاں فرمایا گیا کہ وہ شخص جو موروث ہو رہا ہے۔ یعنے جس کے وارث اس کے والدین ہو رہے ہیں اگر کلالہ ہو،

یعنی لاولد تو ہے ہی کیونکہ یہ وہی شخص ہے جس کے متعلق وہاں فان لم یکن لہ ولد و ورثہٗ ابواہ کہا گیا ہے اور اس کے ضمن میں اخوۃ کے وجود کا بھی ذکر وہاں آچکا ہے تو اگر وہ کلالہ ہو۔

**عطف تفسیری** (اتنا کہہ کر اس کی شرح عطف تفسیری کے ذریعہ کر دی گئی کہ) ولہٗ اخ او اخت کیونکہ یہ وہی مورث لاولد ہے جس کے بھائی بہن وارث ہوئے ہوں۔ وان کان کلالۃً نہیں فرمایا گیا۔ کیونکہ اس طرح کہنے سے کلالہ تام سمجھا جاتا (یعنے وہ مورث جس کے صرف بھائی بہن ہی وارث ہوں) یہاں کلالہ ناقص کا بیان مقصود تھا۔ اس لئے ان کان کا اسم یہاں رجل یورث کو بنایا۔ یعنے وہ کلالہ ہونے سے قطع نظر کر کے والدین کا مورث منہ پہلے ہی سے ہو رہا ہے۔ اس کے بعد بس یہ کلالہ کا حمل فرمایا اس لئے کہ اب اس کی وراثت اس کے بھائی بہن کیطرف منسوب کی جا رہی ہے۔ یعنے یہ رجل اپنے والدین کے مورث منہ ہونے کی حیثیت سے تو کلالہ نہیں ہے۔ مگر چونکہ اس کے بھائی بہن بھی ہیں۔ اور یہ ان کا بھی مورث منہ ہے
اس لئے یہ کلالہ ہے۔ اسی مفہوم کو بتانے کے لئے یہ عنوان بیان اختیار کیا گیا جس کی طرف مولانا اسلم صاحب نے توجہ نہیں فرمائی اور خواہ مخواہ اس عنوان بیان پر تعجب کا اظہار فرماتے ہیں۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| انہ لو کانت ھٰذِہِ الاٰیَۃ | یعنے اگر یہ آیت بھائی بہن کے حصے |
| لبیان نصیبُ الاَخ والاخت | بیان کرنے کے لئے ہوتی تو یوں فرمایا |
| لکان مجری الکلام حینئذٍ | جاتا کہ "اگر بھائی یا بہن کسی کلالہ کے |
| ان یقول "وان یرث اخ او | وارث ہوں تو ان میں سے ہر ایک |
| اخت کلالۃ فلکلِّ واحدٍ | کے لئے سدس ہے" تو اس آیت |
| منھما السدس" فما وجہ | میں اس مختصر طرز بیان سے عدول |
| العدول الی الاَطناب المُمل | کر کے ملال پیدا کرنے والی طوالت |

فی الآیۃ؟ تعالیٰ کلامہ عن ذالک علواً کبیرا۔ — اختیار کرنے کی کیا وجہ؟ اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے بلند و ارفع ہے۔

مولانا یہ نہیں سمجھے کہ اگر اس طرح کہہ دیا جاتا تو پھر آیت النساء اور آیت الصیف میں صاف اور صریح تناقض پیدا ہو جاتا۔ وہاں کہا گیا ہے کہ کلالہ کے وارث بھائی یا بہن ہوں تو کل مال بھائی کو اور نصف مال بہن کو ملے گا وغیر ذالک اور یہاں اسی کلالہ کے وارث وہی بھائی بہن ہوں تو ہر ایک کو صرف ایک سدس۔؟

## کلالۂ مورث اور مورث کلالہ کا فرق

ایک کلالہ مورث ہو، اور ایک مورث کلالہ ہو۔ مولانا اس کے فرق کو نہیں سمجھ سکے۔ جس طرح اگلے مفسرین و فقہاء کرام نہیں سمجھ سکے، آیت الصیف میں کلالہ کے مورث ہونے کا ذکر ہے، اور یہاں مورث کے کلالہ ہونے کا بیان ہے۔ اسی لئے یہاں ان کان رجل یورث کلالۃ فرمایا گیا۔ یہ "اطناب مخل" نہیں ہے۔ بلکہ یہ معجزانہ بلاغت آفرینی ہے۔ آپ کو ملال آپ کے قصور فہم سے پیدا ہوا نہ کہ یہ اسلوب بیان نعوذ باللہ مہمل ہے۔

## مخترعات ستّہ

مولانا نے اس عقدے کا حل کہ آیت النساء و آیت الصیف دونوں جگہ کلالہ کی مورثیت اور بھائی بہن کی وراثت کا ذکر ہے۔ پھر حصے مختلف کیوں ہیں، یہ نکالا کہ یہاں بھائی بہن کی وارثیت کا بیان ہی نہیں ہے بلکہ عہدی منہ بولے وارثوں کی وراثت کا بیان ہے اور اس کے لئے اس آیت النساء میں مندرجہ ذیل نئی باتیں پیدا کیں۔ جن کا ذکر مع جواب اگرچہ پہلے کچھ مجملاً کچھ مفصلاً آچکا ہے۔ مگر مزید تفصیل مناسب نظر آئی جو حسب ذیل ہے:۔

(۱) ان کان رجل یورث میں یورث باب مجرد سے نہیں ہے بلکہ باب افعال سے مضارع مجہول ہے یعنی اورث یورث ایراثا سے ہے۔ اس کی بحث مفصل گذر چکی ہے کہ اورث کے معنے ہیں دوسرے کو اپنا وارث چھوڑ دیا۔ اسی لئے میت اپنے وارثوں کا مورث ہوتا ہے۔ وارثوں ہی کے وارث چھوڑنے کو اورث ایراثا

سے تعبیر کرتے ہیں اور کسی غیر وارث کو وارث بنالیا گیا۔ تو اس کو ورّث تو ریثاً کہتے ہیں اس لئے مولانا یورث کو باب افعال سے لے کر جو باب تفعیل والا معنی پیدا کرنا چاہتے ہیں تو وہ کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

(۲) مولانا کے نزدیک ان کان رجل یورث کللٰۃ میں کلالۃ نحوی ترکیب کے رُو سے یُورث کا مفعول واقع ہے اسی لئے مولانا اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:۔
"اگر کوئی مرد کسی کلالہ کا وارث بنایا جائے الخ" جیسے اہل عرب بولتے ہیں ملکتہ الشیٔ میں نے اس شخص کو اس چیز کا مالک بنا دیا، گویا یوں کہا۔ جعلتہ مالک الشیٔ۔ تو مولانا بھی ان کان رجل جُعل یورث کللٰۃ کی تفسیر گویا یوں فرماتے ہیں کہ ان کان رجل جعل وارث کللٰۃ

مگر افسوس کہ مولانا نے اس کا خیال نہیں فرمایا کہ اس کے لئے باب افعال نہیں ہے بلکہ تفعیل مخصوص ہے، چنانچہ عرب کا قول جو میں نے پیش کیا۔ وہاں بھی باب تفعیل ہی سے مَلّکتُہ ہے۔ افعال سے املکتہ نہیں ہے۔ اگر مولانا یہاں یورث کو یوَرّث پڑھنا شروع کر دیں۔ جب البتہ وہ یہ تاویل کر سکتے ہیں۔ اس پر بھی ہر جگہ مضاف الیہ کو مفعول دوم بنا دینا یا بالعکس جائز نہیں۔ اس لئے کہ تملیک میں ایک مملِّک اسم فاعل ہوگا۔ دوسرا مملَّک اسم مفعول ہوگا۔ تیسرا مال مملوک۔ بخلاف توریث کے کہ یہاں ایک مورِّث اسم فاعل ہوگا۔ دوسرا مورَّث اسم مفعول ہوگا۔ تیسرا مال موروث ہوگا۔ چوتھا موروث منہ ہوگا۔ اس لئے تملیک پر توریث کا قیاس صحیح نہیں۔ آپ یہاں کلالہ کو مورّث بھی مانتے ہیں اور موروث منہ بھی۔ فعل مجہول کے فاعل کو مفعول دوم بنا کر لانا اور فعل کو مالم یسم فاعلہ قرار دینا عجیب و غریب اُسلوب بیان ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب عز من قائل میں فاعل پر حرف جار لاکر جار مجرور کی ترکیب سے فعل کا متعلق بنا سکتے ہیں اور بظاہر فعل کو بلا فاعل رکھ سکتے ہیں۔ اس فعل کے معروف ہونے کے باوجود، تو یہاں اگر فعل کو مجہول قرار دے کر فاعل کو بصورت مفعول لائے تو کیا مضائقہ ہے۔

---

۱؎ مغنی اللبیب میں ایک لطیفہ نقل کیا ہے کہ تجبرولی کے کسی شاگرد نے کسی نے اس آیت میں کلالۃ کے

اس لئے عزمن قائل میں بالاتفاق حن زائدہ ہے اور فاعل مجرور ہونے کے بعد خود فاعل ہی کہا جاتا ہے کوئی شخص بھی عزیز کو فعل بلا فاعل نہیں سمجھتا اور من قائل کو جار مجرور کا مرکب بنا کر عزیز کا متعلق نہیں کہتا، اس لئے یہ قیاس مع الفارق ہے۔ فاعل پر من زائدہ لاکر اس کو بصورت مجرور جملہ میں لانا، مگر معنی فاعل ہی کے لینا اور بات ہے اور فاعل کو مفعول بنا کر فعل کو مجہول لاکر فاعل کو مضاف الیہ کے

---

اعراب کے متعلق پوچھا تو اس نے پہلے کلالۃ کے معنی پوچھے لوگوں نے بتا دیئے کہ وہ ورثہ جن میں اولاد و والدین نہ ہوں تو اس نے کہا کہ کلالۃً یہاں پر تمیز ہے جس کی توجیہ یہ لکھی ہے کہ اصل میں عبارت یوں تھی۔ وان کان رجل یورثہ کلالۃٌ فاعل حذف کر کے فعل کو مجہول لایا گیا۔ اور ضمیر مستتر بوجہ مفعول مالم یسم فاعلہ ہونے کے مرفوع ہوگئی پھر کلالہ جو فاعل تھا تمیز بن کر آ گیا۔ ابن ہشام نے اس مرحود غلط نحوی کی تغلیط کی اور لکھا کو فاعل کو جس غرض کے لئے حذف کیا گیا اور فعل کو مجہول لایا گیا جب فاعل تمیز کا بھیس بدل کر اس کے بعد آ ہی گیا۔ تو پھر فاعل کے حذف کا فائدہ کیا ہوا؟ جس غرض سے فاعل حذف کیا گیا وہ غرض ہی فوت ہوگئی۔ شارح مغنی دسوقی نے اس کی ایک تاویل کی ہے کو اجمال کے بعد تفصیل بسا اوقات زیادہ اوقع فی النفس ہوتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ صورت اختیار کی گئی ہو۔ مگر اس تاویل کی رکاکت ظاہر ہے کہ جب کوئی مضمون اہم ہوتا ہے اور ایقاع فی النفس اس کا ذرا دشوار ہوتا ہے تو بیشک ایسا عنوان بیان اختیار کیا جاتا ہے کہ پہلے ابہام و اجمال سے کام لیتے ہیں۔ پھر توضیح و تفصیل سے مگر یہاں ایک کلالہ کی وراثت میں کون سی اہمیت ہے۔ جس کو قبول کرنے سے کسی کا نفس ابا کر رہا ہے۔ جس کے لئے خواہ مخواہ صاف اور واضح ترکیب کو چھوڑ کر ایسی ٹیڑھی راہ اختیار کرنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے؛ فافہم۔ اس کے بعد بھی مغنی میں اور توجیہیں بھی حال و تمیز کی لکھی ہیں جو سب کلالہ کی مختلف تفسیران کے اعتبار سے ہیں یعنے کلالہ سے میت مراد ہے۔ کلالہ حال یا خبر ہوگا اور کسی مضاف وغیرہ کے محذوف ماننے کی ضرورت نہیں رہتی اور وارث مانئے تو کلالہ حال ہوگا یعنی ذا کلالہ یا خبر ہوگا اور یورث کو صفت مانئے یا خبر کان کو ناقصہ مانئے یا تامہ اور پھر کلالہ کو بمعنی مصدری لیجئے تو کلالہ مفعول لہ ہوگا۔ ای لاجل الاجلہاد وغیرہ ذالک لیکن یہ سب تصریحیں کلالہ کے صحیح معنی متعین نہیں کرنے کی وجہ سے ہیں۔ صحیح معنی کی تعیین کے

معنی میں لینا، اور اس ترکیب اضافی کو بظاہر دو معقولوں کے درمیان قائم کرنا یعنی معنوی حیثیت سے معقول کو مضاف اور فاعل کو مضاف الیہ سمجھنا، عجیب و غریب نحوی بھول بھلیاں ہے جس میں فتراء رہ بھی پڑے تو غریب کو راہِ فرار نہ مل سکے۔

(۳) وَلَہٗ اَخ اَو اُخت میں لہٗ کی ضمیر رجل کیطرف آپ کے نزدیک نہیں پھرتی ہے کیونکہ اسی رجل کے ساتھ او امرأۃ کا ضمیمہ بھی لگا ہوا ہے۔ اس لئے یا تو تثنیہ کی ضمیر آتی او لھما ہوتا۔ یا امرأۃ کے لئے الگ ولھا اخ او اخت ہوتا۔

اس کا مفصل جواب اوپر گذر چکا کہ رجل اور امرأۃ میں یہاں مانعۃ الجمع ہونے کی وجہ سے لھما تثنیہ کی ضمیر لانا خلاف بلاغت ہے۔ اس لئے لہٗ کی ضمیر واحد مذکر رجل ہی کیطرف پھرتی ہے۔ اور بقاعدۂ عطف جس طرح او امرأۃ کے ساتھ آپ اسی یورث صیغہ مضارع مذکر غائب مجہول کو نہیں لگاتے، بلکہ تورث صیغہ مضارع مؤنث غائب اس کے لئے الگ سے فرض کر لیتے ہیں۔ اس طرح اس وَلَہٗ اخ او اخت کو بھی اس امرأۃ کے ساتھ نہ لگائیے بلکہ ولھا اخ او اخت اس کے لئے الگ فرض کر لیجئے، عطف کا یہ نہایت متعارف اصول ہے مگر خواہ مخواہ اس لہٗ کی ضمیر کو کسی اور طرف نہ پھیریئے۔ کیونکہ یہ ضمیر کسی اور طرف پھر نہیں سکتی۔

ایک صورت اور بھی ہے جو ذرا دقیق ہے۔ اور وہی حضرات اس کو سمجھ سکتے ہیں جن کو ادب عربی کا کافی ذوق ہے۔ وہ یہ کہ یہ ضمیر بمعنی اسم اشارہ ہے۔ یعنے لہٗ بمنزلہ "لذالک" ہے۔ ای لذالک المیّت رجلاً کان او امرأۃً۔ مغنی اللبیب میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ روبۃ بن العجاج اپنا ایک قصیدہ پڑھتے ہوئے

---

[1] یعنی مورث منہ کہیئے یا مورث یا موہث جو واقعی معقول ہے اس کو مضاف قرار دیا اور کلالہ جو اگرچہ درحقیقت اپنے معنوی اعتبار سے فاعل ہے مگر صورتاً معقول تھا کہ خواہ مخواہ لیا گیا ہے اس کو مضاف الیہ بنا کر دونوں میں ترکیب اضافی کا رشتہ قائم کرنا۔

گھوڑی کی تعریف میں جب اس شعر پر پہنچا ؎

فِیْهَا خُطُوطٌ من سوادٍ وبلق　　كأنّه فى الجلد توليع البهق

تو ابو عبیدہ نے کہا کہ اگر تم ان خطوط کو تشبیہ دے رہے ہو تو کا نہا کہو اور اگر "سواد و بلق" کو تشبیہ دیتے ہو تو کا نھما کہو، یہ کا نہ کیا ہوا؟

تو رؤبہ نے کہا کہ ادرت، ذلك، ویلك" یعنے میں نے اس واحد مذکر غائب کی ضمیر سے جو کا نہ میں ہے۔ ذالک اسم اشارہ مُراد لیا ہے، افسوس ہے تیری سمجھ پر۔

مطلب یہ ہے کہ ابو عبیدہ بہت بڑے نحوی و لغوی ضرور تھے مگر بہت بڑے ادیب یا شاعر نہ تھے اس لئے انہوں نے اس شعر کو قواعد نحو کی کسوٹی پر رکھا، اصول ادب کے بلند معیار تک ان کی سمجھ نہ پہنچ سکی۔ یہ اسلئے کہ اسم اشارہ میں کافی گنجائش ہے کہ آپ اس کا مشارالیہ خطوط

---

۱؎ اس گھوڑی میں یعنے اس کے بدن پر خطوط ہیں، کچھ سیاہ، کچھ سفید، گویا اس کی جلد پر بہق کے سفید داغ ہیں۔ فههنا واوُ عطف ويغيره لايستقيم الوزن ۲؎ ولا يخفى على من له يدٌ فى علم الميزان ان ابن هشام الانصارى لم يسبر غور ما فى عن بحر من الطويل واعتمد على ما بلغه من رواة الاقاويل. فان الراوى قد صحّف فى ذالك الشعر وحمّد مَا غناهُ الناسخ ولم يختبر بما وقع من الخلل فى الافاعيل. فان كان "فعول" فَعُلها فليحل "مفاعيل"، وعلم التحريف فى الضروب من تصحيفاته، فلعطفه وقولى (فعولن) د"عيهق" فعولن) فقد قامت الاركان واستقام الميزان. ولكن ما اورده ابن هشام فهو مع ضرب المصحح عمّا فيه من الخلاجة فى هذا المقام فان السدا ايرادهُ فى كتابه لاحة ما فى بابه فافهم ولا تغفل. تمنا العمادى المجيبى الفلوارى كان ربه القوى بارى۔ ۳؎ ابو عبیدہ مشہور و معروف نحوی ہیں جو اپنے وقت میں علم نحو و لغت کے امام سمجھے جاتے تھے مگر ہر نحوی دعوی ادیب و شاعر بھی ہو، یہ کوئی ضروری نہیں۔ ایک لکھنوی مولوی صاحب نے مجھ سے کہا کہ شاد عظیم آبادی فرماتے ہیں ؎ وہ ذبح کر کے میری لاش سے، کہتے ہیں، تڑپ رہا ہے کہ منہ دیکھتا ہے میرا۔ شاد صاحب نے پہلے مصرعہ میں تو میری لاش کہا۔ مگر دوسرے مصرعہ میں، وہ دو فعل مذکر لائے "تڑپ

کے عوض وجود یا نمود خطوط کو۔ اور سواد و بلق کی جگہ وجود یا نمود سواد و بلق کو ادب کے متعارف اصول کے مطابق بنا لیں۔ بالکل اسی طرح یہاں بھی لہٗ کو لذالک قرار دیجئے اور اس کا مشار الیہ نفس میت کو سمجھئے۔ اعم اس سے کہ مرد ہو یا عورت۔ اس لئے کہ یہاں عطف تردیدی ہے اور اس کی نوعیت مانعۃ الجمع کی ہے، ایک ہی میت مرد بھی ہو اور عورت بھی۔ ناممکن ہے اس لئے تثنیہ کی ضمیر یا اسم اشارہ تو آ ہی نہیں سکتا ہے واحد آئے تو لامحالہ اس کو مذکر ہی آنا چاہیے کیونکہ فوقیت مرد ہی کو ہے۔

غرض بہر صورت یہاں لہٗ ہی صحیح ہے اور اس سے وہی رجل او امراۃ ہی مراد ہوں گے۔ اس سے کلالۃ کسی طرح بھی مراد نہیں لیا جا سکتا۔

(۴) ولہٗ کی ضمیر مولانا کے نزدیک کلالۃ کی طرف پھرتی ہے اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے کہ کلالہ یہاں کان کی خبر ہی ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں بعض مفسرین یورث کو کان کی خبر اور کلالۃ کو یورث کی ضمیر کا حال یا یورث کی تمیز قرار دیتے ہیں۔

مجھ کو اس میں کوئی عذر نہیں ہوتا اگر قاعدۂ ادب عربی کی رُو سے یہ صحیح ہوتا کیونکہ اس سے بھی میری ہی تائید ہوتی ہے۔ کلالۃ کو خبر نہ سہی۔ حال مانئے جب بھی اس سے مورث ہی سمجھا جائے گا۔ تمیز کہئے تو اگرچہ کلالۃ معنی مصدری میں ہوگا۔ مگر اس کا ممیز یورث کی ضمیر مورث منہ یعنے مورث ہی ہوگی۔ جو رجل کیطرف پھر رہی ہے اس لئے

---

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) رہی ہے اور مِنہ دیکھتا ہے: دونوں کی ضمیر اسی لاش کیطرف پھر رہی ہے۔ جو خود ان کے نزدیک بھی مؤنث ہی ہے۔ یہ عجیب طرح کی بات ہے میں نے کہا کہ آپ اصلاح فرما دیجئے اور دونوں فعلوں کو مؤنث بنا کر پڑھئے اور آپ تو لکھنوی ہیں اپنے ذوق سلیم سے پوچھئے کہ ان فعلوں کی تانیث یہاں بھلی اور صحیح معلوم ہوتی ہے یا تذکیر، تو بس وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ باوجود مولوی اور لکھنوی ہونے کے وہ زبان اردو کے ایک معمولی ادبی نکتہ کو نہ سمجھ سکے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ قولہ تعالیٰ: ان کان رجلٌ یورث کلٰلَۃً میں رجل کان کا اسم یورث خبر اور کلالۃ یورث کی ضمیر کا حال ایک ترکیب یہ کہی جاتی ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ رجل

بہر حال ولہٗ کی ضمیر رجل ہی کیطرف پھرے گی، نہ کہ کلالہ کیطرف۔ مجھ کو جو حال یا تمیز والی ترکیب سے انکار ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں کان کے اسم و خبر کا تحقق صحیح طور سے نہیں ہوتا۔ بخلاف خبر والی ترکیب کے۔ کہ رجل یورث موصوف مع صفت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کان کا اسم، یورث خبر، کلالۃً یورث کی تمیز۔ ان دونوں نحوی ترکیبوں میں رجل کو باوجود نکرہ غیر مخصصہ ہونے کے کان کا اسم یعنی مسندالیہ بنانا پڑے گا جس کی کوئی معقول وجہ نہیں بیان کی جاسکتی۔ اسی لیئے باوجود اس کے کہ ان دونوں نحوی ترکیبوں سے میرا مفہوم کافی وضاحت کے ساتھ نکلتا ہے اور بہت صاف ثابت ہوتا ہے، مگر میں کسی کمزوری کو بلا وجہ کیوں گوارا کروں؟ ۳ تیسری ترکیب یہ ہے کہ یورث رجل کی صفت ہے اور یہ رجل اپنی صفت کے ساتھ مخصص ہو کر کان کا اسم ہوا۔ اور کلالۃً کان کی خبر ہوئی۔ یہ نہایت واضح اور صاف ترکیب ہے اور اس میں کوئی نحوی کمزوری بھی پیدا نہیں۔ اسی لیے مجھ کو اسی تیسری ترکیب پر اصرار ہے کہ بس صرف یہی ترکیب یہاں صحیح ہے۔ مگر چونکہ بعض لوگوں کو مفسرین کی پہلی دونوں رایوں پر اصرار ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید میرا کوئی شدید نقصان ہے۔ اس لیئے میں ان دونوں ترکیبوں سے انکار کر رہا ہوں اور تیسری ترکیب پر مجھے اصرار ہے۔ اس لیئے میں ان کے سامنے تینوں ترکیبوں کے معانی کی مزید تشریح کیئے دیتا ہوں۔ تینوں ترکیبوں کے رو سے اس آیت کے الگ الگ ترجمہ ملاحظہ ہوں۔ (۱) اگر کوئی مرد موروث ہو درآنحالیکہ وہ کلالہ ہو، اور اس کے ایک بہن ہو الخ (۲) اگر کوئی مرد موروث ہو کلالہ کی حیثیت سے اور اس کے ایک بہن ہو۔ الخ (۳) اگر کوئی مرد جو موروث بنایا جا رہا ہے۔ کلالہ ہو اور اس کے ایک بہن ہو۔ الخ

مگر بہر حال ان تینوں ترکیبوں کے اعتبار سے یورث کے معنی موروث بنایا جائے۔ ہی صحیح ہو سکتا ہے اور یہ جبھی ہوگا کہ یورث کو باب مجرد سے لیجیئے ورنہ باب افعال سے لیتے ہیں اس کے معنے ہوں گے وارث بنایا جائے اور اس صورت میں ان تینوں ترکیبوں کے حسب ذیل ترجمے ہوں گے (۱) اگر کوئی مرد وارث بنائے جائے درآنحالیکہ وہ کلالہ ہو اور اس کے ایک بہن ہو۔ (۲) اگر کوئی مرد وارث بنائے جلئے کلالہ کی حیثیت سے اور اس کے ایک بہن ہو الخ (۳) اگر کوئی مرد جو وارث بنایا جا رہا ہے کلالہ ہو اور اس کے ایک بہن ہو الخ۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہاں وارث کے بھائی بہن کسی طرح بھی مراد نہیں ہو سکتے بہر حال موروث ہی کے بھائی بہن مراد ہو سکتے ہیں۔ اس لیئے یورث باب مجرد ہی سے یہاں پر ہے۔ باب افعال سے کبھی اتنا نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا یہ امر کہ ان تین ترکیبوں میں سے تیسری ہی ترکیب صحیح ہے اور حال و تمیز والی غلط۔ یہ اہل علم کے سمجھنے کی چیز ہے عام لوگ کم سے کم اتنا سمجھ سکتے ہیں کہ ان تینوں ترکیبوں میں سے کوئی ترکیب بھی میرے خلاف نہیں اور اہل علم میری مزید تشریح کے محتاج نہیں۔

کان کا اسم ہو اور کلالۃً اس کی خبر، یہ اس قدر واضح اور صاف ترکیب ہے۔ جس میں کسی طرح کا کھٹک نہیں۔ یہاں بھی جب کلالہ کا حمل رجل ہی پر ہے تو ولہٗ کی ضمیر بھی رجل ہی کیطرف پھرے گی۔ اگر خواہ مخواہ کلالہ ہی طرف پھیریئے۔ جب بھی مراد وہی رجل ہی ہوگا خصوصًا جب ولہ میں واؤ عطف تفسیری کے لئے ہے۔ واؤ کی جگہ اَی رکھ کر دیکھ لیجئے کہ لہٗ کی ضمیر کدھر پھرتی ہے۔

(۵) لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا کی ضمیر مولانا کے نزدیک اخ او اخت کیطرف نہیں پھرتی ہے۔ میں اس کی تصریح کرچکا ہوں کہ رجل او امرأۃ سے میّت ہی مراد ہے اور وہ یا مرد ہوگا یا عورت، ایک ہی میّت دونوں نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے میں نے کہا کہ یہاں عطف تردید مانعۃ الجمع ہے اس کیطرف ضمیر تثنیہ نہیں پھیری جاسکتی ہاں رجل او امرأۃ سے اگر عہدی یعنی منہ بولے وارث کا مراد لینا صحیح ہوتا۔ جب البتہ یہاں مانعۃ الجمع کی ترکیب نہ ہوتی اور تثنیہ کی ضمیر ان کیطرف پھر سکتی۔ مگر میں اس کو بھی ثابت کرچکا ہوں کہ رجل یورث سے عہدی وارث مراد نہیں ہوسکتے اگر یورث کلالہ کی جگہ وَرِّثَ مِن کلٰلَۃٍ یا وَرَّثَہٗ کلٰلَۃٌ ہوتا۔ جب عہدی وارث مراد ہوسکتے۔ اس لئے مولانا کی یہ اُپج بھی کسی طرح صحیح نہیں۔

(۶) مولانا فرماتے ہیں۔ اس آیت میں بھائی بہن کا حصہ مطلقًا نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ عہدی رشتہ داروں کا ہے۔ بھائی بہن کا ذکر صرف اس وجہ سے آگیا ہے کہ یہ والدین اور اولاد کیطرح عہدی رشتہ داروں کو محروم نہیں کرتے بلکہ ان کی موجودگی میں بھی وہ وارث ہوسکتے ہیں۔

یہ بات پوری طرح ثابت ہوچکی ہے کہ جب تک یورث کلالۃً کو وَرَّثَہٗ کلٰلَۃٌ مولانا نہ بنا دیں۔ اس وقت تک رجل یورث سے کبھی عہدی وارث مراد ہی نہیں لئے جاسکتے۔ تو جب عہدی وارث مراد ہی نہیں ہوسکتے تو پھر بجز بھائی بہن کے اور کسی کے حصے کا بیان یہاں قطعًا نہیں ہوسکتا۔

غرض مولانا کے ان مخترعات ستہ میں کا کوئی اختراع بھی ادب عربی کے اُصول و

قواعد پر منطبق اور قرآن مبین کے سیاق و سباق کے مطابق نہیں ہے اور ہو کیوں کر؟ قرآن مبین سے جب ایسے معنی نکالے جائیں گے جو منشاء قرآن کے خلاف ہوں۔ تو اس میں ادب عربی کی خامیاں ضرور ہوں گی اور جس مفہوم کے نکالنے کے وقت آیات قرآنیہ میں ادبی خامیاں پیدا ہونے لگیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ مفہوم یقیناً اور قطعاً غلط ہے۔ مولانا اسلم ولہٗ اَخٌ اَو اُختٌ کے جملے کو نحوی حیثیت سے حالیہ مانتے ہیں مگر معنوی اعتبار سے متصلہ قرار دے رہے ہیں یعنے از رُوئے نحو واؤ کو حالیہ مانتے ہیں اور ترجمہ کرتے ہیں ایسا جس سے واؤ متصلہ کے معنی نکلتے ہیں۔ اگر وان کان لہ اخ او اخت ہوتا۔ جب البتہ یہ مطلب لیا جا سکتا تھا کہ کلالہ کے بھائی یا بہن ہوں۔ جب بھی عہدی وارثوں کو ایک ہو تو سدس، زیادہ ہوں تو ثلث ملے گا اور یہ بھائی بہن ان عہدیوں کو محروم نہیں کر سکتے۔

یہاں تو واؤ حالیہ ہے اور مولانا کے نزدیک بھی ولہٗ اخٌ او اختٌ جملہ حالیہ ہی ہے تو اس سے تو یہ مطلب نکلے گا کہ کلالہ کے وارث یہ عہد و پیمان والے جبھی ہو سکتے ہیں کہ کلالہ کے بھائی یا بہن بھی ہو، اگر کلالہ نے کسی وراثت کا عہد و پیمان تو کیا ہے مگر اس کے بھائی یا بہن کوئی نہیں ہے تو اس عہد و پیمان وارث کو کچھ نہیں مل سکتا۔ یعنی عہدی وارثوں کی وراثت مشروط ہے۔ بھائی یا بہن کے وجود کے ساتھ، کیا مولانا اپنی قائم کردہ وراثت ارباب عہد کو مشروط بوجود اخ و اخت رہنے پر راضی ہیں؟

شاید مولانا یہ کہیں کہ ہم ولہٗ اخ او اختٌ میں واؤ کو نہ حالیہ مانتے ہیں نہ متصلہ بلکہ صرف عاطفہ مانتے ہیں۔ جب بھی میرا اعتراض علیٰ حالہ باقی ہے کہ کسی غیر رشتہ دار کی وراثت کے لئے دو باتیں ضرور ہوں گی ایک تو یہ کہ کلالہ نے اس کو اپنا وارث قرار دیا ہو، دوسری بات یہ کہ اس کلالہ کے کوئی بھائی یا بہن بھی ہو۔ یہ دونوں شرطیں پائی جائیں گی۔ جب ہی ایک غیر اقرب بذریعہ عہد و پیمان کسی کلالہ کا وارث ہو سکے گا بغیر ان دونوں شرطوں کے اس کا کوئی حصہ نہیں۔

**عہدی وارث** | مولانا نے ورثہ کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ نسبی اور سببی۔ نسبی کی

تین قسمیں (۱) اصول (۲) فروع (۳) اور اطراف یہاں تک مولانا سے کسی کو اختلاف
______ نہیں بلکہ مولانا کا یہ کوئی خاص اختراع نہیں ہے
تمام متقدمین اسی تقسیم کو اسی طور سے لکھتے آرہے ہیں۔ مولانا نے بھی متقدمین ہی کی یہ تقسیم نقل فرمائی ہے۔

نسبی کے بعد مولانا سببی وارثوں کی بھی دو قسمیں فرماتے ہیں۔(۱) عقدی یعنی ازواج اور عہدی یعنے منہ بولے وارث۔

مولانا کے سوا تمام متقدمین و متاخرین سببی وارثوں میں صرف عقدی یعنی زن و شوہی کو قرار دیتے ہیں۔ اس ساری تقسیم میں بس صرف یہی عہدی وارث مولانا کے آوردۂ خاص ہیں۔ جن کا حصہ مولانا کے نزدیک آیت الشتاء یعنے سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں بیان کیا گیا ہے۔ جس کو بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ ثابت کر چکا ہوں کہ ہرگز ہرگز وہاں بھائی بہن کے سوا اور کسی کے حصے کا بیان نہیں ہے اور عہدی وراثت وہاں کسی طرح بھی مُراد نہیں لئے جا سکتے۔

مولانا نے ان عہدی وارثوں کی وراثت پر قرآن مبین کی ایک دوسری آیت بھی پیش فرمائی ہے۔ جس سے عہدی وارثوں کی وراثت اگلے مفسرین کے نزدیک بھی ثابت ہو رہی ہے۔ مگر اگلے مفسرین کے نزدیک وہ آیت منسوخ ہے۔ مولانا چونکہ میری طرح قرآن میں وجود نسخ کے قائل نہیں ہیں۔ اسلئے اس آیت کو عہدی وارثوں کے لئے علی حالہ محکم مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب ان کا حصہ انہیں دے دینے کو فرمایا جاتا ہے۔ تو پھر آخر اُن کا حصہ معین کر دینا بھی ضروری تھا۔ اس لئے اللہ تعالٰے نے اس آیت الشتاء میں ان کا حصہ معین فرما دیا ہے وہ آیت یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| وَالَّذِينَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ | یعنے وہ لوگ جنہیں تمہارے داہنے |
| فَاٰتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ | ہاتھوں نے گرہ دے رکھا ہے ان |
| (سورہ نساء رکوع ۵ جلد ۵) | کو اُن کا حصہ دے دو۔ |

مولانا نے مفسرین کا دستور قدیم بغور ملاحظہ نہیں فرمایا ہے۔ مفسرین کے طباء

وماوٰی یعنے ابو جعفر محمد بن جریر الطبری نے سب سے پہلے اپنی تفسیر میں آیات قرآن مبین کے صحیح معانی کو عنتربود کرنے کے لئے اختلافات قرأت کی آڑ پکڑ کر اپنی طبع زاد تفسیر لکھ ماری ہیں۔ جن کے لئے خود انہوں نے اور ان جیسے وضاعین اور کذابین نے ہزاروں روایتیں اختلافات قرأت کی وضع کر کر کے رکھی تھیں۔ چنانچہ یہاں بھی تقریبًا تمام مفسرین نے ابن جریر کا اتباع کرتے ہوئے اس آیت کریمہ میں عقدت ایمانکم کو عاقدت ایمانکم لکھ کر اسی پر تفسیر کا دارومدار رکھا ہے۔ اس لئے کہ عہدیوں میں تو باہمی معاہدہ ہی ہوتا تھا جس کے لئے معاقد ہو گا نہ کہ فقط عقد۔ اور لکھ مارا کہ کوفیوں کے سوا تمام قاریوں کی قرات عاقدت ہی کی ہے اور عقدت کو مزید مشتبہ کرنے کے لئے ایک لایعنی قرات عقّدت کی بھی بنا ڈالی۔ مولانا نے اس تفسیر کو جس کی دیوار عاقدت کی بنیاد پر کھڑی کی گئی تھی۔ صحیح سمجھ کر عقّدت کے ساتھ چسپاں کرنا چاہا ہے جو کسی طرح چسپاں نہیں ہوتی اس لئے کہ عقدت باہمی معاہدہ توارث کا مفہوم نہیں پیدا کر سکتا جب تک اس کو عاقدت نہ پڑھے۔

غرض تعاقد معاہدہ میں فریقین کی صورت بالکل یکساں ہوا کرتی ہے جس طرح زید کے مرنے پر بکر زید کا وارث از روئے معاہدہ ہو گا۔ بالکل اسی طرح بکر کے مرنے پر بکر کا وارث زید ہو گا۔ اس معاہدہ کی گرہ دونوں یکساں باندھیں گے۔ بخلاف عقد نکاح کے کہ شوہر ادائے زرِمہر کا بار اپنے سر لیتا ہے۔ جس سے صرف عورت منتفع ہوتی ہے۔ نہ عورت اس بار کی زحمت میں شریک، نہ مرد اس انتفاع میں شریک جس طرح خرید و فروخت میں اگرچہ فریقین مل کر عقد بیع باندھتے ہیں۔ مگر ایک خریدار ہے تو دوسرا بائع۔ اسی طرح عقد نکاح میں ایک زرمہر ادا کر کے حق تمتع حاصل کرتا ہے دوسرا از رمہ [illegible] ہر چند ذمہ داریاں قبول کرتا ہے۔ غرض یہاں فریقین کی نوعیت بالکل یکساں نہیں ہوتی۔ اس لئے معاقدۂ نکاح عمومًا نہیں بولتے، نہ عام طور سے معاقدۂ بیع کہتے ہیں۔ بلکہ عقد نکاح اور عقد بیع بولتے ہیں۔

مولانا جس طرح قرآن مبین میں ہماری طرح ناسخ و منسوخ کے وجود کو تسلیم

فرماتے ہیں۔ یقین ہے کہ وہ اختلاف قراءت کے وجود کو بھی تسلیم نہیں فرماتے ہوں گے۔ اور کوئی دیانت دار مدبر فی القرآن غور و خوض اور روایات کی چھان بین کر لینے کے بعد کبھی اختلاف قرأت کو صحیح نہیں تسلیم کرتا۔

## عَقَدَتْ کا فاعل صاف اَیْمَانُکُمْ ہے

انکی بحث تو مفسرین کے جامد مقلدین کی اصلاح خیال کے لئے کر دیگئی ورنہ یہاں تو عقدت کا فاعل صاف ایمانکم ہے جس کے معنی داہنے ہاتھوں کے ہیں۔ جیسا کہ میں نے اس آیت کے ترجمے میں ہر جگہ لکھا ہے "یمین" کا لفظ داہنے ہاتھ کے معنی میں تمام متعارف ہے۔ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ میں آخر کیا کہتے ہیں؟ ہاں "یمین" بمعنی قسم بھی ہے۔ اِتَّخَذُوا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً قرآن میں ہے۔ مگر عہد و پیمان کے معنی میں "یمین" کا لفظ کبھی مستعمل نہیں۔ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ سے عہد و پیمان کا باندھنا کسی طرح مراد نہیں لیا جا سکتا۔

مولانا آیت اشتاء میں وان كان رجل يورث كللة وله اخ او اخت کے بعد لام یا من أم کی قراءت کے متعلق فرماتے ہیں۔ والكتابُ نظمٌ متواتر بين الدفتين لا ينغير بقول قائل الخ یعنے قرآن ایک منظم عبارت ہے جو دو جلدوں کے درمیان علےٰ سبیل التواتر چلی آرہی ہے۔ کسی قائل کا کوئی قول اس میں تغیّر و تبدّل پیدا نہیں کر سکتا۔

اسی طرح میں بھی عرض کرتا ہوں کہ دنیا میں جب سے قرآن مبین کے پڑھنے والے اور لکھنے والے وجود میں آئے۔ اس وقت سے اس وقت تک ساری دنیا اس آیت کو وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ ہی لکھ اور پڑھ رہی ہے۔ دنیا کا ایک نسخہ معتبر بھی ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جس میں عَاقَدَتْ لکھا ہوا ہو۔ اور نہ کبھی کوئی حافظ قرآن اس کو عاقدت پڑھتا ہے۔ اس لئے ابن جریر یا اس کے متبعین اور اختلافات قراءت کے پرستاروں کے مزخرفات کے ماتحت قرآن مبین اور فرقان متین میں کبھی کسی قسم کا رد و بدل قبول نہیں کیا جا سکتا۔ غرض نہ قرآن مبین

میں یہاں عاقدت کا لفظ ہے نہ عاقدت والی تفسیر اس آیت سے مراد لی جاسکتی ہے۔ اب اصل آیت پر غور فرمائیے۔ ارشاد ہے۔

## وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ والی آیت کی تفسیر اور اس پر بحث

| | |
|---|---|
| وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ[1] | اور ہم نے ہر ایک کے لئے حقدار |
| الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ | (ورثہ) بنا دیئے ہیں، اس کے ترکہ |
| وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ | میں (وہ کون کون ہیں) والدین ہیں |

[1] قولہ تعالیٰ: مِمَّا تَرَكَ ہم نے وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مِمَّا تَرَكَ کا ترجمہ کیا ہے اور ہم نے ہر شخص کے لئے اس کے ترکے میں حقدار ورثہ بنا دیئے ہیں، شاید لوگوں کو یہ ترجمہ دیکھ کر اچنبھا سا ہو اسلئے اس کی دلیل لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں تین احتمالات لکھے ہیں جن میں سے پہلا احتمال یہی ہے جس کے مطابق میں نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

اما الاوّل فهو ان قوله وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مما ترك اى وَلِكُلٍّ واحدٍ جَعَلْنَا ورثةً فى تركته ثم كانه قيل وَمن هٰؤلاء؟ فقيل هم الوالدان والاقربون۔ وعلىٰ هذا الوجه لا بعد من الوقف عند قوله مِمَّا ترك یعنی پہلی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ جو ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اور ہم نے ہر ایک کے لئے بنا دیئے ہیں ورثہ، اس کے ترکہ میں۔ پھر گویا پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں؟ تو اس کا جواب دیا گیا کہ وہ والدین اقربین ہیں۔ اور اس تفسیر پر یعنی اگر یہی تفسیر مان لی جائے تو مما ترک پر وقف کرنا ضروری ہے

(تفسیر کبیر جلد ۳ ص۳۱۳)

امام رازی رحمہ اللہ نے مما ترك میں ما کو مصدریہ قرار دے کر من کو بمعنی فی لیا ہے۔ اسی لئے مما ترک کی تفسیر فی ترکتہ فرمائی ہے جو بالکل قرین قیاس ہے۔ مغنی اللبیب میں جہاں من کے معانی کی تفصیل کی ہے۔ وہاں الثامن مرادفۃ فی بھی لکھا ہے۔ یعنی آٹھویں قسم یہ ہے کہ من، فی کا مرادف بن کر آئے۔ غرض تمام تفسیروں میں امام رازی رحمہ اللہ کی یہی تفسیر زیادہ صاف، واضح

(حاشیہ) [illegible]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور صحیح تر معلوم ہوئی اس لئے میں نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ باقی دوسری جتنی تفسیریں اور ترجمے ہیں وہ سب کے سب دُور از قیاس محذوفات اور کمزور تاویلات کے مرہون منت ہیں۔ جیسا کہ خود امام رازی رحمۃ اللہ نے باقی دو تفسیروں کے متعلق لکھا ہے:۔

مِمَّا تَرَكَ کا فاعل اگر الوَالِدَانِ وَالاَقرَبُونَ کو بنایا جائے گا۔ تو لِكُلٍّ میں جو کل ہے اس کا مضاف الیہ کون ہوگا؟ ظاہر ہے کہ لِكُلٍّ سے مُراد لِكُلِّ میت ہی یہاں ہے۔ یعنے فرمایا جاتا ہے کہ ہم نے مرنے والے کے لئے وارث قائم کرتے ہیں۔ اب اس کے بعد مِمَّا تَرَكَ الوالدان والاقربون کا جملہ کون سے معنے دے رہا ہے؟ کوئی خدا لگتی کہے! کلّ کا مضاف الیہ تَرِكة یا شَیْءٌ کو بنانا اور لِكُلِّ تركة یا لِكُلِّ شَيْءٍ تفسیر کرنا جس قدر رکیک اور مہمل تفسیر ہے۔ ظاہر ہے لکل ترکتہ مِمَّا ترك جس قدر مہمل ترکیب ہے۔ ذوق سلیم خود بتا رہا ہے۔ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ لکل شیءٍ مِمَّا ترك صحیح تفسیر ہو سکتی تھی۔ بشرطیکہ بیچ میں جعلنا موالی کا ٹکڑا حائل نہ ہوتا۔ یہ ٹکڑا جو بينهما بَرزَخٌ لَّا يَبغِيَان کی طرح لکل اور مِمَّا ترك کے درمیان واقع ہے۔ صاف بتا رہا ہے کہ کل کے مضاف الیہ کا بیان مما ترک نہیں ہے۔ اور نہ یہاں من بیانیہ ہے بلکہ مِن یہاں فی کے معنی میں ہے اور کلّ کا مضاف الیہ یہاں میت ہی ہو سکتا ہے اور مِمَّا ترك کا فاعل الوالدان والاقربون کو بنانے کے لئے جتنی تاویلیں بھی مفسرین نے کی ہیں۔ وہ سب نہایت لغو اور بالکل مہمل خلاف محاورہ عرب اور مخالف شان بلاغت قرآنیہ ہے۔

مفسرین کو اقرار کرنا پڑا ہے کہ لکل کا مضاف الیہ میت ہے اور یہی میت۔ مِمَّا ترك کا فاعل ہے اور الوالدان والاقربونَ جملہ مستانفہ ہے۔ یعنی وهمُ الوالدان والاقربونَ اب اس صحیح تفسیر کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد کوئی وجہ نہیں ہے کہ جس طرح والاقربون کا عطف الوالدان پر ہے اسی طرح وَالَّذِينَ عَقَدَتْ اَيمَانُكُمْ کا عطف والاقربون پر نہ ہو۔ اور ان مَوَالِيَ میں جس طرح اَلوَالِدَانِ وَالاَقرَبُونَ ہیں اسی طرح وَالَّذِينَ عَقَدَت اَيمَانُكُم بھی۔ سلہ والاقربون پر وقفِ مُطلق کی علامت یاران طریقت نے بالکل غلط اور بے محل بنائی ہے۔ یا تو مِمَّا ترك پر یہ علامت ہونی چاہیئے یا اَيمانكُمْ پر۔ یہاں ان دونوں جگہوں میں معانقہ ہے۔ اس لئے ترك پر ط بنا کر تین نقطے دینا چاہئیں اور پھر اَيمانكُمْ پر ط بنا کر اسی طرح

فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدًا
(سورۂ نساء)

اور قریب تر قرابت مند ہیں اور وہ ہیں جنہیں تمہارے داہنے ہاتھوں نے گرہ دے رکھا ہے تو ان حق داروں کو ان کا حصّہ دے دیا کرو۔ بیشک اللہ تعالےٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔

(ظاہر ہے کہ نسبی رشتہ والوں یعنے والدین اور اقربین کے بعد عقدی ہی رشتہ دائم ہے۔ یعنے زن و شو ہی ہر شخص کے اخص ترین وارث اور مورث دونوں ہی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہاں اَلَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ سے بجز زن یعنے بیوی کے اور کون مراد ہو سکتا ہے۔)

اس آیت میں ایک عام بات بیان فرمائی ہے کہ موالی یعنے حق دار ورثہ ہر مرنے والے کے لئے اللہ تعالےٰ نے بنا دئیے ہیں کہ بس یہی لوگ عام طور سے وارث بھی ہو سکتے ہیں اور مورث بھی جن میں والدین بھی ہیں اور اقربین نسبی بھی۔ یعنے اپنے خاص اجزاء، اور اگر اپنے خاص اجزاء نہ ہوں تو والدین کے اجزاء۔ دوسرے وہ سببی حق دار وراثت ہیں جن سے عقد نکاح باندھا گیا ہے۔ اس تصریح کے بعد حکم ہے کہ ان حقداروں کو ان کا حصّہ دے دیا کرو۔ یعنے ایسا نہ ہو کہ میّت کے والدین بوڑھے ضعیف ہوں اور اولاد قوی ہو تو اپنے باپ کا ترکہ دادا۔ دادی کو نہ لینے دیں یا والدین و اولاد قوی ہوں تو مرحوم کی بیوہ کو کچھ نہ دیں۔ ایسا نہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے

(حاشیہ صفحۂ گذشتہ) تین نقطے بنا دینا چاہیئے۔ پہلی صورت میں ترجمہ یوں ہوگا: ہم نے ہر (میت) کے لئے حقدار ورثہ بنا دئیے ہیں۔ اس کے ترکہ میں: (وہ حقدار ورثہ) والدین ہیں، اقربین ہیں اور وہ ہیں جنھیں تمہارے داہنے ہاتھوں نے گرہ دے رکھا ہے۔ دوسرے اعتبار سے ترجمہ یوں ہوگا والدین و اقربین اور وہ جنھیں تمہارے داہنے ہاتھوں نے گرہ دے رکھا ہے ان لوگوں کے ترکہ میں ہم نے حقدار ورثہ بنا دئیے ہیں۔ مگر پہلا ترجمہ زیادہ قریب صحت و قرین قیاس ہے۔

اسوا اس آیت میں اور کوئی حکم نہیں، عہدی اور منہ بولے وارثوں کا شاخسانہ محض اپنی طرف سے کھڑا کر لیا گیا ہے۔ قرآن مبین اس سے بالکل بری ہے۔

## اس آیت میں عہدی وارثوں کی مخالفت ہے

اگر عہد جاہلیت میں عہدی یعنے منہ بولے وارث بنانے کا رواج تھا تو یہ آیت در اصل اس کے تو معنے ہی یہی ہیں کہ ہم نے تو ہر شخص کے لئے وراثت کے حقدار بنا ہی دیئے ہیں۔ والدین واقربین اور ازواج۔ تم اپنی طرف سے اپنا منہ بولا وارث کیوں بناتے ہو؟ تم اپنے ان قریب ترین وارثوں کو جنہیں اللہ تعالےٰ نے تمہارے ترکے کا حقدار بنایا ہے اپنا حصہ اور اپنا حق لینے دو۔ اور کسی اجنبی کو اپنا منہ بولا وارث بنا کر ان کو محروم یا ان کے حصوں کو کم نہ کرو۔

## منہ بولے عہدی وارث بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے

ایک ایسا شخص جس کے والدین یا اقربین یا ازواج، سب یا بعض کم وبیش موجود ہیں وہ خواہ مخواہ کسی اجنبی کو اپنا وارث بنانے ہی کیوں لگا؟ اور اگر کوئی وجہ کسی کو اس بات پر مجبور کرے بھی تو وہ اس اجنبی کے حق میں بعض حصۂ مال کی وصیت کر سکتا ہے۔ معاہدۂ وراثت تو وہی دو شخص آپس میں کر سکتے ہیں۔ جن دونوں کا کوئی دوسرا وارث دنیا میں نہ ہو۔ مثلاً دو اجنبی کفار جو باہم کسی طرح کی قرابت نہیں رکھتے، مسلمان ہو جائیں اور اسلام لانے کے بعد آپس میں توارث کا معاہدہ کر لیں تو اس کو اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ط اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا اور وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا وغیرہ آیات کے ماتحت واجبُ الایفاء ماننا پڑے گا۔ اور اس معاہدے میں جو جو باتیں ہوں گی۔ حدِ شرع کے اندر ان سب کو پورا کرنا ہوگا۔ بس کا تعلق آیت معاہدہ سے ہے نہ کہ آیت توارث سے۔ عقدت ایمانکم سے عقدی وارث البتہ ثابت ہو رہا ہے نہ کہ عہدی وارث، خواہ مخواہ ذوی الفروض میں ایک نئی شاخ قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے جو اس عہدی توارث کو جائز رکھا ہے تو آیت معاہدہ کی رو سے نہ کہ آیتِ وراثت کی رو سے۔ اس لئے وہ انھیں دونوں

نومسلموں میں اس قسم کے معاہدۂ توارث کو جائز رکھتے ہیں جن کے کوئی وارث نسبی یا سببی نہ ہو۔ نہ یہ کہ وہ بھائی بہن کے ہوتے اس عہدی وارث کو چھٹا حصہ دلاتے ہیں۔

## عہدیوں کو قانونِ عہد کی رُو سے ان کا حق ملے گا، نہ کہ وراثتاً

غرض اس طرح کے عہدی وارث جن کو منہ بولا وارث کہنا اُردو محاورے کی رُو سے زیادہ مناسب ہے۔ ہرگز ہرگز ذوی الفروض ہونے کی حیثیت نہیں رکھتے اور نہ ان کا کوئی حصہ قرآن کریم نے مقرر کر دیا ہے۔ اگر ورثۂ اقربین کے ہوتے کسی مرنے والے نے کسی اجنبی غیر وارث کو کچھ حصہ مال دلوا دیا ہے تو اگر اثم و جنف کی حد تک نہیں ہے تو یقیناً اس کی وصیت پوری کی جائے گی۔ اگر اس کے کوئی وارث ہی نہیں ہے تو اس کی وصیت کی رُو سے اس کا کل مال یا جزء مال جسقدر بھی اس نے دلوایا ہے۔ دے دیا جائیگا مگر اس کا تعلق آیت وصیت و آیت عہد سے ہوگا نہ کہ آیت وراثت سے۔ کما لا یخفیٰ

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص لاولد مر جائے اور اس کے والدین بھی نہ ہوں، بھائی، بہن اور زوج ہو اور ایک اجنبی کو از رُوئے معاہدہ وہ اپنے مال کا آٹھواں حصہ دلوا گیا ہے تو کیا اسکے معاہدہ کے خلاف مولانا اسلم اس عہدی منہ بولے وارث کو آٹھویں کے عوض چھٹا حصہ دلوائیں گے؟ اور میّت کی وصیت و عہد کو توڑ دیں گے؟ اسی طرح اگر اس نے چوتھائی مال دلوا دیا ہے تو کیا اس کو کم کر دیں گے؟ اور وصیت و عہد کی مخالفت کریں گے۔

مولانا اسلم جیراجپوری کے مخترعات پر تو کافی بحث ہو چکی۔ اب ذرا متقدمین کے ارشادات کیطرف بھی توجہ کیجیئے۔ ان کا دارومدار روایات پر ہے۔ اس لئے سب سے پہلے روایات کا مطالعہ فرمائیے۔

---

لہ اثم بمعنی گناہ۔ جنف بمعنی جور، بے انصافی۔ اگر وصیت کرنیوالا ایسی بات کی وصیت کرے جو گناہ ہو تو ایسی وصیت کو بدل دینے کا حق وارثوں کو حاصل ہے۔ (دیکھئے سورۂ بقرہ ۱۸۲)۔

**روایات** تعجب اور سخت تعجب ہے کہ تفسیر ابن کثیر میں ابن جریر کے حوالے سے صرف ایک ہی روایت نقل کی ہے جس کو حضرات شیخین رضہ سے امام شعبی رحہ روایت کرتے ہیں اور امام شعبی سے عاصم احول اور ان سے سفیان ثوری ان سے ابو بشر بن عبدالاعلیٰ اور ان سے ابن جریر روایت کرتے ہیں کہ قالا[1] الکلالۃ من لا ولد لہ ولا والد۔ حالانکہ یہ روایت مرسل[2] ہونے کے علاوہ ایک ایسے مجہول الحال راوی سے مروی ہے۔ جو صرف مجہول الحال ہی نہیں بلکہ مفقود الخبر شخص ہے۔ یعنی ابو بشر بن عبدالاعلیٰ، ان کا ذکر نہ تقریب میں ہے نہ تہذیبُ الکمال میں، نہ تہذیب التہذیب میں، نہ طبقات ابن سعد میں، نہ خلاصۃ التہذیب میں، نہ میزان الاعتدال میں، نہ لسانُ المیزان میں، نہ تذکرۃُ الحفاظ میں اور نہ دولابی کی کتاب الاسماء والکنیٰ میں۔ مرسل اس لئے مَیں نے کہا کہ شعبی کی کوئی روایت حضرات شیخین رضی اللہ عنہما میں سے کسی سے بھی متصل نہیں ہوسکتی۔ شعبی کی تو ولادت ہی آخر عہد خلافت فاروقی میں ہوئی ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر نے تہذیبُ التہذیب میں وضاحت سے لکھ دیا ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ ابن جریر نے اس روایت سے پہلے انہیں عاصم احول اور شعبی سے حضرت صدیق اکبر رضہ ہی کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ الکلالۃ[3] ما خلا الولد والوالد پھر اسی روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ فلما استخلف[4] عمر رضی اللہ عنہ قال انی لاستحی من اللہ تبارک وتعالیٰ ان اخالف ابابکر فی رأیہ۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضہ کا فتویٰ بھی وہی تھا جو حضرت صدیق اکبر رضہ کا فتویٰ تھا۔

---

[1] یعنی حضرات شیخین رضہ نے کہا کلالہ وہ ہے جسکے نہ اولاد ہو نہ والد۔ [2] مرسل اس روایت کو کہتے ہیں جس کے راویوں کا سلسلہ منقطع ہو یعنے درمیان سے کوئی چھوڑ دیا گیا ہو۔ اس قسم کی روایت کو مُرسل بھی کہتے ہیں اور منقطع بھی ایسی روایتیں عموماً ضعیف سمجھی جاتی ہیں ان پر وثوق نہیں کیا جا سکتا۔ [3] یعنی حضرت صدیق اکبر رضہ نے فرمایا کہ کلالہ وہ وارث ہے جو والد و ولد کے ماسوا ہو۔ [4] یعنی حضرت فاروق اعظم رضہ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالے سے شرماتا ہوں اس امر میں کہ ابو بکر رضہ کی رائے کی مخالفت کروں۔ غرض حضرت صدیق اکبر رضہ و حضرت فاروق اعظم رضہ دونوں کا فتویٰ یہی تھا کہ کلالہ اسے کہتے ہیں جس کے والد و ولد نہ ہو۔

اور یہ روایت مشاہیر رُواۃ سے ہے۔ ان میں کوئی بھی مجہول راوی نہیں ہے۔ پھر یہی روایت دوسرے طریق سے بھی یہیں پر موجود ہے۔ اور اسی مفہوم کی تقریباً دس روایتیں ابن جریر نے جمع کر دی ہیں۔ جس کی ابتداء ہی یوں کی ہے۔

| | |
|---|---|
| اختلف اھل التاویل فی الکلالۃ۔ فقال بعضھم ھی مَا خلا الوالد والولد۔ ذکر من قال ذالک۔۔۔۔۔۔ الخ | یعنے معنی بتلانے والوں نے کلالہ کے متعلق اختلاف کیا ہے تو بعضوں نے کہا کہ کلالہ والد و ولد کے ماسوا کو کہتے ہیں جن کا یہ قول ہے انہوں نے یہ روایتیں ذکر کی ہیں۔ |

اس کے بعد ابن جریر نے یہ بھی ضرور لکھا ہے کہ اور بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ الکلالۃ من لاّ ویرثہ والد ولا ولد وکل من لاولد لہ ولا والد یعنے کلالہ وہ شخص ہے جس کے والد و ولد نہ ہوں اور ہر وہ شخص جس کے نہ ولد ہو نہ والد۔

پھر اس قول والوں کے پاس جو روایتیں ہیں ان کو بھی ابن جریر نے لکھ دیا ہے مگر یہ روایتیں پہلے قول والوں کی روایتوں سے از رُوئے جرح و تعدیل رُواۃ ضرور کمزور ہیں۔ دوسری بات یہ بھی غور طلب ہے کہ یہاں دو اقوال مذکور ہیں۔ پہلا قول مَن لاّ یرثہ والد ولا ولد۔ دوسرا قول: کلّ من لاولد لہ ولا والد۔

ان میں سے کسی کو بھی کوئی بالکل غلط نہیں کہتا، کیونکہ یہ بھی کلالہ کی ایک قسم ہو سکتی ہے۔ یہاں سوال اس میں انحصار کا ہے۔ اگر اسی مفہوم میں کلالہ کو منحصر سمجھا جاتا ہے جب یہ ضرور غلط ہے۔ ورنہ کلالہ کی ایک قسم یہ بھی ہے۔ من لاولد لہٗ ولا والد یعنے جس کے نہ اولاد ہوں نہ والدین

## اصل مبنائے اختلاف

اصل مبنائے اختلاف تو یہ ہے کہ اگر میت کے والد یا والدین زندہ ہیں۔ تو پھر بھائی بہن اس کے وارث کلالتًہ ہو سکیں گے یا نہیں؟ جو شخص مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہوں اور نہ والدین تو اس کی وراثت تو بالاتفاق کلالتًہ ہوگی۔ بشرطیکہ بھائی بہن ہی وارث ہوں

اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں، یہی بنائے اختلاف سمجھنے کی چیز اور تحقیق و تمحیص کا اصل مرکز ہے۔ بعض لوگ اس بنائے اختلاف کو نہیں سمجھتے اور دونوں قول کو ایک قرار دیتے ہیں۔

## حکم بن عتبہ کا قول۔ الکلالہ ما دُونَ الاب

پھر ابن جریر لکھتے ہیں کہ وقالَ الآخرونَ الکلالۃ ما خلا الولد یعنے اور دوسروں نے کہا ہے کہ کلالہ وہ وارث ہے جو اولاد کے ماسوا ہو۔ اس قول کے ثبوت میں لکھتے ہیں کہ عن شعبۃ قال سألتُ الحکمَ عَن الکلالۃ قال ھو ما دُونَ الأَب یعنے شعبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حکم بن عتیبہ سے کلالہ کے متعلق پوچھا۔ تو حکم نے کہا کہ کلالہ ماسوائے پدر کو کہتے ہیں۔

یہاں ناظرین کو حیرت ہو گی کہ دعویٰ تو یہ کیا گیا کہ کلالہ ماسوائے ولد کو کہتے ہیں اور دلیل میں حکم کے قول کو پیش کرتے ہیں کہ کلالہ ماسوائے اَب ہے۔ یہ کیا؟ اصل یہ ہے کہ کلالہ کے لئے لاولد ہونا تو سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ جس طرح کلالہ کو بے ولد ہونا ضروری ہے کیا اسی طرح بے والد ہونا بھی ضروری ہے؟ ایک جماعت بے والد ہونا بھی ضروری کہتی ہے۔ دوسری جماعت بے والد ہونا ضروری نہیں کہتی مگر دونوں کے نزدیک وارث غیر والد و ولد ہی نسبی قرابت کی وجہ سے ہوں گے۔ جب ہی وہ وارث کلالہ ہوں گے یا ان کی وراثت کلالتاً کہی جائے گی تو جن کا قول الکلالۃ ما خلا الولد ہے۔ یہاں ان کی مُراد یہ ہے کہ کلالہ کے لئے صرف اولاد کا نہ ہونا ضروری ہے اور ماسوائے اولاد موجود ہو سکتے ہیں اور وارث بھی ہو سکتے ہیں اور حکم نے جو ما دُون الأَب کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کلالہ لاولد تو ہو گا ہی۔ مگر اس کے ورثہ نسبی حیثیت سے والدین اور غیر والدین سب ہو سکتے ہیں۔ تو ما دُون الأَب یعنی ماں باپ کے سوا، جو وارث بھی نسبی قرابت کے اعتبار سے ایک لاولد میّت کے ہوں وہ کلالہ ہوں گے۔

## وَالد واَبْ میں ماں بھی داخل ہے

اسی اعتبار سے جن کا قول الکلٰلۃ مَا خلا الوَلد تھا۔ انہوں نے
حکم کے اس قول کو اپنے دعوٰی کے ثبوت میں پیش کیا ورنہ ما دون الأب کے عموم میں تو اولادُ
بھی آجائے گی، تو کیا اولاد کو بھی حکم کلالہ سمجھتے تھے ؟ اور میں نے جو الأب کے ترجمہ میں باپ کے
ساتھ ماں کو بھی داخل کر لیا، اس لئے کہ "والد" اور "اب" کا لفظ دونوں کو شامل ہے۔
اسی لئے "والدین" اور "ابوین" بولتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَوَرِثَہٗ اَبَوَاہُ یعنے
میت کے وارث اس کے دونوں اَب ہوں تو ماں ضرور یہاں شامل ہوگی اور ظاہر ہے
کہ ماں کی وراثت ہرگز کلالۃً نہیں ہوتی۔ ورنہ ماں کو یا اس کی وراثت کو بھی کلالہ کہنا ہوگا
جو کوئی بھی نہیں کہتا اسی طرح "ولد" کے لفظ میں بھی "بیٹے" کے ساتھ "بیٹی" ضرور داخل
ہے۔

اِنِ امْرُؤٌ ھَلَكَ لیس لَہٗ وَلَدٌ کے یہی معنی ہیں کہ میت کے نہ بیٹا ہو نہ بیٹی ہو
اس لئے جہاں جہاں مَا خَلَا الوَلِد کا لفظ ہے وہاں "ولد" سے بیٹا بیٹی" دونوں
مراد ہوں گے۔ جس طرح قولہٗ تعالےٰ وَلِاَبَوَیْهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا
تَرَكَ اِنْ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ میں لفظ ولد سے بیٹا بیٹی دونوں مراد ہیں۔ یعنے میت کے
بیٹا ہو یا بیٹی اور ماں باپ بھی ہوں تو ماں باپ کو ایک ایک سدس ملتا ہے۔ یہاں
ولد میں بیٹا بیٹی دونوں بالاتفاق داخل ہیں۔

## ابن کثیر رحمۃ اللہ نے ابن جریر سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا اس میں بھی اپنی طرف سے اضافہ کرکے

پھر ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباس رض کا ایک قول بھی نقل کیا ہے۔ مختصراً
ترجمہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمر رض کو یہ کہتے سنا کہ کلالہ وہ ہے جس کے
کوئی ولد نہ ہو۔ ابن کثیر نے اس روایت کو بھی نقل تو کیا ہے مگر من لا ولد لہ" کے بعد

دلاوالد کا فقرہ اپنی طرف سے اضافہ کرکے۔ حالانکہ یہیں پر ابن جریر نے ابن عباسؓ کا ایک فتویٰ بھی نقل کر دیا ہے۔ ابن جریر لکھتے ہیں (ترجمہ ملاحظہ ہو):-

(دوسروں نے کہا کہ ولد کے سوا جو بھی ہو وہ کلالہ ہے اور یہ قول ہے ابن عباس کا، جس کو میں نے بروایت طاؤس نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضؓ نے اخیافی بھائی بہن کو میت کے ماں باپ کے ہوتے سدس دلوایا۔" (ترجمہ قول ابن جریر ختم ہوا)

مگر اس روایت سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ اگر عینی یا علاتی بھائی بہن ہوتے تو حضرت ابن عباس رضؓ میت کے ماں باپ کے ہوتے ان کو سُدس نہ دلواتے، چونکہ اخیافی ہی تھی اس لئے انہیں کو دلوا دیا۔ اگر عینی و علاتی و اخیافی سب ہوتے تو ابن عباسؓ صرف عینی ہی کو سدس دلواتے اور علاتی و اخیافی کو محروم ہی قرار دیتے۔ اگر عینی نہ ہوتے تو علاتی ہی کو دلواتے۔ اخیافی کو محروم قرار دیتے۔ چونکہ اخیافی ہی تھے اس لئے صرف اخیافی ہی کو سدس دلوا دیا۔ کیونکہ وہ الاقرب فالاقرب کے اصول کو جانتے تھے اور ظاہر ہے کہ یکطرفہ قرابت سے دوطرفہ قرابت اقرب و اقویٰ ہے۔ اسی طرح باپ کی طرف والی قرابت، ماں کی طرف والی قرابت سے اقرب و اقویٰ ہے۔ غرض ان تمام اقوال میں یہ قول کہ کلالہ صرف وہی ہے جس کے نہ والد ہو نہ ولد۔ یا جس کا وارث نہ والد ہو نہ ولد، بالکل بے اصل اور سرے سے غلط فہمی پر مبنی ہے، اس کے ثبوت میں کوئی حدیث مرفوع یعنے خاص رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا قول تو ہے ہی نہیں، متأخرین کے، وہ بھی ضعیف اقوال کے سوا کچھ پیش نہیں کئے جا سکتے۔ مگر اس کا کیا جواب ہے کہ ایک ہزار سال سے تمام فقہاء و علماء کرام نے اسی قول ضعیف و مخالف قرآن کو صحیح مان لیا ہے اور باقی اقوال جو قرآن کے مطابق ہیں۔ ان سے بالکل چشم پوشی

---

لہ سیدالسند حاشیہ کشاف پر لکھتے ہیں۔ ومذهب ابن عباس رضؓ ان الاخوة یاخذون السدس الذی حجبوا الام عنه مع وجود الأب یعنے ابن عباس رضؓ کا مذہب ہے کہ اخوہ وہ سدس خود لے لیں گے جس سے انہوں نے ماں کو محجوب کیا ہے باوجود باپ کی موجودگی کے۔ (کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۵۲ حاشیہ در آخر صفحہ)

کر لی ہے، یہاں تک کہ ان کے وجود سے بھی انکار ہے۔ قرآن مبین نے آخر سورۃ نساء میں قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِى الۡكَلٰلَةِ‌ ؕ اِنِ امۡرُؤٌا هَلَكَ لَيۡسَ لَهٗ وَلَدٌ الخ یعنے کہہ دو! اے رسول کہ اللہ تعالےٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوٰی دیتا ہے کہ ایک شخص مر گیا جس کے کوئی ولد نہیں ہے۔ الخ

یہاں پر کلالہ کی تعریف خاص کر کے صرف اسی لئے بتا دی کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ کلالہ صرف میّت لاولد ہی کو کہتے ہیں۔ لاوالد ہونا اس کے لئے ضروری نہیں۔ یہاں یہ اسلئے بتا دیا کہ اس آیت میں جو صورت مسئلہ سامنے ہے وہ ایسی ہے کہ میّت کے نہ ماں باپ ہیں نہ اولاد۔ صرف بھائی بہن ہیں اور کوئی بھی نہیں، حتیٰ کہ زوج یا زوجہ بھی نہیں۔ اس لئے ہو سکتا تھا کہ اس آیت کے عنوانِ بیان سے یہ سمجھ لیا جائے کہ کلالہ وہ ہے جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ اولاد، اور نہ زوج نہ زوجہ، اس لئے کلالہ کی صحیح تعریف پہلے بیان کر دینا ضروری تھا۔ چنانچہ بتا دیا کہ کلالہ وہ ہے جو لاولد مر ے اور اس کے بھائی بہن بھی ہوں، اعم اس سے کہ ماں باپ دونوں یا ایک ہوں یا نہ ہوں۔ زوج یا زوجہ ہو یا نہ ہو۔

## آیتُ الشّتاء و آیتُ الصّیف

آیتُ الشتاء میں کلالہ کا جو ذکر آیا ہے تو وہاں بھی بھائی بہن کی وراثت کا ذکر موجود ہے مگر وہاں والدین کے ہوتے ان کی وراثت کا ذکر ہے، اور یہاں یعنے آیت الصّیف میں والدین کے نہ ہونے کی حالت میں جب بھائی بہن وارث ہوں، اس کا ذکر ہے۔ اس لئے والدین کا ہونا یا نہ ہونا محض اتفاقی امر ہے۔ کلالہ کی تعریف میں داخل نہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ مفسّرین اور فقہا نے اس قرآنی تعریف پر مطلق غور نہیں فرمایا۔ اور اہلِ عجم کی افترائی روایتوں میں الجھ کر خواہ مخواہ کہیں اخوۃ کو عینی و علاتی قرار دیا۔ اور کہیں اخیافی۔ اہل لغت نے بھی انہیں روایتوں اور انہیں مفسرین و

---

لہ سورہ نساء کے رکوع ۲ میں جو کلالہ کا مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت موسم سرما میں اتری تھی۔ اسی لئے اس کو آیت الشتاء یعنے موسم سرما والی آیت کہتے ہیں اور آخر سورۂ نساء (بقیہ)

فقہاء کرام کے اقوالِ مختلفہ کو جمع کر دیا مگر افسوس ہے کہ کوئی بھی قرآن کریم کی اس تصریح کو نہیں لکھتا ہے۔ یہاں تک کہ ابن جریر ان لوگوں کا قول نقل کرتے ہوئے جو یہ کہتے ہیں کہ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے صرف اولاد نہ ہوں تو فقط روایات اور اقوال ہی نقل کرتے ہیں۔ قرآن کی اس آیت سے نہ خود اس قول کی صحت پہ استناد کرتے ہیں نہ کسی کا ذکر کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اس قول کی سند میں اس آیت کو پیش کیا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مبین کی اس تصریح کیطرف کسی کی نگاہ ہی نہ تھی۔ فاعتبروا یا اُولی الابصار

## ابن کثیر رح کی بے باکانہ جسارت ادعاء

ان تمام تصریحات کو سن لینے کے بعد اب آپ ابن کثیر کی دلیری ملاحظہ فرمایئے کہ وہ اس آیت کی تفسیر میں کس بے باکی کے ساتھ یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| الکلالۃ من لاّ ولَدَ له ولا والد | یعنے کلالہ وہ ہے جس کے نہ ولد ہو نہ |
| وھٰکذ قال علی وابن مسعود | والد۔ ایسا ہی کہا ہے حضرت علیؓ اور |
| وصحّ عن غیرواحدٍ عن ابن | ابن مسعودؓ نے اور یہی قول ابن عباس |
| عباس وزید بن ثابت وبه یقولُ | کا بھی ایک سے سوا راویوں سے ثابت |
| الشعبی والنخعی والحسن و | ہے، اور زید بن ثابت کا قول بھی۔ |
| قتادہ وجابر بن زید والحکم | اور یہی کہا ہے شعبی اور نخعی اور حسن |
| وبه یقول اھل المدینۃ واَھل | اور قتادہ اور جابر بن زید اور حکم نے |
| الکوفۃ والبصرۃ وھوقولُ | اور یہی کہتے ہیں۔ اہلِ مدینہ اور اہلِ بصرہ |
| الفقھاء السبعۃ والائمۃ | اور یہی فقہاء سبعہ اور ائمہ اربعہ اور |

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) میں جو کلالہ کا فتویٰ آیا ہے اس کے متعلق تاریخ القرآن کے ماہرین کا عقیدہ ہے کہ یہ آیت موسم گرما میں اُتری تھی۔ اس لئے اس آیت کو آیت الصیف یعنے موسم گرما والی آیت کہتے ہیں ولا مناقشۃ فی الاصطلاح یعنی مصطلحات میں جھگڑا کیوں کیا جائے۔ اسی لئے میں نے بھی وہی مان لیا ہے لہٰ کلالہ کی صحیح تعریف اور اس کی تقسیم کلالۂ کامل وکلالۂ ناقص اور اس کی وجہ کہ کلالۂ کامل کا بیان آیت الشتاء میں کیوں نہیں کیا گیا۔ اور چند ماہ کے بعد موسم گرما میں وہ بھی لوگوں کے استفتاء کے بعد کیوں بتایا گیا؟

| | |
|---|---|
| الاية وجمهور السلف والخلف | جمہور سلف وخلف بلکہ سب کے سب |
| بل جميعهم وقد حكى الإجماع | کا قول ہے اور ایک کے سوا اشخاص |
| عليه غير واحد وورد فيه | نے اس پر اجماع بیان کیا ہے اور اس |
| حديث مرفوع | بارے میں حدیث مرفوع بھی وارد ہے |

یہاں تک لکھنے کے بعد ابن کثیر رح آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔ ابن عباس رض کے دونوں قول نقل کرکے یعنے یہ بھی کہ :۔

"کلالہ وہ ہے جس کے نہ والد ہو نہ ولد" اور یہ بھی کہ "کلالہ وہ ہے جس کے صرف ولد نہ ہو"

یہ لکھ کر لکھتے ہیں :۔

والصحيح الاول ولعل الراوى ما فهم عنه ما أراد " یعنے صحیح پہلا ہی قول ہے اور غالباً راوی نے ان کی مراد سمجھی ہی نہیں "

اس کے بعد آیت کی تفسیر لکھتے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| فقوله تعالىٰ: وَلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ | یعنے اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ "اور |
| أى من أم كما هو في قراءة | اس میت کے بھائی ہو یا بہن ہو" |
| بعض السلف منهم سعد | اس سے مراد وہ بھائی بہن ہیں، جو |
| ابن ابی وقاص وكذا فسره | ماں کیطرف سے (یعنی اخیافی ہیں) |
| ابوبكر الصديق فيما رواه | جیسا کہ سلف میں سے بعض کی قراءت |
| قتادة عنه | میں یہاں پر "من ام" کا لفظ ہے |
| | انہیں سلف میں سے حضرت سعد |

بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور اسی طرح اس عبارت قرآنی کی تفسیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی کی ہے۔ اس روایت میں جو قتادہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کی ہے "

ابن کثیر نے جو بلا دلیل باتتے دعوے غیر معمولی جسارت کے ساتھ کر دیئے ہیں سراسر بالکل واقعیت کے خلاف ہیں۔ میں حیران ہوں کہ ان کے متعلق کیا لکھوں، بہتر ہے کہ میں ابن کثیر کے ہر ہر قول کا تجزیہ کر کے اس کے ہر ہر جزو کی تنقید خود قارئین کے سامنے پیش کر دوں کہ اہل انصاف خود فیصلہ کریں۔

## ابنِ کثیر کے ہر دعوٰی کی مفصّل تردید

ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ کلالہ کے معنے بس صرف یہی ہیں کہ جس کے نہ والد ہو نہ ولد اور یہی قول سب کا ہے۔ سلف سے لے کر خلف تک سب کا اور اسی پر اجماع ہے، حالانکہ یہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ میں ابن جریر کی عبارت پیش کر چکا ہوں کہ کلالہ کی تعریف کے متعلق لوگوں کا اختلاف رہا ہے۔ جن میں ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ کلالہ وہ وارث ہے جو والد و ولد کے سوا ہو۔ اس قول کی سند میں دس روایتیں ابن جریر نے پیش کی ہیں اور یہ روایتیں نسبتاً اس قول کے مطابق روایتوں سے زیادہ قوی ہیں، جن کو ابن کثیر نے پیش کیا ہے۔

## دو مختلف اقوال کو ایک سمجھنا سخت دھوکا ہے۔

**نوٹ:** یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ بعض کم فہم یا غیر متفکّر حضرات نے ان دونوں اقوال کو ایک قرار دے دیا ہے اور اسی لئے وہ سمجھتے ہیں کہ سب ایک ہی بات بول رہے ہیں۔ بخوبی ممکن ہے کہ ابن کثیر بھی اسی دھوکے میں پڑ گئے ہوں۔ حالانکہ مَن لَّا ولد لہ ولا والد (جس کے نہ ولد ہو نہ والد) اور ما خلا الوالد والولد (والد و ولد کے سوا) میں بہت واضح فرق ہے۔ پہلی تعریف کی رُو سے کلالہ سے مرنے والا مورِث عنہ مراد ہوتا ہے اور اس تعریف کی رُو سے ضروری ہے کہ مورِث عنہ کے ماں باپ کوئی بھی زندہ نہ ہوں جس طرح کوئی اولاد نہ ہو۔

اور دوسری تعریف کی رُو سے کلالہ کا لفظ وارث پر صادق آتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہوتا کہ مورِث عنہ کے ماں باپ زندہ نہ ہوں۔ بلکہ ماں باپ کی زندگی میں بھی اگر کوئی شخص نسبی قرابت کی وجہ سے وارث ہو جائے تو وہ وارث کلالہ ہوگا۔

اور وہ ... بھائی ہی ہو سکتے ہیں

اس لئے مَن ... لہ ولہ وَلَا وَلَد اور ما خلا الوالد والولد دونوں کو

کو ایک ہی سمجھ کر لکھ دیا کہ سب ایک ہی بات کہہ رہے ہیں اور اسی قول پر سارے جہاں کا اجماع ہے وغیر ذالک۔

اور اسی طرح کا دھوکا اہلِ لغت کو بھی ہوا۔ یہ مغالطہ قارئین کو خوب یاد رہنا چاہیئے اسی لیئے یہاں میں نے دوبارہ یاد دہانی کر دی۔

## ابنِ کثیر کی مفروضہ مرفوع حدیث

تعجب ہے کہ ابن کثیر نے جو یہ لکھا ہے کہ اسی قول کے مطابق حدیث مرفوع بھی وارد ہوئی ہے تو پھر اس حدیث مرفوع کو ذکر کیوں نہ کیا؟ صحاح میں تو ایک حدیث بھی اس کے متعلق نہیں مل سکتی۔ غیر صحاح میں بھی تو میں یہی سمجھتا ہوں۔ کہ ایک حدیث بھی جو مرفوع ہو، ابن کثیر کے موافق نہیں مل سکتی ہے۔ لے دے کر غیر مرفوع، مراسیل میں بقول صاحب دُرِّ منثور ابُو داؤد نے ابو وائلہ سے ایک روایت پیش کی ہے جس کو درِّ منثور میں تفسیر عبد بن حمید سے بھی نقل کیا ہے۔ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَہٗ عَنِ الْکَلَالَۃِ فَقَالَ اَمَا سَمِعْتَ الْاٰیَۃَ الَّتِیْ اُنْزِلَتْ فِی الصَّیْفِ "قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ" مَنْ لَّمْ یَتْرُكْ وَلَدًا اَوْلَا وَالِدًا فَوَرَثَتُہٗ کَلٰلَۃً مگر اس روایت کی لغویت اسی سے ظاہر ہے کہ جب رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے آیت الصّیف کا حوالہ دیا۔ پھر پوری آیت کیوں نہ پڑھ دی۔ قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ تک پڑھ کر کیوں رہ گئے؟ اس کے بعد تو اس آیت میں خود ہی کلالہ کی تفسیر موجود ہے کہ اِنِ امْرُؤٌ ھَلَكَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ الخ یعنے ایک شخص مر گیا اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ الخ تو پھر اس قرآنی تفسیر چھوڑ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک نئی تفسیر اپنی طرف سے کیوں فرما دی۔ پھر ابو داؤد کی یہ مرسل روایت ہے۔ مرفوع نہیں۔ اس لیئے قابلِ وثوق بھی نہیں۔

غالبًا ابن کثیر والی وہ مرفوع روایت بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کا مصداق بن کر دنیا سے مرفوعًا الی السماء ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ابو داؤد کے اس باب کی آخری روایت میں یہ فقرہ حدیث میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ راوی کا قول ہے۔ چنانچہ ابو داود کی پوری حدیث

یوں ہے :-

| | |
|---|---|
| حدثنا منصور بن ابی مزاحم | یعنی ابوداؤد منصور بن ابی مزاحم سے، وہ |
| نا ابو بکر عن ابی اسحٰق عن | ابوبکر بن عیاش سے، وہ ابو اسحٰق السبیعی |
| البراء بن عازب قال جاء رجل | سے، وہ حضرت براء بن عازبؓ سے |
| الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم | روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ |
| فقال یا رسول اللہ یستفتونک | صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے |
| فی الکلالۃ قال ما الکلالۃ | لگا کہ یا رسول اللہ! لوگ آپ سے کلالہ کے |
| قال تجزئک آیۃ الصیف قلت | بارے میں فتوٰی پوچھتے ہیں تو کلالہ کس |
| لابی اسحٰق ھو من مات لم | کو کہتے ہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم |
| یدع ولدا ولا والدا قال کذالک | نے فرمایا کہ تمہارے لئے آیت الصیف |
| | (آخر سورۂ نساء والی آیت یعنی اِنِ |
| | امْرُؤٌ ھَلَکَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ الخ ایک |

شخص مر گیا اور اسکے کوئی اولاد نہیں ہے) کافی ہے (یہاں تک اصل حدیث ختم ہو گئی۔ اسکے بعد ابوبکر بن عیاش رحؔ نے کہا کہ) میں نے ابواسحٰق السبیعی سے پوچھا کہ وہ (یعنی کلالہ تو) وہ شخص ہے جو مر گیا اور نہ اس نے ولد چھوڑا نہ والد تو ابواسحٰق نے کہا کہ ایسا ہی ہے :

تو کلالہ کے یہ معنی کہ جس مرنے والے کے نہ ولد ہو نہ والد، یہ تو ابو اسحٰق السبیعی کا قول ہے، حدیث کا ٹکڑا کہاں ہے؟ اور ابوداؤد نے تو باب ہی باندھا ہے۔ من کان لیس لہ ولد ولہ اخوات اور اس سے پہلے باب فی الکلالہ ہے۔ غرض ابوداؤد کی کسی روایت میں بھی حدیث کے اندر یہ تصریح نہیں ہے کہ کلالہ کے لئے ولد کیطرح والد کا نہ ہونا بھی ضروری ہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ ابو اسحٰق السبیعی شیعہ تھے اور ایسے ایسے لوگوں سے روایت کیا کرتے تھے، جن سے کبھی کسی دوسرے نے کوئی روایت نہیں کی۔ بلکہ بعض غیر صحابی کو صحابی تک قرار دے کر اس سے مرفوع روایت کرنے میں ان کو کچھ باک

ابو اسحاق السبیعی شیعہ تھے

نہ ہوتا تھا۔ اور شیعہ راویوں کا تفسیری روایتوں میں جو دستور رہا ہے۔ اس کو اگر جاننا ہو، تو میری کتاب اسفار المثورین فی تراجم المفسرین کی اشاعت کا انتظار فرمائیے۔

صاحب دُرِّ منثور نے ایک روایت اور بھی پیش کی ہے۔ واخرج ابو الشیخ عن البراء قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الکلالۃ قال ما خلا الوالد والولد یہ روایت کوئی نئی روایت نہیں۔ یہ وہی ابو داؤد والی روایت ہے جس کو تفسیر عبد بن حمید سے صاحب دُرِّ منثور نے نقل کیا ہے۔ اس لئے یہاں بھی وہی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ قرآن مبین کے بالکل مطابق ہے اور اس میں وہ ابو اسحٰق السبیعی الشیعی کا وہ تفسیری اضافہ نہیں ہے جس کو ابو داؤد نے توضاحت کے ساتھ حدیث کی تفسیر ہی کے طور پر لکھا۔ مگر عبد بن حمید اور ان کے متبع صاحب دُرِّ منثور کی تصحیح کر دی۔ غرض حضرت براء بن عازب رض والی جو روایت ہے، وہ چاہے مرفوع ہو یا مرسل، جو بھی ہو ابن کثیر کے موافق نہیں ہے بلکہ مخالف ہے اس لئے کہ ما خلا الوالد والولد سے اسی قدر کلالہ کے معنی معلوم ہوئے کہ والدین واولاد کے سوا جو لوگ وارث ہوں وہ کلالہ ہیں۔ یہ کبھی اس حدیث سے نہیں نکلتا کہ جس مورث کے نہ والدین زندہ ہوں نہ اولاد ہوں وہ کلالہ ہے۔ ما خلا الوالد والولد جو مَا (موصولہ) ہے۔ اس سے وارث مراد ہیں۔ یا اگر "ما خلا" کو ایک لفظ قرار دیجیئے تو یہ وارث کی صفت ہے۔ اور من لم یکن لہ ولد ولا والد میں جو مَن موصولہ ہے اس سے مورث عنہ مراد ہے، دونوں کو ایک قرار دینا انتہائی عدم تدبر کی دلیل ہے۔ غرض جو روایتِ خاص نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے وہ ابن کثیر کے خلاف ہے، ہرگز موافق نہیں۔

ابن کثیر کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول وفتوٰی ان کے موافق ہے اور جو ایک قول ان کے خلاف ہے وہ ان کے نزدیک راوی کی نافہمی کی وجہ سے اس طرح روایت ہو گیا ہے۔

درمنثور اور تفسیر عبد بن حمید نے اس روایت کو ابوالشیخ نے جزو حدیث قرار دیکر نقل کیا۔

حالانکہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے ان کے خلاف روایتیں[1] ہیں۔ جن کو میں آگے لکھتا ہوں اور جو روایت ان کے نزدیک راوی کے عدم فہم سے ان کے خلاف مروی ہوگئی ہے۔ اس میں خود انہیں کا عدم فہم کام کر رہا ہے چونکہ یہ مَا خلا الوالد والولد اور من لا والد له ولا ولد دونوں کے فرق کو نہیں سمجھ رہے ہیں اور خواہ مخواہ دونوں کو ایک کر کے دونوں طرح کے اقوال کو اپنے موافق ہی سمجھ رہے ہیں۔ اس لئے جس نے صرف من لا ولد له لکھ دیا۔ یا کہہ دیا۔ بس اسی کو یہ اپنے خلاف سمجھ کر اس کی تردید کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ جس طرح الکلٰلۃ من لا ولد له ان کے خلاف ہے۔ بالکل اسی طرح الکلالۃ ما خلا الوالد والولد ان کے خلاف ہے۔ دونوں قول میں فرق صرف اسی قدر ہے۔ الکلالۃ من لا ولد له میں کلالہ مورث لاولد کو قرار دیا گیا ہے۔ اعم اس سے کہ اس کے والدین موجود ہوں یا نہ ہوں۔ اور الکلالۃ ما خلا الوالد والولد میں کلالہ وارث کو کہا گیا ہے اعم اس سے کہ مورث کے والدین زندہ ہوں یا نہ ہوں۔ وجود والدین و عدم وجود والدین کی شرط ان دو میں سے کسی قول میں بھی نہیں ہے۔ اچھا تو اب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:۔

## ابن عباس رض کے اقوال

قال ابن جریر حدثنا محمد بن بشار قال ثنا مؤمل قال ثنا سفیان عن عمرو بن دینار عن الحسن بن محمد بن حنفیۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال الکَلالۃ مَا خَلَا الوَالِد وَالوَلد۔ حدثنا ابن بشار وابن وکیع کلاھما قال ثنا عبدالرحمن قال ثنا اسرائیل عن ابی اسحٰق عن سلیم بن عبد عن ابن عباس رض بمثلہ پھر سلیم بن عبد السلولی سے ابن عباس رض کا یہی قول نقل کیا ہے بطریق آخر ابن وکیع ہی سے۔

---

[1] تفسیر کبیر صفحہ ۲۳۷ میں ہے۔ قال ابن عباس رض الاخوۃ یاخذان السدس الذی حجبوا الام عنہ۔ یعنے ابن عباس رض کے نزدیک بھائی بہن ماں کے حصے میں ایک سدس کم کر کے خود لے لیں گے اور باپ ماں ان کے حاجب نہ ہوں گے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک آیۃ النساء کے وہی معنے ہیں جو میں عرض کر رہا ہوں۔

اور حکم بن عتیبہ کا قول بھی سن لیجئے قال ابن جریر حدثنی محمد بن المثنیٰ قال ثنا محمد بن جعفر عن شعبۃ عن الحکم قال فی الکللۃ مادون الولد والوالد۔

اور خلفائے راشدینؓ کے متعلق بھی سن لیجیے۔ وہی ابن جریر شعبی سے حضرت صدیق اکبرؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ الکلالۃ ما خلا الوالد والولد اور دوسرے طریق سے الکلالۃ ما دون الوالد والولد

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول، قال ابن جریر حدثنا ابن وکیع قال ثنا ابی عن عمران بن حدیر عن السمیط قال کان عمر رجلا ایسر۔ فخرج یومًا وھو یقول بیدہ درۃ ھٰکذا ایدیرھا الا انہ قال اتی علیّ حین ولست ادری ما الکلالۃ۔ الا وانّ الکلالۃ ما خلا الوالد والولد پھر سنیے؛ حدثنا ابن وکیع قال ثنا ابی عن سفیان عن جابر عن عامر عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال الکلالۃ ما خلا الوالد والولد

مسند امام احمد بن حنبلؒ میں ہے۔ عن معدان بن ابی طلحۃ قال قال عمرؓ ما سئلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن شیء اکثر مما سالتہ عن الکلالہ حتی طعن باصبعہ فی صدری وقال تکفیك اٰیۃ الصیف التی فی اٰخر سورۃ النساء (مسند جلد اول ص۲۶) اور یہ مضمون متعدد طویل وقصیر روایتوں میں ہے۔ (مسند جلد اول ص۲۱ ۲۸ ص۱۵ کو بھی جی چاہے تو دیکھ لیجئے) اور یہ معلوم ہے کہ آیت الصیف میں کلالہ کے متعلق صرف امرؤ ھلك لیس لہ ولد الخ ہے۔ ولا والد نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ ابن کثیر کو یہ سب چیزیں مطلق نظر نہ آئیں اور چونکہ وہ الکللۃ ما خلا الوالد والولد یا ما دون الوالد والولد کو اور من لم یکن لہ والد ولا ولد یا من لیس لہ والد ولا ولد کو بالکل ایک متحد المعنیٰ عبارتیں سمجھتے رہے اور دونوں طرز بیان کے فرق واضح سے بالکل بے خبر اور غافل

---

۱؎ اور پھر حکمؒ کا وہ قول جو انہوں نے کہا کہ الکلالۃ ھو ما دون الاب جو صفحہ ۹۴ پر گذر چکا ہے۔

ہے اس لئے یہ لکھ گئے کہ اس معنی کو جمہور سلف وخلف کہتے ہیں کہ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ والد ہو نہ ولد۔ اور اس پر تمام لوگوں کے اجماع کا دعویٰ کر بیٹھے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ آیت الصیف یعنے آخر سورۂ نساء والی روایت میں کلالہ کی صحیح تعریف موجود ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کلالہ کے معنی پوچھنے والوں کو اسی آیت کیطرف صرف متوجہ کر دینا کافی سمجھے

آخر سورۂ نساء کو دیکھئے:۔

| | |
|---|---|
| یَسْتَفْتُوْنَكَ ط قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ | یعنے اے رسول! لوگ تم سے (کلالہ کے |
| فِی الْكَلٰلَةِ ج اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ | متعلق) فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ |
| لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗ اُخْتٌ فَلَهَا | تعالےٰ کلالہ کے بارے میں تمہیں فتویٰ دیتا |
| نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ یَرِثُهَا | ہے کہ ایک شخص مرگیا اور اس کے کوئی |
| اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ | اولاد نہیں ہے اور اس کے ایک بہن |
| | ہے تو اس کا نصف مال متروکہ ہے |
| | اور (اگر کلالہ بہن ہی ہو یعنی بہن ہی |

لاولد مرجائے تو) وہ (بھائی) اس (بہن) کے مال کا وارث ہو جائے گا۔الخ
یعنے کل مال کا۔

## حضرت جابر رضؓ کی حدیث کے معنی

اس آیت سے یہ پتا لگا کہ کلالہ اس مورث لاولد کو کہتے ہیں جس کے وارث صرف بھائی بہن ہوں اور حضرت جابر رضؓ کی حدیث جو ہم آغاز ہی میں لکھ چکے ہیں۔ اس میں لیس یورثنی الکلٰلۃ کے لفظ سے سمجھا گیا کہ کلالہ اس وارث کو کہتے ہیں جو بلاواسطہ میت کا قرابت مند از قسم اصول وفروع نہ ہو۔ اور آیت الشتاء یعنے سورۂ نساء کے دوسرے رکوع کی آیت یعنے وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ كَلٰلَةً میں اگرچہ مفسرین کے نزدیک کلالۃً مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ کسی مُردۂ لاولد کی اس وراثت کے معنی میں، جو والدین کے سوا کسی اور کو پہنچے، بشرطیکہ یورث کو کان کی خبر اور کلالۃً کی تمیز قرار دیجئے

ورنہ یہاں بھی کلالہ سے مورث ہی مراد ہے، کیونکہ رجل دراصل کان کا اسم ہے اور یورث رجل کی صفت ہے اور کلالۃ کان کی خبر واقع ہے ۔ حال یا تمیز نہیں ۔ حال تسلیم کریں جب بھی اس سے مورث ہی مراد ہوگا۔ غرض قرآن مجید میں دو جگہ کلالہ کا لفظ ہے اور دونوں جگہ مورث ہی اس لفظ سے مُراد ہے۔ وارث یا وراثت کہیں بھی مراد نہیں اگرچہ کہا جا سکتا ہے کہ آخر سورۃ نساء والی آیت میں کلالہ سے وارث و مورث دونوں ہی سمجھے جا سکتے ہیں۔ یعنے اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيس له ولد وله اخوة فهو كَلٰلة ۔ ایک شخص لاولد مَر گیا اور اس کے بھائی بہن ہیں، بس وہی شخص کلالہ ہے یا یوں سمجھئے کہ اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ ليس له ولد وله اخت (او اخ) فهي (او هو) كلالة۔ یعنے وہ اخ یا اخت جو اس لاولد مورث کے وارث ہوں وہ کلالہ ہیں اور پھر وہ اصل معنٰی مصدری بھی یہاں مُراد لیئے جا سکتے ہیں ۔ بایں طور کہ ان امرؤٌ هَلَكَ ليس له ولدٌ وله اخت (او اخ) فوراثتهما كلالة اس لئے یفتیکم فی الکلالۃ کے بعد اس کی پوری تعریف بیان فرماکر صورت مسئلہ بیان کر دی گئی اور صُورتِ مسئلہ میں وارث بھی مذکور ہیں۔ اور مورث منہ بھی اور وراثت کا تو بیان ہی ہے، لیکن کلالہ کا مفہوم یہاں جو بھی لیجئے۔ وارث یا مورث منہ یا وراثت ۔

بہر صُورت مورث منہ کا صرف لاولد ہی ہونا اس کے لئے شرط لازمی ثابت ہوتا ہے ۔ لاولدیت کے ساتھ لاوالدیت بھی کلالہ کے مفہوم میں مورث منہ کے لئے ضروری ہو یہ نہ تو اس آیت الصیف سے ثابت ہوتا ہے نہ آیت النساء سے اور نہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی روایت سے ۔

ہو سکتا ہے کہ وراثت کلالہ کی صُورت میں مورث منہ لاولد کے والدین، دونوں یا ایک، کوئی بھی نہ ہو، جس کی مثال آیت الصیف یعنے آخر سورۃ نساء میں مذکور ہے اور ہو سکتا ہے کہ مورث منہ لاولد کے والدین میں سے دونوں یا ایک موجود ہوں، جس کی مثال آیت النساء میں مذکور ہے اور یہی صُورت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بھی تھی۔ اس لئے کہ انہوں نے حصر کے ساتھ فرمایا کہ لا یرثنی الکلالۃ جس سے صاف

ظاہر ہے کہ کلالہ (بمعنی وارث) کے ہوتے بغیر کلالہ بھی وارث ہو سکتے ہیں۔ اور[1] والدین کے سوا اور کوئی بھی نہیں ہو سکتا جب ہی تو حصر صحیح ہو سکتا ہے۔ ورنہ بلا ضرورت حصر چہ معنے وارد؟

## مِنْ اُمّ کی قراءت

اور یہ جو ابن کثیر نے لکھا ہے۔ آیت الشتاء کی تفسیر میں) کہ قولہ تعالیٰ: ولہٗ اَخٌ او اختٌ

ای من ام کما ھو فی قراءۃ بعض السلف۔ منھم سعد بن ابی وقاص یعنی اخ یا اخت سے مراد وہ بھائی بہن ہیں جو (اخیافی) ماں کیطرف سے سوتیلے ہوں جیسا کہ سلف میں سے بعض کی قراءت میں یہاں پر "من ام" کا لفظ قرآن میں داخل ہے۔ انہیں سلف میں سے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی ہیں۔ تو یہ سراپا غلط اور بالکل بہتان ہے۔ اس لئے کہ سعدؓ بن ابی وقاص کے سوا اور کسی کیطرف یہ قراءت کسی نے بھی منسوب کرنے کی جراءت نہیں کی ہے۔ کثرت تعداد دکھانے کے لئے بعض السلف اور منھم کا لفظ لکھ دینا بلا دلیل سخت افسوسناک جسارت ہے اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک غلطی سیّد شریف جرجانی نے کی ہے کہ انہوں نے شریفیہ شرح سراجیہ میں لکھ دیا ہے "تَدُلُّ علیہ قراءۃ اُبَیٍّ" ولہ اخ او اخت من الام" حالانکہ ابن جریرؒ نے بھی ابی بن کعب کی اس قراءت کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ابن کثیر نے۔ البتہ صرف سعد بن ابی وقاص رضؓ کی قراءت سے متعلق تین چار روایتیں ابن جریرؒ نے مہیا کی ہیں جن پر میں ابھی بحث کرتا ہوں۔ لیکن ابی بن کعب کی قراءت کا تو کہیں نام و نشان تک

---

[1] مطلب یہ ہے کہ والد و ولد کے سوا جو نسبی وارث بھی ہو وہ کلالہ ہے۔ تو اگرچہ کلالہ کے ساتھ جس طرح اولاد کی وراثت مجتمع نہیں ہو سکتی بالکل اسی طرح اگر والدین کی وراثت بھی مجتمع نہیں ہو سکتی۔ تو پھر حصر کی ضرورت ہی کیا تھی۔ صرف یرثنی کلالہ ہی کہہ دینا تھا۔ یہ حصر جب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ والدین کی وراثت بھی کلالہ کی وراثت کے ساتھ مجتمع ہو سکے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے اولاد تو کچھ ہے ہی نہیں یا ہوئی ہی نہیں، والدین بھی زندہ نہیں ہے اب تو صرف کلالہ ہی میرے وارث ہوں گے۔ اولاد اگر ہوتی تو کلالہ سرے سے وارث ہی نہ ہوتے۔ والدین اگر ہوتے تو کم سے کم کلالہ کے ساتھ والدین بھی وارث ہو جاتے اور کلالہ کو بہت کم ملتا۔ اس وقت تو بجز کلالہ کے

نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سید شریف نے بھول کر سعد بن ابی وقاص رضؓ کی جگہ اُبی بن کعب کا نام لکھ دیا، ورنہ اگر واقعی دونوں کی اس قسم کی قرارت کی ضعیف روایت بھی ہوتی تو ابن جریر ضرور اُبی کی قرارت کا بھی ذکر کر دیتے اور ابن کثیر، سعدؓ، و اُبی دونوں کا نام لکھتے اور اسی طرح سید شریف خود بھی۔

تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ قراءت کی کتابوں میں اس "من اُم یا من الام" والی قرارت کا کہیں کچھ پتا نہیں ملتا۔ آئمہ قرارت کے پاس ضعیف سے ضعیف بلکہ موضوع سے موضوع بھی کوئی روایت اس قسم کی نظر نہیں آتی۔ اور حضرت سعدؓ یا اُبیؓ کا ذکر ایسی افترائی قرارت کے متعلق کہاں سے مل سکتا ہے۔ ہر چند قراءت کے متعلق جتنی روایتیں ہیں۔ وہ خود سرے سے ناقابل اعتبار اور مجموعہ موضوعات اور اختلافات قرأۃ کے رُواۃ خود آئمہ حدیث کے نزدیک مشہور وضّاع و کذاب ہیں۔ مگر یہ مِنْ اُمٍ یا مِنَ الاُمِ والی قرارت ان کو بھی نہیں سوجھی تھی۔ چونکہ اس کی ضرورت ان کو پیش ہی نہیں آئی۔ البتہ اس کی ضرورت ابن جریر کو پیش آئی۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ کلالہ کے معنی نہیں سمجھ سکے تو پھر دو جگہ اس کلالہ کو دیکھ کر اور دونوں جگہ بھائی بہن ہی کو وارث پاکر اس کے سوا اور کوئی طریق فہم ان کو نہ ملا کہ ایک جگہ اخیافی بھائی بہن مراد لیں اور دوسری جگہ عینی و علاتی۔ مگر یہ موقوف تھا دلیل پر۔ تو کچھ روایتیں گھڑ ڈالیں اور پھر اختلاف قراءت کی بنیاد پر من ام والی قراءت حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کیطرف منسوب کر کے اس کی چند روایتیں بنا ڈالیں اور اسطرح اپنے زعم میں اس قرآنی مشکل کے حل سے سبکدوشی حاصل کر لی۔

میرے پاس کتاب "اتحاف فضلاء البشر فی القرارت الاربعۃ عشر" تالیف الشیخ محمد بن احمد بن محمد بن عبدالغنی الدمیاطی الشافعی موجود ہے۔ اور "دانی" کی مشہور کتاب "تیسیر" بھی ہے۔ اور پھر کتاب "نثر المرجان" کی آٹھ جلدیں بھی ہیں اور ان کے علاوہ متعدد کتب قرارت ہیں۔ مگر کسی کتاب میں یہاں پر ولہ اخ او اخت کے بعد کسی کے نزدیک بھی من ام یا من الام یا لِاُمٍ یا للام یا اور کسی طرح کا بھی کوئی اضافہ

بالکل مذکور نہیں۔ یہ صرف ابن جریر کا خاص اپنا طبع زاد اضافہ ہے جس کو بعد والے فقہاء ومفسرین بھی لے اڑے۔

**قراءۃ سعدؓ کی چار روایتیں** ابن جریر نے جو قراءۃ سعدؓ کی چار روایتیں گھڑی ہیں[1]۔ اب ذرا اُن کو بھی ملاحظہ کیجئے۔ قال ابن جریر حدثنا محمد بن بشار قال ثنا عبد الرحمٰن قال ثنا سفیان عن یعلی بن عطاء عن القاسم بن سعد انہ کان یقرؤ "وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت" قال سعد لأمہ حدثنا محمد بن المثنیٰ قال ثنا عبد الرحمٰن قال ثنا شعبۃ عن یعلی بن عطاء قال سمعت القاسم بن ربیعۃ یقول قرأت علی سعد "وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت" قال سعد لامہ۔ حدثنا محمد بن المثنیٰ قال ثنا وھب بن جریر قال ثنا شعبۃ عن یعلی بن عطاء عن القاسم بن ربیعۃ بن عابث قال قرات علی سعد فذکر نحوہ۔ حدثنی یعقوب بن ابراھیم قال اخبرنا ھشیم قال اخبرنا یعلی بن عطاء عن القاسم بن ربیعۃ قال سمعت سعد بن ابی وقاص قرأ "وان کان رجل یورث کلالۃ ولہ اخ او اخت من امہ"۔

آپ نے ان چاروں روایتوں کو مع اسناد ملاحظہ فرمالیا۔ یہ چاروں روایتیں گو بظاہر چار ہیں۔ مگر درحقیقت ایک ہی ہیں جو چار طرق سے روایت کی گئی ہیں یعنی چاروں حدیثیں یعلی بن عطاء عن القاسم بن ربیعہ بن عابث کر کے مروی ہیں۔ پہلی روایت میں جو "عن القاسم بن سعد" ہے۔ وہ یقیناً کتابت یا طباعت کی غلطی ہے "عن سعد" کو "بن سعد" لکھ دیا یا چھاپ دیا ہے جس کی شہادت بعد کی تینوں

---

[1] گھڑنے کا الزام اس لئے ہے کہ ابن جریر کے سوا اور کسی نے بھی ان روایات کا ذکر نہیں کیا اور یہ خود متہم بالوضع بھی ہیں۔

روایتیں دے رہی ہیں۔ اس کے علاوہ نہ حضرت سعد رضؓ کے کوئی صاحبزادے قاسم نام کے تھے۔ نہ کوئی قاسم بن سعد" راوی حدیث کہیں مذکور ہے۔

پہلی تینوں روایتیں اگر صحیح مان بھی لیجائیں تو ان سے صرف اسقدر معلوم ہوگا کہ حضرت سعد رضؓ نے اخ او اخت کی شرح بیان فرمائی۔ مِنْ اُمِّہٖ کہہ کر۔ جیساکہ ان تینوں روایتوں میں قال سعد" لامّہٖ " کا فقرہ بتارہا ہے، اس کو قرأت سعد قرار دینا اور یہ سمجھنا کہ لامّہٖ" کو سعد رضؓ نے داخل قرآن قرار دیا، خواہ مخواہ کی ہٹ دھرمی اور حضرت سعد رضؓ پر بہت بڑا اتہام ہے۔

باقی رہی چوتھی روایت وہ یقیناً اپنے الفاظ سے یہی ظاہر کر رہی ہے کہ قرأت سعدؓ "من امّہٖ" کے ساتھ تھی مگر پہلی تینوں روایتوں میں تو ہے۔ سعدؓ نے پڑھنے والے کو مطلب بتایا۔" لامّہٖ " کہہ کر۔ اور یہاں مذکور ہے کہ خود پڑھا۔ مِن اُمّہٖ۔ پھر آخر یہ فرق کیوں ہوگیا؟ اگر یہ لفظ قرآن کا ہے تو یقیناً وحی منزل من اللہ ہے۔ اس کو کبھی کسی طرح، کبھی کسی طرح ادا کرنا چہ معنے دارد؟ دو شخص ہوتے تو پھر اس کو بھی اختلاف قرأت ہی پر محمول کر دیا جاتا۔ ایک ہی شخص دوسرے کو کچھ اور پڑھنے کو کہے، اور خود کچھ اور پڑھے۔ یہ کیا؟ اور پھر دونوں قول کے راوی ایک ہی ہیں۔

اب اصل حقیقت حال سنیئے۔ یہ ساری روایتیں یعلےٰ بن عطاء صاحب سے مروی ہیں۔ قال ابن المدینی یعلی بن عطاء له احادیث لم یروها غیره. ورجال لم یرو عنهم غیره واهل الحجاز لا یعرفونه روی عنه قوم بواسط یعنی حضرت علی بن المدینی مشہور محدّث وامام فن رجال فرماتے ہیں کہ یعلےٰ بن عطاء کے پاس ایسی حدیثیں ہیں جن کو ان کے سوا کسی دوسرے نے روایت نہیں کیا۔ اوران کے ایسے شیوخ ہیں جن سے ان کے سوا کوئی دوسرا روایت نہیں کرتا اور اہل حجاز ان کو بالکل نہیں جانتے۔ ان سے شہر واسط کی ایک جماعت روایت کیا کرتی تھی۔" چنانچہ ہشیم بن بشیر الواسطی ہی ہیں۔ جن سے یہ آخری روایت ہے جس سے قرأت ثابت کی جا رہی ہے اور یہ ہشیم بن بشیر الواسطی وہ ہیں۔ جن کے متعلق ابن حجر تہذیب التہذیب

میں لکھتے ہیں :-

| | |
|---|---|
| قال العجلی ھشیم واسطی ثقة کان یدلس وقال ابن سعد کان ثقة کثیر الحدیث یدلس کثیرا ۔ ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال کان مدلسا ۔ قال احمد کل شیء روی عن جابر الجعفی مدلس الاحدیثین ۔ وعن ابن المبارک قال قلت لھشیم لم تدلس وانت کثیر الحدیث فقال کبیراک قد دلسا الاعمش وسفیان | یعنی : عجلی جو فن رجال کے مشہور امام ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہشیم ثقہ تو تھے ۔ مگر تدلیس کیا کرتے تھے ۔ ابن سعد ، جن کی طبقات ابن سعد مشہور ہے فرماتے ہیں کہ ہشیم ثقہ اور کثیر الحدیث تھے مگر بہت تدلیس کیا کرتے تھے ۔ ابن حبان نے بھی ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے مگر ان کو مدلس لکھا ہے ۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ یہ جو روایت بھی جابر جعفی (مشہور شیعہ) سے کریں وہ ضرور مدلس ہے ۔ بجز دو حدیثوں کے ۔ عبداللہ بن المبارک سے مروی ہے کہ انہوں نے |

فرمایا کہ میں نے ہشیم سے کہا کہ تم تدلیس کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم بہت حدیثیں رکھتے ہو تو ہشیم نے کہا کہ تمہارے دو بڑے شخص اعمش (مشہور شیعہ راوی) اور سفیان ثوری تدلیس کیا کرتے تھے ۔ (متن حدیث کے الفاظ میں یا راویوں کے ناموں میں قصداً اول بدل کر دینے کو علم حدیث کی اصطلاح میں تدلیس کہتے ہیں)

ہشیم نے تدلیس سے انکار نہیں کیا بلکہ اپنے پر سے الزام دور کرنے کی یہ تدبیر نکالی کہ جب ہم سے اگلے لوگ بھی تدلیس کرتے تھے تو ہم پر کیا الزام ہے ، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہشیم بڑے بھاری مدلس تھے اور ان کو تدلیس پر اصرار تھا ۔ اور تدلیس کیسی چیز ہے اس کو بھی ابن حجر ہی کی زبانی سن لیجئے ۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۳۲۸ میں لکھتے ہیں :-

حکی ابن ابی خیثمة ان یزید ابن ذریع سئل عن التدلیس فقال التدلیس کذب
یعنے ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں یزید بن ذریع سے لوگوں نے تدلیس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تدلیس کذب ہے یعنی جھوٹ بولنا اور تدلیس کرنا ایک چیز ہے۔

باقی رہے قاسم بن ربیعہ جو ان چاروں روایتوں میں حضرت سعدؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے ایک حرف بھی سعدؓ سے نہیں سنا۔ ان کی ولادت ضرور حضرت سعدؓ کے آخر زمانے میں ہو چکی تھی مگر اتنی عمر کبھی نہیں پائی کہ یہ حضرت سعدؓ سے کچھ سن سکتے اور پھر اس کی روایت کر سکتے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے متعلق اختلاف ہے۔ کوئی ۵۱ھ کوئی ۵۴ھ کہتا ہے اور کسی نے ۵۵ھ لکھا ہے اور اقوال کو سب نے ضعیف ٹھہرایا ہے، اور یہ قاسم حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے بعد تک زندہ تھے۔ زندہ ہی نہیں بلکہ اس وقت چھٹے کٹے تھے۔ ان کی وفات کا سال ہماری کتابوں میں تو نہیں ملتا ہے مگر ان کو شیعوں نے بھی اپنے رُوات میں لکھا ہے۔ اور یہ ان کے یہاں معتمد علیہ شخص ہیں چنانچہ علامہ نجاشی نے ان کا سالِ وفات ۱۳۹ھ لکھا ہے۔ اس لئے یہ چاروں روایتیں کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں، اور چوتھی روایت تو ان میں سے نکھ پات ہے۔

غرض کوئی ایسی قرارت جس کے صرف لیلیٰ بن عطاء جیسے شخص تنہا راوی ہوں اور یہ روایت بھی تفسیر ابن جریر کے سوا اور کسی دوسری کتاب میں منقول نہ ہو، اور تمام قرارت کی کتابیں جس کے ذکر سے بالکل خالی ہوں، کونسا انصاف پسند ہے جو اس کو صحیح گمان بھی کر سکتا ہو۔

## بعض دوسری تفسیری روایتیں

باقی رہیں بعض تفسیری روایتیں جن سے یہ پتہ ملتا ہے کہ یہاں اخ اور اخت سے اخوۃ للام ہی مُراد ہیں۔ یہ روایتیں نہیں ہیں بلکہ صرف ۲ اقوال ابن جریر نے نقل کئے ہیں۔ ایک قتادہ کا قول اور دوسرا سدی کا۔ ابن جریر کہتے ہیں:-

حدثنا بشیر بن معاذ قال ثنا
یزید بن زریع قال ثنا سعید
عن قتادہ قولہ تعالیٰ: ولہ اخٌ
او اخت فھؤلاء الاخوۃ مِنَ
الأم ان کان واحدًا فلہ السُّدس
وان کانوا اکثر من ذالك فھم
شرکاءُ فی الثلث ذکرھم
واُنثاھم فیہ سواء

یعنے ابن جریر کہتے ہیں کہ ہم سے بشیر
بن معاذ نے، ان سے یزید بن زریع
نے، ان سے سعید نے ان سے قتادہ
نے بیان کیا کہ قولہ تعالیٰ ولہ اَخٌ اَوْ
اختٌ سے (اخیافی) ماں کیطرف سے
سوتیلے بھائی مراد ہیں۔ اگر ایک ہوں
تو سُدس پائیں گے۔ ایک سے زیادہ
ہوں تو وہ ثلث میں برابر کے شریک
ہوں گے۔ مرد وعورت اسمیں برابر ہیں گے

یہ محض قتادہ کی رائے ہے۔ صرف قتادہ کی رائے سے قرآن مجید کے عموم کی تخصیص
کس قدر غلط ہے۔ قتادہ کے متعلق ابن حجر انکے تبحر فی الحدیث کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:۔

وکان قتادہ یری بالقدر۔
وقال علی بن المدینی قلت
لیحیٰ بن سعید انّ عبدالرحمٰن
(بن مھدی) یقول اترك كلّ
من کان رأسًا فی البدعۃ یَدْعُوا
الیھا۔ قال کیف تصنع بقتادۃ
وابن ابی روّاد وعمرو بن
ذر۔ وذکر قومًا۔ ثم قال یحیٰ
ان ترکتُ ھذا الضربَ ترکت
ناسًا کثیرًا

یعنے علی ابن المدینی نے کہا کہ میں نے
یحییٰ بن سعید سے کہا کہ عبدالرحمٰن بن
مہدی کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو اہل
بدعت کا سرگروہ ہو اور دوسروں کو
بدعت کی طرف بلاتا ہو، اس کو چھوڑ
دو، یعنے اس کی حدیث نہ لکھا کرو۔
تو یحییٰ بن سعید نے کہا کہ اگر ایسا ہو تو تم کیا
برتاؤ کرو گے۔ قتادہ ابن ابی روّاد اور
عمرو بن ذر اور اس قسم کے لوگوں کے ساتھ؟
پھر یحییٰ بن سعید نے کہا کہ اگر میں اس قسم
سے چھوڑنا شروع کروں تو ایک جماعت
کثیر کو چھوڑ دینا پڑے گا۔

غرض قتادہ اور ابن ابی روّاد وغیرہما اہل بدعت کے سرگروہ اور بدعت کیطرف لوگوں کو دعوت دینے والے ان لوگوں کے نزدیک تھے۔ اتنی بات اس روایت سے ضرور ثابت ہوگئی۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ راویانِ حدیث میں اس قسم کے لوگوں کی بڑی کثرت تھی۔ غرض اس سے صاف ظاہر ہے کہ قتادہ کان راسا فی البدعۃ یدعوا الیہا۔ ان کی روایتوں کو تو صرف اس مجبوری سے لوگ لیتے تھے۔ کہ ان لو ترکت ھذا الضرب ترکت ناسا کثیرا۔ مگر کیا ان کی طبع زاد رائیں اور ان کے ذاتی اقوال بھی قرآن مبین کی تنسیخ کے لئے کافی سمجھے جائیں گے؟ اس لئے کہ عموم کی تخصیص اور اطلاق کی تقیید کو بھی نوع من التنسیخ خود مفسّرین نے لکھا ہے۔ کیونکہ بحالت عموم و اطلاق وہ حکم محکوم علیہ کے جملہ افراد پر عائد ہو رہا تھا۔ تخصیص و تقیید نے بعض افراد محکوم علیہ سے اس حکم کو ہٹا دیا۔ اس لئے تخصیص عام اور تقیید مطلق تنسیخ جزئی ہے۔ کما نصّ بہ الائمۃ ان روایتوں کا یہ حال ہے کہ ابن حجر رح لکھتے ہیں

| | |
|---|---|
| کان قتادہ و عمرو ابن شعیب لا یغث علیہما شیئ یاخذان عن کلّ احد۔ قال جریر عن مغیرۃ الشعبی قتادہ حاطبُ اللیل۔ قال اسماعیل القاضی فی احکامِ القرآنِ سمعت علی بن المدینی یضعّف احادیث قتادہ عن سعید بن المسیّب تضعیفاً شدیداً وقال لحسب ان کثرھا بین قتادہ وسعید فیہا رجال وقال ابو داؤد و حدث قتادۃ من ثلاثین رجلاً | یعنی کوئی روایت قتادہ اور عمرو بن شعیب کو قابل ترک نظر نہیں آتی تھی ہرکس و ناکس سے روایتیں لے لیا کرتے تھے۔ جریر نے کہا کہ ہم سے مغیرہ نے، ان سے شعبی نے کہا کہ قتادہ حاطب اللیل رات کی تاریکی میں ایندھن چننے والے یعنی رطب و یابس اقوال کے جمع کرنے والے تھے۔ قاضی اسمٰعیل نے اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھا ہے۔ کہ میں نے علی بن المدینی کو سنا ہے قتادہ کی ان حدیثوں کو جن کو وہ سعید بن المسیّب سے روایت کرتے ہیں، بہت زیادہ |

(حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

لم یسمع منهم۔ ضعیف قرار دیتے ہوئے اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ قتادہ اور سعید کے درمیان متعدد راوی ہیں۔ اور ابو داؤد نے کہا کہ قتادہ ایسے تیس آدمیوں سے روایت کرتے ہیں، جن سے کبھی کچھ نہیں سنا۔

مگر ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں چھتیس آدمیوں کے نام گن دیئے ہیں جن سے قتادہ روایت تو کرتے ہیں مگر کچھ سنا نہیں، اس لئے ابو داؤد کا تخمینہ بہت کم ہے۔ تو جس کی روایتوں کا یہ حال ہے اسکے ذاتی اقوال کا کیا اعتبار؟

دوسری روایتوں کو بھی سُن لیجئے۔

| | |
|---|---|
| قال ابن جریر حدّثنا محمد بن | ترجمہ: ابن جریر کہتے ہیں کہ ہم سے محمد |
| الحسین قال ثنا احمد بن مفضل | بن الحسین نے، ان سے احمد بن مفضل نے |
| قال ثنا اسباط عن السُّدِّی ؓ | ان سے اسباط نے، ان سے سدّی |
| وان کان رجل یورث کلالۃً | نے بیان کیا کہ وان کان رجل یورث |
| او امرأۃ ولہ اخ او اخت۔ | کلالۃً ولہٗ اخٌ او اختٌ۔ یہ سب |
| فھٰؤلاءِ الاخوۃ مِنَ الام فھُمْ | ماں کیطرف سے سوتیلے بھائی بہن |
| شرکاءُ فی الثلث سَوَاءُ الذکر | ہیں۔ تو یہ سب ایک ثلث میں شریک |
| والأُنثیٰ۔ وقولہ تعالیٰ: فلکلّ | ہیں۔ عورت و مرد اس میں برابر ہیں |
| واحدٍ منھما السُّدس اذا انفرد | اور قولہٗ تعالیٰ: ولکل واحدٍ منھما |
| الأخ وحدہٗ او الأُخت وحدھا | السدس جب بھائی یا بہن تنہا |
| ولم یکن اخ غیرہ او غیرھا | وارث ہوں اور ان کے سوا کوئی |
| من امّہ فلہ السدس من | دوسرا اس میّت کی ماں کیطرف سے |
| میراث اخیہ لامّہ۔ فان اجتمع | بھائی یا بہن نہ ہو، تو اس تنہا کے لئے |

[1] قتادہ بدعت کے سرگردہ تھے اس کی دعوت لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ [2] اگر اس قسم سے میں چھوڑنا شروع کردوں تو بہت سارے لوگوں کو چھوڑ دینا پڑے گا۔

اخ او اخت او اخوان لا ثالث
مَعهُما لا امهما او اختان کذالك
او اخٓ واخت ولیس مَعهُما
غیرهُما من امهما فلکل واحدًا
منهما من میراث اخیهِمَا
لامَهمَا السُّدس. وان کانوا
اکثر من ذالك. یعنی فان کان
الاخوة والاخوات لام المیّت
الموروث کلالةً اکثر من
اثنتین فهم شرکاء فی الثلث
یقول فالثلث الذی فرضت
لاثنیهم اذا لم یکن غیرهما من
امّهما میراثا لهما من اخیهما
المیت الموروث کلالة شرکة
بینهما اذا کانوا اکثر من
اثنین الی ما بلغ عددهُم
علیٰ عدد رؤسهم لا یفضل
ذکر منهم علیٰ انثٰی فی ذٰلك
ولکنهم بینهم بالسویّة
(انتهٰی)

سدس ہے۔ اپنے اس بھائی کے میراث
میں سے جو اس کی ماں کی طرف سے اس
کا سوتیلا بھائی ہے[1]۔ تو اگر بھائی بہن
مجتمع ہوں یا دو بھائی۔ تیسرا ماں کیطرف
سے ان کے ساتھ نہ ہو، یا دو بہنیں۔
اسی طرح کی مجتمع ہوں یا بھائی اور بہن
ہوں کہ اُن دونوں کے ساتھ ان کی ماں کیطرف
سے کوئی اور بھائی یا بہن نہ ہو تو ان دونوں
میں سے ہر ایک کے لئے ان کی ماں کیطرف
سے سوتیلے بھائی کے میراث میں سدس
ہے۔ وان کانوا اکثر من ذٰلك یعنے
اگر بھائی اور بہنیں میّت موروث کی
ماں کیطرف سے کلالہ کی حیثیت سے
دو سے زیادہ ہوں ۔ فَھُم شرکاءُ
فی الثّلث تو وہ سب ثلث میں شریک
ہوں گے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ ثلث
جو فرض کیا گیا ہے ان کے دو کے لئے
جبکہ دو کے سوا کوئی ان کی ماں کی طرف
سے نہ ہو، ان دونوں کی میراث ہے
ان دونوں کے میّت موروث کلالہ

---

[1] شروع میں فان اجتمع اخ او اخت آہی چکا تھا۔ پھر یہاں او اخ واخت کہنے کی ضرورت کیا تھی۔ بجز اس کے کہ عبارت کو خواہ مخواہ طول دیا جائے۔ تاکہ پڑھنے والے کا دماغ منتشر ہو صنعت اطالت لاطائل کی مثال اس پوری عبارت سے بہتر دنیا میں کہیں نہیں مل سکتی۔

بھائی کے مال میں سے باہم شریک ہونے کی حیثیت سے۔ جب دو سے
زیادہ ہوں گے تو سہام کا عدد ان کے رؤس کے عدد کے مطابق ہوگا۔
ان کا مرد ان کی عورت سے ہرگز بڑھایا نہیں جائے گا۔ لیکن وہ سب
آپس میں برابر رہیں گے۔

یہ عبارت شاید قصداً اس بُرے طریقے سے ادا کی گئی ہے کہ دیکھنے والا صحیح
مطلب سمجھنے کی کوشش کرے تو یقیناً اونگھا ہو جائے اور اگر صوبہ بہار کا یہ محاورہ پسند
نہ ہو تو یوں کہیئے کہ اس کا دَم گھٹنے لگے۔ خلاصۂ عبارت یوں سمجھئے تین صورتیں سدّی
صاحب نے قائم کی ہیں :۔

۱۔ اذا انفرد الأخ وحدَہ او الأُخت وحدَھا۔ فَلَہُ السُّدُسُ۔ یعنے جب
تنہا ایک بھائی یا تنہا ایک بہن ہو تو اس کے لئے سُدُس ہے۔

(۲) ان اجتمع اثنان لا ثالث معھما من جنسھما[1] فلکلّ واحدٍ منھما السدس
یعنے جب دو ہوں تیسرا ان کی جنس سے ان کے ساتھ نہ ہو تو ان دو میں سے
ہر ایک کے لئے سدس ہے۔

(۳) وان کانوا اکثر من اثنین فھم شُرکاءُ فی الثلث یعنے اگر دو سے زیادہ
ہوں تو وہ سب ثلث میں برابر کے شریک ہوں گے۔

## بھائی بہن کے حصّے برابر ہونے کا قول غلط

اس کے بعد تقسیم علے السویّہ کی دلیل بیانی
ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :۔

| | |
|---|---|
| الثلث الذی فرضت لاثنیھم | یعنے: وہ ثلث جو ان کے دو کے لئے |
| اذا اخذاہُ علی التسویۃ وان | فرض کیا گیا ہے۔ جب وہ دونوں |
| کان احدھما ذکرًا والآخر | برابر برابر لیں گے اگرچہ ان دونوں میں |

[1] جنس سے مراد یہاں زن و مَرد نہیں ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ کوئی تیسرا اخیافی بھائی یا بہن ان دو کے
ساتھ نہ ہو اور وہ دونوں خود چاہے دونوں مرد یا دونوں عورت ہوں یا ایک مرد یا ایک عورت۔

| | |
|---|---|
| أنثى فاذا بلغوا ثلاثاً اواكثر | کا ایک مرد ہو اور دوسری عورت |
| فكذالك لايقتسمون الثلث | تو اس طرح جب تین یا زیادہ کی تعداد |
| بينهم الأعلى التسوية وان | کو پہنچیں گے تو اس ثلث کو آپس میں |
| كان بعضهم ذكراً وبعضهم | تقسیم نہیں کریں گے مگر برابر برابر، |
| انثى | اگرچہ ان کے بعض مرد ہوں اور بعض عورت |

تو سدی صاحب نے "فلکل واحد منهما السدس" کی تفسیر میں ارشاد ہے اس سے پہلے فلهٗ اخ اواخت کی تفسیر فهؤلاء الاخوة من الأم فهم شركاء في الثلث سواء الذكر والأنثى فرمائی ہے۔ تو یہ سب ماں کی طرف سے بھائی بہن ہیں پس وہ ثلث میں برابر کے شریک ہیں مرد و عورت برابر

اب ذرا سدی صاحب کا حال سُن لیجئے۔ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں امام شعبی رہ سے کسی نے کہا کہ :-

| | |
|---|---|
| إنّ السّدى قد اعطى حظّاً من | یعنے سدی کو علم قرآن کا ایک معقول حصّہ |
| عِلم القرآنِ فقال قد اعطى | ملا ہے تو امام شعبی رہ نے فرمایا کہ نہیں |
| حظّاً من الجهل بالقرآن | بلکہ وہ دیا گیا ایک معقول حصّہ جہل از قرآن کا |

پھر لیث بن ابی سلیم کا قول ابن حجر لکھتے ہیں کہ

| | |
|---|---|
| كان بالكوفة كذابان فمات | یعنے کوفے میں دو اوّل درجے کے جھوٹے |
| احدهما السّدى والكلبى | تھے، ایک ان میں کا مَر گیا، وہ دونوں سُدی اور کلبی تھے۔ |

| | |
|---|---|
| وقال العقيلى ضعيف كان | یعنے یہ حدیث میں ضعیف ہیں حضرت |
| يتناول الشيخين وقال حسين | ابو بکر و حضرت عمر رض کی شان میں گستاخیاں |
| بن واقد سمعت من السدى | کیا کرتا تھا۔ حسین بن واقد نے کہا کہ میں سدی سے سنا تو |

---

ف جنس سے مراد یہاں زن و مرد نہیں ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ کوئی تیسرا اخیافی بھائی یا بہن ان دو کے ساتھ نہ ہو اور وہ دونوں خود چاہے دونوں مرد یا دونوں عورتیں یا ایک مرد یا ایک عورت

ف

فاقمت حتی سمعته یتناولُ ابا بکر وعمر رضی اللہ عنہما فلم اعد الیہ قال ابوحاتم یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ۔ قال الجوزجانی ھو کذّاب شتام وقال الطبری لا یحتج بحدیثہ

میں نے وہاں اقامت اختیار کی یہاں تک کہ میں نے خود حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کرتے سنا تو پھر میں اس کے پاس نہیں گیا۔ ابوحاتم نے کہا کہ اس کی حدیث لکھ لی جائے مگر اس کی سند نہیں لی جائے گی، جوزجانی نے فرمایا کہ وہ بڑا جھوٹا بہت گالیاں بکنے والا ہے۔ ابوجعفر طبری نے کہا کہ اس کی حدیث کی سند نہیں لی جائے گی۔

امام ذہبی رحہ نے بھی میزانُ الاعتدال میں ان کے اس قسم کے فضائل و مناقب بہت لکھے ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ اب ان کے شاگرد رشید اسباط بن نصر الہمدانی کی حالت بھی ابن جریر ہی کی زبانی سُن لیجئے۔

قال ابوحاتم سمعت ابا نعیم یضعفہ وقال احادیث عامیۃ سقط مقلوب الاسانید قال النسائیُ لیس بالقوی۔ قال حرب قلتُ لاحمد (بن حنبل) کیف حدیثہ؟ قال ما ادری کان ضعفہ۔ قال الساجی روی احادیث لا یتابع علیھا روی عن سماک بن حرب وقال ابن معین لیس بشیءٍ

یعنی ابوحاتم نے کہا کہ میں نے ابونعیم کو ان کی تضعیف کرتے سنا، اور کہا کہ ان کی حدیثیں عامیانہ ہیں، مہمل ہیں، الٹی پلٹی سندوں والی ہیں، امام نسائی نے کہا کہ یہ قوی نہیں ہیں۔ حرب نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحہ سے پوچھا کہ ان کی حدیثیں کیسی ہیں؟ تو کہا کہ میں نہیں جانتا۔ گویا وہ ان کو ضعیف قرار دے رہے تھے، ساجی نے کہا کہ یہ ایسی حدیث روایت کرتے ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔ یہ سماک بن حرب جیسوں سے روایت کرتے ہیں، ابن معین نے کہا کہ یہ کچھ بھی نہیں!

لہ مگر باوجود اس کے طبری اپنی تفسیر میں ان کی یہ روایت اور دوسری روایتیں لکھتے ہیں۔ غالباً یکتب حدیثہ ولا یحتج کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے انکی روایتیں نقل کر لیتے ہونگے مگر وہ اتنا تو سوچ لیتے کہ ان کا یہ صرف نقل کر لینا آگے چل کر سند ہو جائیگا۔

اور احمد بن مفضل الکوفی کے متعلق ابن حجر رح لکھتے ہیں۔ کان صدوقاً من رؤساء الشیعة۔ وقال الازدی منکر الحدیث یعنی: سچے آدمی تھے مذہب شیعہ کے سرداروں میں سے، امام ازدی نے فرمایا کہ منکر الحدیث تھے۔ یعنی ان کی حدیثیں عجیب غریب ہوا کرتی تھیں

اب سوچئے کہ احمد بن مفضل الکوفی، اسباط بن نصر الہمدانی اور اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن السدی الکوفی ان اقانیم ثلاثہ کے سلسلے سے جو روایت حدیث ملے۔ جب وہ قابل اعتبار نہیں ہو سکتی تو پھر سدی صاحب کی ذاتی رائے کی قرآن مبین کی عبارت النص کے مقابل کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ تدبّروا تو جروا

غرض اتنی تفصیل سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہاں اخ او اخت سے اخ واخت للام مراد لینا ہرگز ہرگز کسی قطعی دلیل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس کے لئے جو دلیلیں پیش کی گئی ہیں وہ نہایت پوچ اور بالکل ناقابل التفات ہیں۔ قرآن کی نص صریح تو بہت بڑی چیز ہے، کسی معمولی سی حدیث کے مقابل بھی ان کی کوئی اہمیت نہیں ہو سکتی۔ اب یہاں یہ سوال خود بخود دل میں پیدا ہوتا ہے کہ تو پھر لوگوں نے یہاں بھائی بہن کو بلا دلیل خواہ مخواہ اخیافی ہی کیوں قرار دیا؟ اس کا جواب اوپر گذر چکا ہے۔ تفسیر کبیر میں امام رازی نے اصل حقیقت کھول کر رکھ دی ہے جو بالتفصیل اوپر مذکور ہو چکی۔ مفسرین سابقین کو یہ دشواری ضرور محسوس ہوئی اور انہوں نے اپنی عجمیت اور عجمی فطرت کی وجہ سے قرآن مبین کی عبارت کو اپنے مفہوم پر غیر واضح الدلالۃ سمجھا۔ اس لئے پہلے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے دو تین تفسیری روایات منسوب کر کے گھڑ لی گئیں مگر جب تفسیری روایت سے تشفی نہ ہوئی تو ہشیم صاحب نے ایک قرارت ہی کی روایت بنا کر پیش کر دی۔ مگر ان ناقلین پر وہ "حافظہ نہ باشد" والی مثل پوری طرح صادق آ رہی ہے۔ وہ چار روایتیں جو چاروں یعلیٰ بن عطاء سے ہیں۔ جن کا ذکر مع تنقید اوپر گذر چکا۔ ان میں کی تین روایتیں جو تفسیری ہیں۔ ان میں "لامه" کا لفظ ہے اور چوتھی روایت میں جو قرارت ثابت کرنے کے لئے بنائی گئی۔ اس میں "من امه" ہے اور یہاں امام رازی جو نقل کر رہے ہیں۔ اس میں "من ام" منقول ہے

اور سید شریف نے شریفیہ میں جو قراءت اُبی (بجائے سعدؓ) کہہ کر پیش کیا ہے اس میں "من الام" لکھا ہے۔ یہ قراءت کسی کتاب قراآت میں تو مذکور ہے نہیں کہ قراءت کی کتابوں سے اس کی تحقیق کی جائے، یہ تو مفسرین نہیں بلکہ صرف یعلیٰ بن عطاء یا قاسم بن ربیعہ کی من گھڑت قراءت ہے۔ جس کو مفسرین نے اپنے لئے کار آمد سمجھ کر لے لیا ہے اور بہت زیادہ ممکن ہے کہ یہ قراءت سعدؓ یعلےٰ بن عطاء اور قاسم بن ربیعہ کے سر مڑھی گئی ہو اور در اصل اس کے وضع کرنے والے وہ مفسر صاحب ہی ہوں۔ جنہوں نے اس کی روایت بناکر اپنی تفسیر میں درج کی۔ اور پھر دوسروں تک اس کو پہنچایا۔ اس لئے کہ وہ وضع روایات سے متہم بھی ہیں۔ کما نص بہ الحافظ السلیمانی و ذکرہ ابن حجر فی لسان المیزان جیساکہ علامہ حافظ السلیمانی نے صاف صاف بیان فرمایا ہے۔ جن کا ذکر ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں اعترافاً کیا ہے۔

**ایک سوال** امام رازی کے اس کشف حقیقت کے بعد عام طور سے تمام علماء کرام سے یہ سوال ہے کہ واقعی قرآن مبین کی یہ آیتیں جو دو جگہ کلالہ سے متعلق سورۂ نساء میں وارد ہیں اور ہر جگہ ان میں اخ واخت ہی کے حصے بتائے گئے ہیں، کیا آپ کے نزدیک بھی اپنے صحیح مفہوم کے ادا کرنے میں بالکل قاصر ہیں؟ اور جب تک من الام یا لام یا من ام یا من امہ وغیرہ کی چپّی نہ لگائی جائے، یہ آیتیں اپنا صحیح مفہوم نہیں بتا سکتیں؟ مانا کہ سعد یا اُبیؓ یا دونوں کی قراءت میں من ام یا لام وغیرہ قسم کا لفظ ہے۔ مگر آپ لوگوں کے نزدیک جو سات قراءتیں متواتر ہیں۔ ان میں سے تو کسی میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے۔ اس لئے کیا یہ ساتوں قراءتیں جن میں سے ہر ایک پر آپ لوگوں کا یکساں ایمان ہے۔ اس آیت کو ناقص المفہوم غیر واضحۃ الدلالۃ علے المعنیٰ ہی قرار دے رہی ہیں۔ تو پھر ان قراءات سبعہ متواترہ کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟

**ایک لطیفہ** بعض اہل لغت نے بھی اس مصیبت عظمیٰ میں مفسرین کا ہاتھ بٹانا چاہا۔ اور انہوں نے کلالہ کے معنیٰ ہی لکھ دیئے۔ اخوۃ داخوات للامّ مگر مفسرین بیچارے مصیبتؔ کے مارے اس پیشکش سے کوئی فائدہ

نہ اُٹھا سکے، اس لئے کہ ایک جگہ تو یہ معنے بن جائیں گے مگر آخر سورۂ نساء میں کیا کیا جائے گا؟ کیا ہر جگہ اخوہ و اخوات للام ہی مُراد لیں؟ اس لئے اہل لغت کی یہ پیشکش مفسرین کے دربار سے مردود ہو گئی۔

**حاصل بحث** اتنی بحث کے بعد ناظرین اتنا ضرور سمجھ چکے ہوں گے کہ قرآن مجید میں دو جگہ اخ و اخت کے حصوں کا ذکر ہے۔ ایک آیت الشتاء میں یعنے سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں۔ دوسرے آیت الصیف میں یعنی آخر سورۂ نساء میں۔ اور دونوں ہی جگہ کلالہ ہی کا مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے اور دونوں ہی جگہ اللہ تعالےٰ نے اخ و اخت کو بالکل عام ہی رکھا ہے۔ کسی طرح کا کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ ان دونوں آیتوں سے متعلق ایسا نہیں کہ ان میں سے کسی جگہ بھی اخ و اخت کو مخصص و مقید تسلیم کر لیا جائے۔ یہ وجہ کہ ایک جگہ حصے کم ہیں۔ دوسری جگہ حصے زیادہ ہیں۔ اس کی دلیل نہیں کہ شخصیت ہی دو قرار دے دی جائے۔ بلکہ یہ دو حالتوں کیوجہ سے زیادہ ممکن ہے۔ جس طرح باپ ماں کو کبھی تو علی السویہ ایک ایک سُدس ملتا ہے، کبھی ماں کو تو ثلث ملتا ہے اور باپ باقی دو ثلث لے لیتا ہے۔ وہاں تو برابر حصے رہے اور یہاں للذکر مثل حظ الانثیین کی صورت قائم ہو گئی۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ وہاں ماں باپ سوتیلے تھے۔ اور یہاں سگے، بلکہ ماں باپ تو دونوں جگہ ایک ہی ہیں۔ حالت کے فرق کی وجہ سے حصوں میں فرق ہو گیا۔ بالکل اسی طرح آیت الشتاء و آیت الصیف میں حالت کے فرق کیوجہ سے دو طرح کے حصے بتائے گئے۔ ورنہ اخ و اخت تو جس طرح وہاں عام و مطلق ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی عام و مطلق ہی ہیں۔ اور جس طرح لفظاً عام و مطلق ہیں اسی طرح معنیً بھی عام و مطلق ہی ہیں۔ ایک جگہ اور بھی اسی آیت الشتاء میں اخوۃ کا ذکر آگیا ہے، ماں باپ کے حصوں کے ضمن میں یعنے میّتِ لاولد[1] کے صرف والدین ہوں تو ماں کو ثلث اور باقی

---

[1] آیت الشتاء میں کلالہ کا جو ذکر ہے تو میّت لاولد کے والدین بھی ہیں اور اخ اور اخت بھی یا احدھما ہوں ہو اور اخ اور اخت وارث ہوں۔ انہیں صورتوں کا بیان ہے مگر جہاں میت لاولد ہو اور اس کے والدین وارث ہوں تنہا یا اخوۃ بھی موجود ہوں تو والدین کے حصوں کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ وہاں میت کو کلالہ کو

باپ کو عصوبتًا ملتا ہے۔ اور اگر میّت لاولد کے والدین بھی ہوں اور اخوۃ بھی ہوں تو ماں کو ثلث کی جگہ سدس ملتا ہے۔ یہاں بالاتفاق سب کے نزدیک اخوۃ کا لفظ جس طرح لفظًا عام و مطلق ہے بالکل اسی طرح معنًی بھی عام اور مطلق ہی ہے۔ یعنے وہ اخوۃ عینی ہوں، علاّتی ہوں یا اخیافی ہوں۔ جس قسم کے بھی ہوں، ماں کے حصّے کو ثلث سے گھٹا کر سدس ضرور بنا دیں گے۔

**اخوۃ کی تعریف پر معارضہ** تعجب ہے کہ یہاں کیوں یہ نہیں کہہ دیا گیا کہ یہاں اخوۃ سے مراد اخوۃ للأب ہیں۔ اس لئے کہ سوتیلی ماں کا حصّہ عداوت کی وجہ سے گھٹا کر باپ کو دلوا دیا۔ ورنہ جو اولاد کہ اسی ماں کے بطن سے ہو، وہ بے سود ماں کا حصّہ گھٹا کر باپ کو کیوں دلوائے گی۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو اس اولاد سے جو صرف باپ ہی سے رشتہ رکھتی ہو اور اس ماں سے اس کو کوئی تعلق نہ ہو۔

مگر افسوس کہ ایسی معقول وجہ کے پیش نظر ہوتے بھی لوگوں نے بالاتفاق یہاں اخوۃ کو عام ہی قرار دیا۔ اور جہاں کوئی وجہ معقول نہ تھی، وہاں مقیّد کر کے ایک جگہ اخیافی اور دوسری جگہ عینی و علاّتی کہہ دیا۔ حالانکہ تین جگہ اخوۃ کا ذکر تھا۔ ایک جگہ علاّتی، دوسری جگہ اخیافی اور تیسری جگہ عینی۔ کس قدر صاف تقسیم ہو جاتی۔ مگر افسوس کہ سدی صاحبؒ کو

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہیں فرمایا گیا۔ بظاہر کہا جا سکتا ہے کہ اگر والدین کے ہوتے بھی میت لاولد کلالہ ہو سکتا ہے تو یہاں میّت کو کلالہ کیوں نہیں کہا؟ اصل یہ ہے کہ کلالہ کے معنی ہیں "وہ میت لاولد جس کے وارث غیر والد و ولد ہوں"۔ اسلئے والدین یا ازواج وراثت کلالۃً وراثت نہیں ہوتی اور یہاں والدین کی وراثت کا ذکر ہے۔ اخوۃ کا ضرورتًا ذکر آگیا ہے مگر اخوۃ کی وراثت کا ذکر یہاں پر نہیں ہے۔ اس لئے کلالہ کا لفظ یہاں نہیں استعمال فرمایا گیا اور اخوۃ چونکہ غیر والد و ولد ہیں۔ اس لئے ان کی وراثت جب بھی ہوگی کلالۃً ہی ہوگی چاہے والدین کے ساتھ ہو یا بغیر والدین کے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ سدی صاحب یا ان جیسے دوسرے راویان روایات تفسیر مثلًا کلبی وغیرہ سے بڑی چوک ہو گئی۔ اگر یہ لوگ آیت القیف سے آیت الشتاء کو منسوخ قرار دید یتے تو پھر کسی کو انکار کی مطلقًا گنجائش ہی نہ رہتی اور ناسخ منسوخ کے لئے ایک ایسی نادر مثال مل جاتی کہ بظاہر منکرین کو ماننا ہی پڑتا۔

یہ نہ سوجھی

## کلالہ کی صحیح تعریف

کلالہ کے متعلق قارئین اتنا اچھی طرح سمجھ چکے کہ اہل لغت اور اہل روایات کا وہ قول جو قرآن کے مطابق ہے یا ہو سکتا ہے۔ یہی ہے کہ اگر کلالہ بمعنی صفت ہے تو اس سے مراد وہ ورثہ ہیں جو میت کے والد و ولد کے سوا نسبی قرابت کی وجہ سے وارث ہوں مثلاً بھائی بہن، یا وہ مورو ث منہ لاولد مراد ہوگا۔ جس کے وارث والدین ہوں یا نہ ہوں۔ بھائی بہن ضرور ہوں۔ مگر جب کہ اس کی مورد ثیت کی نسبت اسکے بھائی بہن ہی کی طرف کی جا رہی ہو۔ اور اگر بمعنی مصدری لیا جائے تو ایسے نسبی قرابت مند کا مورث ہونا یا وارث ہونا جو والد و ولد کے ماسوا ہوں۔ اعم اس سے کہ میت کے والدین بھی موجود ہوں یا نہ ہوں۔

## کلالہ کے معنی سے متعلق ایک قرآنی استدلال

لغت سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کلّ علیہ کے معنی ہیں ثقل علیہ۔ قرآن مجید میں ہے۔ کَلٌّ عَلٰی مَوْلَاهُ یعنی ثقیل علیہ یعنے اپنے آقا پر وہ ایک بار ہے۔ غرض جس کے سر وہ ہے اس کو ایک بوجھ سا محسوس ہوتا ہے۔ اور اس کا رہنا اس پر شاق ہے۔ آغاز سورۂ مریم میں حضرت زکریا علیہ السّلام کے ذکر میں مذکور ہے کہ انہوں نے اولاد کے لئے بارگاہِ الٰہی میں جو درخواست کی تو اس کی وجہ یہی بتائی۔ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَاۗءِیْ یعنے ؛ میں اپنے بعد اپنے موالی سے ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ موالی میرے وارث نہ ہو جائیں ؛ اسی لئے دعا کر رہے تھے۔

فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝ تو مجھ کو اپنی طرف سے ایک وارث دے

یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث ہو

---

[۱] اہل علم اس سے واقف ہیں کہ اہل عرب باپ کے بھائی، دادا کے بھائی، پردادا کے بھائی وعلم جرّا یعنی اسی طرح اور اوپر کی کرسیوں تک چلے جایئے۔ سب کو عم یعنی چچا ہی کہتے ہیں، اور باپ کی اولاد، دادا کی اولاد، پردادا کی اولاد سب کو اخوۃ ہی کہتے ہیں۔ قرآن مبین میں فان کان لہ اخوۃ جو وارد ہے وہاں والدین کے ساتھ والدین کی اولاد، دادا دادی کے ساتھ ان کی اولاد، پردادا پردادی کے ساتھ ان کی اولاد مراد ہوگی۔ نہ یہ کہ باپ (بقیہ حاشیہ ...)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وارثوں کو موالی کہا کرتے تھے۔ چاہے جو وارث بھی ہوں یہاں الف لام عہد کا ہے۔ جس سے غیر والدو ولد ورثہ یہاں مراد ہوگئے۔

مَوالی عام ورثہ کو کہتے ہیں۔

سورۂ نساء کے پانچویں رکوع میں ولکلٍّ جعلنا مَوالیَ مِمّا تَرَكَ الوالدانِ والاقربُون والّذین عقدت ایمانکم یعنے ہم نے ہر شخص کے ورثہ بنا دیئے ہیں۔ اسی میراث کے متعلق جس کو اس نے چھوڑا ہو۔ والدین، قرابت مند اور ازواج ۔ اس آیت سے ثابت ۴

۴ ہو رہا ہے کہ موالی عام ورثہ کو کہتے ہیں چاہے والدین ہوں، اولاد ہوں یا ازواج۔

مگر دونوں آیتوں میں تعارض نہیں ہے۔ یہاں موالی اپنی جمعیت کی وجہ سے ہر طرح کے ورثہ پر پورے عموم کے ساتھ دلالت کر رہا ہے۔ اس عموم کو اس کے نکرہ ہونے نے اور بھی پوری طرح واضح کر دیا ہے۔ بخلاف سورۂ مریم والی آیت کے کہ حضرت زکریا ؑ نے "الموالی" الف لام عہد کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس لئے وہاں وہی موالی وہی ورثہ مراد تھے جو ان کے ذہن میں تھے جو غیر والد و ولد تھے۔ اور ان کی وراثت ان پر شاق تھی، بھاری تھی۔ اور یقیناً وہ ان کے بنی الاخوۃ یا اعمام یا بنی الاعمام ہی تھے۔ جو فقہاءِ مسلمین کی اصطلاح میں عصبہ کہے جاتے ہیں اور جس طرح عصبہ کا لفظ عام ہے۔ والد و ولد اور اخوۃ و اعمام و بنی الاعمام سب ہو سکتے ہیں بالکل اسی طرح مَوالی کا لفظ بھی عام تھا۔ قال ابن جریر حدّثنی المثنی قال ثنا عبد اللّٰہ بن صالح قال ثنی معاویۃ ابن صالح عن علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ ولکلٍّ جعلنا مَوالیَ مِمّا تَرَكَ الوالدان الآیۃ ۔ قال الموالی العصبۃ یعنی

---

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) ماں کے ساتھ دادا، دادی اور پر دادا اور پر دادی کی اولاد اخوۃ بن کر سدس یا ثلث کی مدعی ہو جائے گی۔ ؎ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں قال اصلُ التفسیر فی قولہ تعالیٰ: وانی خفت الموالی من وراءی ای ابن العم۔ فتح الباری صـ ۲۷ جـ ۳۰) حاشیہ صفحہ ہٰذا ؎ جس طرح اپنی اولاد نہ ہونے پر والدین کی اولاد میت کی اپنی اولاد کی جگہ لے لیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اگر میّت کلالہ تام ہو یعنے نہ اس کے والدین ہوں نہ اولاد اور اپنے بھائی بہن بھی نہ ہوں تو والدین کے بھائی بہن اپنے بھائی بہن کی جگہ لے لیں گے۔ مگر باپ کا رشتہ ماں کے رشتہ پر مقدم ہوگا۔

الورثۃ اسی طرح مجاہد و قتادہ و ابن زید وغیرہم کے بھی اقوال نقل کئے ہیں کہ ان سب نے بھی موالی کے معنی عصبہ اور ورثہ کے لکھے ہیں۔ یا بیان کئے ہیں۔ یہی رواۃ وراثت کے مطابق اگر روایت کریں تو وہ روایت مقبول ہوگی۔ میرے کہنے کی غرض یہ تھی کہ ہر مرنے والے کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ اسکے بعد اس کا مال اس کی اولاد کو ملے۔ اگر اولاد نہیں ہے تو کم از کم اس کے والدین کو ملے۔ وہ کسی دوسرے قرابت دار کی وراثت کو دل سے پسند نہیں کرتا۔ اسی لئے بھائی بہن وغیرہ کی وراثت مرنے والے پر عموماً شاق گذرتی ہے پس اسی لئے کہا جاتا ہے کہ بھائی بہن یا چچا وغیرہ کلالۃً وارث ہوتے ہیں۔ یعنے اپنے مورث پر بھاری اور جبر ہو کر وارث ہو جاتے ہیں۔

تو آپ کلالہ کو بھی سمجھ چکے اور یہ بھی سمجھ چکے کہ اخ و اخت یا اخوۃ کا ذکر قرآن مبین میں جو تین جگہ آیا ہے، تینوں جگہ لفظاً و معنیً عام اور بالکل مطلق ہے۔ عینی و علاتی و اخیافی سب کو شامل ہے۔ اب قرآن مبین کے بیان پر خالی الذہن ہو کر غور کیجئے۔ مگر پہلے آیت شتاء کا سلسلۂ بیان و نظم کلام سمجھ لیجئے۔ اس کے بعد آیت الصیف پر نگاہِ غور ڈالئے تفصیل اُوپر گذر چکی ہے اس لئے اعادے کی ضرورت نہیں۔

**مسئلہ حرمان و حجب اور قرآن مبین** قرآن مبین نے جہاں وارثوں کے حصے کی تفصیل کی ہے۔ وہاں کسی وارث کے محروم الارث یا محجوب ہونے کا کوئی ذکر صراحتاً نہیں فرمایا ہے۔

البتہ بعض دوسری آیتوں سے بطریق استنباط و اجتہاد فقہاء و علماء نے حرمان کا مسئلہ نکالا ہے۔ مثلاً قرآن مبین ہے۔ لَایتخذ المؤمنون الکٰفرین اولیاءَ من دُونِ المؤمنین ۔ یعنے: مؤمنین کو نہیں چاہیئے کہ مؤمنین کے سوا کافروں کو اپنا ولی بنائیں (آل عمران ع۳-۳) اور "ولی" کے معنی وارث کے بھی ہیں اور موروث کے بھی ہیں۔ اسی لئے ورثہ کو "موالی" کہتے ہیں۔ تو اگر فقہاء نے اس آیت سے یہ استنباط کیا کہ مؤمن و کافر کے درمیان وراثت نہیں قائم ہو سکتی ہے تو بالکل قرین قیاس ہے اسی طرح ارشاد ہوا کہ :-

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا۔ یعنے : جو لوگ ایمان تو لے آئے مگر دارُ الکفر سے ہجرت کرکے دارُالاِسلام میں نہیں آئے تو اے مسلمانو ! ایسے ایمان لانے والوں کے ساتھ کسی قسم کی ولایت کا تعلق اس وقت تک نہ رکھو، جب تک وہ ہجرت کرکے آجائیں : (آخر سورۂ انفال) اس سے اختلاف دار کو بھی مانع عن الارث قرار دیا۔ اگرچہ یہ قیاس اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ دارُالاسلام اور کوئی امیر المومنین با طاقت ہو اور ہجرت کا فرمان نافذ ہو چکا ہو۔ جس جگہ کو امیر المؤمنین نے دارُ الکفر قرار دے کر وہاں سے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا ہو، اگر کوئی مسلمان وہاں سے ہجرت نہ کرے۔ تو اس پر یہ قیاسی حکم منع وراثت کا بھی عائد ہو سکتا ہے نہ کہ عام طور سے صرف اختلاف ملک کو سببِ منع عن الارث قرار دے دیا جائے۔

اسی طرح جو شخص کہ اپنے مورث کو قتل کر دے۔ یقیناً سیاست کا یہی تقاضا ہے کہ وہ وارث قاتل اپنے مورثِ مقتول کے ترکہ سے محروم کر دیا جائے، یہی عین انصاف اور بالکل مقتضائے عقل ہے۔

**حجب** | باقی رہا حجب یعنے ایک وراثت دوسری وراثت کو بالکل محروم کر دے۔ مثلاً اولاد کے ہوتے مورث کے بھائی بہن کو کچھ نہیں ملتا۔ جس کو "حجب حرمان" کہتے ہیں۔ یہ محض علماء کی منطق آرائی ہے۔ درحقیقت بھائی بہن اولاد کے ہوتے میت کے وارث ہی نہیں ہیں۔ جس طرح دادا، باپ کے ہوتے وارث ہی نہیں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ باپ دادا کا حاجب، اور اولاد، بھائی بہن کے حاجب ہوتے ہیں، محض منطق آرائی ہے۔ قرآن مبین اس قسم کی منطق آرائیوں سے بالکل پاک ہے۔ اسی طرح حجب نقصان بھی صرف منطق ہی منطق ہے۔ اگر یہ سمجھنا صحیح ہے کہ اولاد کی وجہ سے والدین اور ازواج کا حصہ کم ہو جاتا ہے اس لئے اولاد ان کے حاجب باعتبار حجب نقصان کے ہو جاتے ہیں۔ تو پھر یہ کیوں نہیں کہا جاتا ہے کہ بیٹی نہ ہوتی تو بیٹے کو کل مال مل جاتا۔ بیٹی نے ایک ثلث بیٹے

کے حصے میں سے کم کر دیا۔ اس لئے بیٹی، بیٹے کے لئے حاجب باعتبار حجب نقصان ہوگئی۔ اور اگر صرف ایک بیٹی ہوتی تو اس کو نصف مال مل جاتا۔ کئی ہوگئیں تو ایک دوسرے کے لئے حاجب ہوگئیں اور اگر صرف ایک بیٹی ہوتی تو اس کو نصف ملتا بیٹے کی وجہ سے اس کو ثلث ملا اسلئے بیٹا بیٹی کا حاجب ہوگیا۔

غرض حجب کے یہ سارے مسائل علماء کی منطق آرائی ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں قرآن مبین اس کی تصریح سے بالکل خالی ہے۔

**مگر** علماءِ کرام کی یہ حجب والی منطق چونکہ بہت متعارف ہو چکی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کا ماخذ قرآن مبین ہی ہے اس لئے کہ جب قرآن مبین بھائی بہن کی وراثت کے لئے میت کے لاولد ہونے کی شرط لگا رہا ہے۔ تو اس سے بدلالۃ النص یہ بات ضرور ثابت ہوئی کہ اولاد بھائی بہن کے حاجب عن الارث ہیں۔ اسی طرح جب اولاد کی وجہ سے والدین وازواج کے حصے کم ہو جاتے ہیں تو اولاد کی وجہ سے والدین وازواج کو حجب نقصان ہوا۔ اور پھر اس اجتہاد پر علماء نے ایک مستقل عمارت حجب کے قانون کی کھڑی کر رکھی ہے تو ضروری ہوا کہ ذرا اس عمارت کی بھی سیر کر لی جائے۔ اگر یہ عمارت واقعی قرآنی درایت کے مطابق ہے تو رکھی جائے ورنہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر دکھا دی جائے کہ اس کی حیثیت نسج عنکبوت (مکڑی کے جالے) سے زیادہ کی نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر غور کرنے سے پہلے ذیل کے عنوانات پر ایک نگاہِ انصاف ڈال لینا ضروری ہے۔ جو حسب ذیل ہیں

**غیر وارث حاجب نہیں ہوسکتا** جو شخص کسی خاص موقعہ پر کوئی حصہ معین نہیں پاتا۔ وہ کسی دوسرے صاحب فرض کا اسی موقعہ پر کبھی حاجب نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ ایسا شخص اس موقعہ پر ایک اجنبی کی حیثیت رکھتا ہے اور ایک اجنبی کسی کی وراثت پر اثر انداز ہو، اس کی کوئی وجہ عقلاً، انصافاً اور مذہباً نہیں ہوسکتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سوا جملہ صحابۂ کرام اور تمام ائمۂ احناف

وشوافع کے نزدیک جو وارث کہ محروم عن الارث ہو، کسی دوسرے وارث کا حاجب نہیں ہوتا۔ جیساکہ سراجیہ میں لکھا ہے۔ والمحروم لا یحجب عندنا یعنے ہم لوگوں کے نزدیک محروم الارث کسی کا حاجب نہیں ہوتا ہے۔ محروم الارث درحقیقت اپنے رشتے کے اعتبار سے وارث ضرور ہے۔ مگر ایک عارضی وجہ سے محروم عن الارث ہوگیا ہے۔ جب وہ کسی دوسرے وارث کا حاجب نہیں ہوسکتا۔ تو جو شخص سرے سے وارث ہی نہیں ہے۔ کس طرح کسی دوسرے کا حاجب ہوسکتا ہے؟ محروم عن الارث اور وارث میں تقابل عدم وملکہ ہے۔ اور وارث وغیروارث میں تقابل تضاد۔ وشتان بینھما۔ محروم پھر بھی وارث ہے۔ مگر محروم عن الارث ہے۔ اور غیر وارث تو بالکل اجنبی ہے۔ جو لوگ ایک وارث کو اس کے محروم عن الارث ہونے کی وجہ سے کسی کا حاجب نہیں بتاتے ہیں۔ وہ ایک اجنبی غیر وارث[۱] کو کسی وارث کا حاجب کس طرح بناتے ہیں۔ حیرت ہی حیرت ہے۔

## عصبۂ محض، کسی صاحب فرض کا حاجب نہیں ہوسکتا؟

جو وارث ایک مخصوص صورت میں صرف عصبہ ہوجائے وہ کسی دوسری صورت میں صاحب فرض ہی کیوں نہ ہو، مگر جس صورت میں وہ صاحب فرض نہیں ہے۔ صرف عصبہ ہے وہ اس صورت میں کسی حصہ پانے والے صاحب فرض کا حاجب[۲] نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ عصبہ کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ وہ تو صاحبانِ فروض کا پس خوردہ لے لیتا ہے، جو کچھ بھی اس کی قسمت سے بچ جائے۔ پس صرف اس لئے کہ اس عصبہ کے لئے زیادہ بچ جائے۔ کسی صاحب فرض کو محجوب نہیں قرار دیا جاسکتا۔

---

[۱] قال الامام الشافعی فی اصح قولہ۔ انما یحجب من یرث فلما من لا یرث لا یحجب حاشیہ مولانا عبدالحیٰ بر شریفیہ ونقل قول علی رضی اللہ عنہ وھوان القربیٰ انما یحجب اذا کانت وارثۃ (شریفیہ اواخر ص۴۳) [۲] شریفیہ کی عبارت ہے جو باب العول میں منقول ہے۔

یعنی ذوی الفروض مقدمون علی العصبات

## عصبہ محروم ہوسکتا ہے، حجب نقصان اس کو نہیں ہوتا۔

چونکہ عصبہ کا کوئی حق معین نہیں، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں عصبہ کو فلاں وارث کی وجہ سے حجب نقصان ہوا۔ اس لئے کہ جتنا بھر ذوی الفروض سے بچ رہا۔ چاہے وہ کم ہو یا زیادہ وہی تو اس کا حق ہے۔ کم کیا ہوا اور کہاں ہوا۔ البتہ ایک عصبہ کو دوسرا عصبہ یا کوئی صاحب فرض محروم کردے سکتا ہے۔

## بعض صاحب فرض عصبہ بھی ہوجاتے ہیں؟

بعض ذوی الفروض عصبہ بھی ہوجاتے ہیں لیکن اپنا فرض لینے کے بعد۔ جب اور دوسرے اہل فرض اپنا حصہ لے چکے تو جو باقی بچا اس کو بھی وہ عصوبتًا لے لیتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ صرف صاحب فرض رہ جائے اور دوسرے عصبہ قوی کی وجہ سے حق عصوبۃ سے محروم ہوجائے۔ عنوانات مذکورہ کے علاوہ مسئلہ حجب کو سمجھنے کے لئے آیاتِ وراثت پھر ایک بار سمجھ لینے کی ضرورت ہے اس لئے سنئے۔

## تفسیر رکوع دوم سورۂ نساء

یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِی اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ اولاد سے متعلق یہ ایک اُصول بنا دیا کہ اولاد کے حصوں میں ایک مَرد کو دو عورتوں کا حِصّہ ملے گا۔ کسی کے ایک بیٹا ایک بیٹی ہو تو بیٹی کا دونا بیٹے کو ملے گا۔ اس لئے ایک بیٹے کا حصّہ دو بیٹیوں کے کے برابر ٹھہرا۔ یہیں سے دو بیٹیوں کا حصّہ بھی معلوم ہوگیا۔ یعنے ایک بیٹا ایک بیٹی ہو تو میت کا مال تین جگہ (یعنی تین حصّوں میں) تقسیم ہوا۔ ایک ثلث ایک بیٹی کو ملا، اور دو ثلث ایک بیٹے کو، کیونکہ دو ثلث کو دو بیٹیوں کا حصّہ بتایا گیا۔ اس لئے صرف دو بیٹیاں ہوں تو یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان دونوں کو دو ثلث ملے گا۔ مگر اب سوال یہ رہ گیا کہ اگر دو سے زیادہ صرف بیٹیاں ہوں تو کیا ملے اور صرف ایک بیٹی ہو تو کیا دیا جائے۔ اس کو یوں بتا دیا۔ وَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ

ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ دو بیٹیوں کا حال تو معلوم ہو چکا اگر دو سے زیادہ صرف بیٹیاں ہی ہوں۔ جب بھی دو ثلث ہی ان سب کو ملے گا ہاں اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اس کو نصف مال دیا جائے گا۔ یہ صورتیں اس موقعہ کے لئے بتائی گئیں کہ میّت کے ورثہ صرف اولاد ہی ہوں اور بس[1] ۔ اس حالت میں ایک صورت تو

---

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) [1] قرآن مبین نے یہاں پر عجیب وغریب بلاغت سے کام لیا ہے۔ پہلے اولاد کا لفظ مذکور ہو چکا ہے اس لئے ضمیر اس کے بعد جمع مؤنث کی لاکر کہا فان کن نساءً چونکہ جمع کی ضمیر تھی۔ اس لئے تثنیہ سے بچنے کے لئے فوق اثنتین خاص طور سے کہا کہ اثنتین چھوٹ جائے۔ اس لئے نہیں کہ دو بیٹیاں ہوں تو ان کے لئے کوئی دوسرا حکم ہے بلکہ اس لئے کہ اول تو للذکر مثل حظ الانثیین کے سلسلے میں دو بیٹیوں کا حظ حصہ بتا دیا ہے کہ اگر ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہو تو بیٹی کو ایک ثلث اور بیٹے کو دو ثلث ملے گا، تو جو بیٹے کو یہاں ملا۔ یعنی دو ثلث وہی اگر صرف دو بیٹیاں ہوں تو ان کو ملے گا۔ تو دو بیٹیوں کے حصے کا ذکر گذر چکا۔ اب ضرورت ہے دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کے حصوں کی، اور دو سے کم ہو تو اس کے حصے کی۔ اس لئے یہاں فوق اثنتین کہا اور اس کے بعد وان کانت واحدۃ کہہ کر ایک کا حصہ بھی بیان کر دیا۔ ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر یہاں دو بیٹیوں کا حصہ بیان کر دیا جاتا۔ تو چونکہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر ملے گا فوراً ہی گمان ہوتا کہ ایک بیٹے کا حصہ بھی دو بیٹیوں کی طرح ثلثان ہی ہے۔ اس لئے یہاں پر دو بیٹیوں کے حصے کا بعبارۃ النص ذکر ہی نہیں کیا اوپر ہی بدلالۃ النص ظاہر کر دیا

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] اگر میت کے زوج یا زوجہ بھی ہو یا والدین یا ان میں کا ایک بھی ہو تو ان کے حصص دینے کے بعد ما بقی مال کو اولاد پر للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کر دیا جائیگا۔ اگر صرف بیٹیاں ہی احد الزوجین یا والدین یا احد الابوین یا ان سب کے ساتھ ہوں تو حسب سہام صورت مسئلہ قائم کر کے ترکہ تقسیم کر دیا جائیگا۔ رد کا موقعہ ہوگا تو رد ہوگا۔ عصوبۃً کسی کا حق ہوگا تو عصوبتاً ملے گا۔ — ما بقی اس لئے کہ بیٹے کا معین کر کے نہیں بتایا ہے اس لئے بیٹا عصبہ ہے اور بیٹے کے ساتھ اگر بیٹی یا بیٹیاں ہوں تو بھائی کی معیت کی وجہ سے وہ بھی عصبہ ہو جائے گی اور وہ نصف یا ثلثان نہیں پائے گی۔ بلکہ عصوبتاً للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق پائیں گی۔ نصف ایک بیٹی کو اور ایک سے زائد کو ثلثان جب ملتا ہے کہ کوئی بیٹا نہ ہو۔ صرف بیٹی یا بیٹیاں ہی ہوں کیونکہ کئی اولاد اگر نساء ہوں۔ جب یہ صورت بتائی ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے وان کن نساءً یعنی اولاد صرف نساء ہی ہوں تب اسی طرح وان کانت واحدۃ سے بھی یہی مراد ہے کہ اولاد اگر صرف ایک ہی بیٹی ہو۔

یہ بتائی گئی کہ بیٹا ایک ہو یا زیادہ ہوں اور بیٹی بھی اس کے ساتھ ایک یا زیادہ ہو تو بیٹے یا بیٹیوں کو دو یا دو دو حصّے اور بیٹی یا بیٹیوں کو ایک یا ایک ایک حصّہ، اس طرح کل مال تقسیم کر دیا جائے گا۔ صرف بیٹیاں ہوں تو دو ثلث ان کو ملے گا۔ ایک ثلث باقی کا ذکر نہ کیا کہ کس کو دیا جائے۔ اسی طرح ایک بیٹی ہی صرف ہو تو اس کو نصف مال ملے گا۔ باقی نصف کس کو ملے اس کو بیان نہ کیا۔ اس لئے کہ قرآن مبین میں عصبہ کا حصّہ معیّن نہیں فرمایا گیا ہے۔ اگر کوئی عصبہ ہوگا تو اس کو ملے گا۔ ورنہ وہی صاحب فرض عصبہ ہو کر لے لے گا۔ جس کو رَد[1] کرنا کہتے ہیں۔ یا بقول امام شافعی و امام مالک رح اگر اسلامی بیت المال ہو تو باقی حصّہ عصبہ نہ ہونے کی صورت میں بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ جہاں بیت المال اسلامی اصول پہ نہ ہو وہاں وہی رَد صحیح ہے۔

قرآن مبین نے اولاد کے حصّوں کا بیان کر کے میّت کے والدین کے حصّے بیان کر دئیے۔ اس لئے کہ اولاد کے بعد میّت سے قریب تر اس کے والدین ہی ہیں۔

تو فرمایا کہ اگر اولاد کے ساتھ والدین بھی وارث ہوں ولابویہ لکل واحد منهما السدس مما ترك ان كان له ولد یعنے اولاد کے ہوتے والدین محروم الارث نہ ہوں گے۔ دونوں ہوں تو دونوں کو ایک ایک سدس ملے گا۔ اور باقی مال حسب تصریح سابق اولاد میں منقسم ہو جائے گا۔ اگر بیٹا نہ ہو صرف ایک یا چند بیٹیاں ہی ہوں تو ماں کو تو ایک سدس ملے گا۔ اور بس۔ اور باپ کو ایک سدس حصّہ فرض ملے گا اور جو کچھ ایک بیٹی کو دے کر بچے گا۔ وہ عصوبۃً باپ کو ملے گا۔ اگر صرف ایک ہی بیٹی ہے۔ کیونکہ ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوئیں جب تو فاضل بچتا ہی کہاں ہے، ہاں اگر ماں نہ ہو صرف باپ ہو

---

[1] رد کی اصطلاح ایک نئی چیز فقہ میں قائم کی گئی ہے۔ اسی لئے ایک جماعت کو اس سے سخت اختلاف رہا ہے اور اس نے اس رد کو مداخلت فی الدین قرار دیا ہے۔ میں نے اس کو بھی عصوبت ہی قرار دیا ہے جس کی تفصیل میرے کتاب الفرائض میں آئیگی۔ انشاء اللہ تعالے؛ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رد آیا کل مابقی کا ہوگا بلا تعیین حصص یا تعیین حصص کے ساتھ۔ اگر تعیین حصص کے ساتھ ہے۔ جب البتہ عصوبۃ کی نوعیت نہ ہوگی مگر ایسا ہوتا نہیں ہے۔ بعض ورثہ کو تو مستحق رَد نہیں قرار دیتے اور بعض کو قرار دیتے ہیں۔ پھر تعیین حصص میں رد کے بعد بھی کچھ بچا جا سکتا ہے اور پھر نہ بچ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ جزو لا یتجزی رہ جائے اور نہ بٹ سکے اور جب بلا تعیین حصص بعض ذوی [illegible] قرار دینا۔

اور ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو باپ کو وہ ماں والا سدس عصوبۃً مل جائیگا۔

وَاِن لَّمۡ یَکُن لَّہٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ اور اگر میت کے اولاد ہی نہ ہو، نہ بیٹا ہو نہ بیٹی، صرف والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو ایک ثلث ملے گا۔ باپ کے متعلق کچھ نہیں فرمایا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ باقی مال کا وارث عصوبتًا ہوگا اس لئے کہ اس کی وراثت تو وَوَرِثَہٗ اَبَوٰہُ میں مذکور ہو ہی چکی ہے۔ تو جب وہ وارث تو قرار دے دیا ہی گیا۔ مگر اس کا حصّہ معیّن نہیں کیا گیا۔ صرف ماں کا حصہ معیّن کر دیا گیا تو اس کے یہی معنی ہیں کہ باقی کل مال کا باپ ہی وارث ہوگا، مگر اس کو بیان نہیں کیا، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی یہ وراثت محض عصوبتًا ہے۔ اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ باقی مال باپ کا حق ہے تو پھر وہ صاحب فرض ہو جاتا۔ غرض یہاں باپ کے حصّے کا مطلق کچھ ذکر نہ کرنا اس کی دلیل نہیں ہے کہ وہ یہاں محروم الارث ہے۔

پھر والدین ہی کے متعلق ایک صورت اور بیان کی گئی۔ فَاِن کَانَ لَہٗۤ اِخۡوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ یعنے اس لاولد میّت کے اگر والدین بھی ہوں اور بھائی بہن بھی ہوں تو اس حالت میں ماں کو صرف سدس ملے گا۔ یہاں بھی باپ کے حصّے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا اور نہ اخوۃ کے متعلق کچھ فرمایا گیا۔ باپ کے متعلق تو اس لئے کہ پہلے بھی صرف ماں ہی کا حصّہ بتایا گیا تھا۔ باپ تو ما بقی کا عصوبۃً پانے والا ہے۔ اس لئے نہ پہلے اس کے حصّے کا ذکر کیا نہ اس موقعہ پر۔ مگر اخوۃ کے متعلق جو یہاں سکوت اختیار کیا گیا۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ یہ بھی باپ ہی کیطرح عصبہ بن جائیں گے

---

لہ وورثہ ابواہ کا فقرہ بظاہر بیکار سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ وَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہٗ ولد فلامّہ الثلث کہنا کافی تھا مگر وورثہٗ ابواہ کہہ کر بتا دیا کہ اولاد نہ ہو تو ما ترک میں سے والدین نہیں پائیں گے۔ بلکہ مَا وَرِثَاہ میں سے پائیں گے۔ اس لئے کہ ایسی حالت احد الزوجین ہوں تو پہلے ان کو دیکر جو بچے گا اس میں سے ماں کو ثلث ملے گا۔ اور باقی دو ثلث باپ عصوبتًہ لے گا۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ کلالہ یعنے لاولد کی ماں بھی باپ کے ساتھ یا باپ کی طرح عصوبت کی نوعیت حاصل کرلے گی۔ چاہے باپ ہو یا نہ ہو۔ لہ ورثہٗ کی ضمیر مفعولی میّت کیطرف پھرتی ہے نہ کہ ما ترک کیطرف۔

اور نہ یہ مطلب ہے کہ ان کا مطلقاً کوئی حق ہی نہیں۔ اگر ان کا کوئی حق ہی نہ ہوتا تو ان کے وجود سے ماں کا حصّہ کم نہ ہوتا۔ یہ مَیں لکھ چکا ہوں کہ جو وارث کسی موقعہ پر مستحق ارث نہیں ہوتا۔ وہ اس موقع پر حاجب بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ از رُوئے محاورۂ عرب حاجب اسی کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان خود آ جائے۔

## حاجب کی لغوی معنی سے استدلال

حَجَبَ بینھُما ای حال بینھما حجب کے معنی جو منع کے لکھے ہیں۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے یہ حاجب خود دو چیزوں کو باہمی اتّصال سے مانع ہو جاتا ہے نہ کہ عام طور سے منع کے معنی ہیں۔ حجب استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کیا موانع عن الارث کو حواجب کہہ سکتے ہیں۔ یمنعونُ الماعون کی جگہ یحجُبون صحیح ہو سکتا ہے! اس لئے حاجب وہی شخص ہے جو کسی وارث اور اس کے حق ارث کے دَرمیان خود آ جائے اور کُلاً یا جزءً اس کو اس کے اس حق سے محروم کر کے وہ خود لے لے نہ کہ دوسرے کو دِلوا دے۔

میں یہ بھی پہلے کہہ چکا ہوں کہ اللہ تعالے نے کسی ایسے شخص کا ذکر کسی موقع پر اس سلسلۂ بیان وراثت میں نہیں کیا ہے۔ جہاں اس کا وراثتاً کوئی حق نہ ہو۔ اس لئے اخوۃ کا جب یہاں ذکر آیا ہے اور وہ ماں کے حصّے میں جزئی طور سے حاجب ہو گیا ہے تو اس موقعہ پر اس کا ضرور کچھ نہ کچھ حصہ ہے۔ اگر اس کا ذکر آگے نہ آتا تو یہ بھی عصبہ ہی سمجھا جاتا۔ جیسا کہ باپ کے حصّے کا ذکر ماں کے ساتھ نہیں کیا گیا تو سمجھا گیا کہ وہ عصبۂ محض یہاں پر ہے۔ صرف عصوبۃً وارث ہو گا۔ مگر چونکہ اخوۃ کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ اس لئے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ اخوۃ عصبہ نہ ہوں گے بلکہ ذوی الفروض میں ہیں اور ان کے حصّوں کا ذکر آگے آتا ہے۔ یہیں پر ان کے حصّوں کی تفصیل نہیں فرمائی گئی صرف اس لئے کہ نظم کلام میں ابتری نہ پیدا ہو۔ الاقرب فالاقرب کا جو اصول سلسلۂ بیان

---

لہ جیسا کہ حضرت علی المرتضےٰ رض کا قول ہے وھوان القربیٰ تحجب اذا کانت وارثۃ (شریفیہ اواخر ۱۲۳)
اور امام شافعی رح وغیرہ کا قول بھی یہی ہے جس کا ذکر مولانا عبدالحی رح نے حاشیہ شریفیہ میں کیا ہے دیکھو حاشیہ ۲۵) ۔ ۔

میں ضروری ہے وہ قائم رہے۔ اولاد اور والدین کے بعد میت سے قریب تر ازواج ہیں اس لئے پہلے ازواج کا ذکر کر لیا جائے۔ جب اخوۃ کا ذکر بالتفصیل آئے گا۔ چونکہ ازواج کے حصص کے متعلق کوئی تشریح طلب بات نہیں ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر اس سے قطع نظر کرتا ہوا اخوۃ ہی کے بیان پر آجاتا ہوں تاکہ یہاں پر میرا سلسلۂ کلام باقی رہے۔

ازواج کے حصص بیان فرما کر اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ج فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ [۲] کلالہ کی مفصل بحث اُوپر گذر چکی ہے۔

---

[۱] ایک ترکیب اور بھی بعضوں نے لکھی ہے کہ کان کو تامہ قرار دیجئے اور رجل کی صفت یورث کلالہ حال یا تمیز یہ سب مل کر معطوف علیہ امرأۃ معطوف ولہ اخ او اخت رجل کا حال، ان سب کے ساتھ رجل کان کا اسم یا فاعل۔ اور اس جملہ شرطیہ کی جزاء فلکل واحد منہما السدس ہوا۔ مگر اس ترکیب کی رکاکتیں نمایاں ہیں۔ ہر صاحب بصیرت سمجھ سکتا ہے اور یہ سوال باقی رہتا ہے کہ آخر اس گنجلک ترکیب اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی صاف یوں ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ وان کان الکلالۃ لہ اخ او اخت الخ [۱] اس کے بعد ہے من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین غیر مضار۔ ہر جگہ یوصی بہا۔ توصون بہا وغیر مضارع معروف ہی مناسب مقام آیا ہے مگر یہاں مضارع مجہول لایا گیا۔ یورث کی مناسبت سے۔ مگر اس کا فاعل وہی ہے جو یورث کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے۔ چونکہ وہ بہت دُور پڑ گیا ہے۔ اسلئے یوصی کو بصیغۂ معروف لاکر اسی رجل کیطرف ضمیر نہیں پھیری۔ اس لئے بھی کہ اس کے وہاں مفعول مالم یسم فاعلہ ہونے کی وجہ سے کسی کا ذہن مشکل سے اسی کیطرف جائیگا کہ وہی رجل جو وہاں مفعول مالم یسم فاعلہ تھا۔ یہاں فاعل ہے۔

[۲] وان کان رجل یورث کلالۃ ای من ورثہ ابواہ کلالۃ۔ یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ والدین کی وراثت کی حالت میں جب اخوۃ بھی ہوں۔ اس وقت اخوۃ کو کیا ملے گا۔ یہاں اس کا بیان ہے۔ اور [illegible] میں حاشیہ [illegible] میں لکھا جا چکا ہے کہ یہاں لاولد کے والدین کے حصے جو بیان کئے گئے ہیں۔ وہ مما ترک نہیں ہیں بلکہ مما ورث الابوان میں سے ہیں یا مما ورث المیت کہیئے۔ اسی سے لاولد میت کے والدین بھی ہوں اور احد الزوجین بھی تو پہلے احد الزوجین کو دیکر جو بچے۔ اس میں سے ثلث ماں کو ملیگا اور باقی باپ کو عصوبۃً ملے گا۔ یہاں بھی وہی یورث کا لفظ آیا ہے۔ جس کا عطف اور معنوی معنی اسی آیت سے ہے اور یہاں بھی کہیں مما ترک

کہ اس سے مراد وہ مورث ہے جس کے وارث مَاخلا الوالد والولد ہوں۔ اعم اس سے کہ والدین بھی اس کے وارث ہو رہے ہوں، یا نہ ہو رہے ہوں۔

یہ بھی مذکور ہو چکا ہے کہ یہاں رجل یورث موصوف مع صفت کان کا اسم ہے اور کلالۃً اس کی خبر اور یہی ترکیب صحیح ہے۔ حال و تمیز کی ترکیب نحوی قاعدے سے صحت سے دور ہے۔ بالفرض اگر کلالۃ کو حال کہیئے جب بھی یہاں کلالہ وصفی ہی معنی میں ہوگا۔ اور اس سے مورث ہی مُراد ہوگا۔

اگر معنی مصدری میں لے کر کلالۃً کو تمیز قرار دیجیئے۔ جب بھی اس کا ممیز یورث کی ضمیر ہی ہوگی جو موروث منہ یعنی موروث ہی ہے۔ غرض بہر حال کلالہ سے مورث ہی مراد ہوگا اور ہر پھر کر اس کا حمل رجل ہی پر ہوگا۔ اور اس کے بعد جو ولہٗ اخ او اخت ؓ ہے یہ عطف تفسیر کا مفہوم دے رہا ہے اگرچہ عطف تفسیری درحقیقت نہیں ہے اور کلالہ کی ہی تشریح ہے۔ اس لئے اس ولہٗ کی ضمیر رجل ہی کیطرف پھرے گی۔ اگر خواہ مخواہ کلالہ کیطرف بھی پھیرے تو جب کلالہ کا حمل رجل ہی پہ ہے تو پھر تو اصل مرجع رجل ہی ہوگا۔ اتنی <u>تصریح کے بعد آیت کا صحیح ترجمہ سنیئے۔ اور اگر وہ مرد جو موروث منہ بنایا جا رہا ہے</u>

---

کا لفظ نہیں ہے۔ اسلئے ما ورث ہی یہاں بھی مراد لیں گے۔ تو احد الزوجین اور الوین کے ساتھ اگر اخوۃ بھی مورث کلالہ کے ہوں تو والدین کیطرح اخوۃ کو بھی ما بقی من احد الزوجین میں سے ہی حصے ملیں گے۔ فافهم وتدبر۔ اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ باپ کیطرح لاولد میت کی ماں بھی عصبہ ہو جاتی ہے اور بھائی بہن بھی، باوجود ذوی الفروض ہونے کے۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ عصبۂ ذوی الفروض ہیں۔ فرض معین کیوجہ سے ذوی الفروض ہیں۔ او ما بقی کے مستحق ہونے کی وجہ سے عصبہ ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ ماں عصبہ ہے اگر باپ یا اخوہ بھی ہوں تو اس کو حق عصوبت جو اس کی میراث ہے اس میں سے ثلث ملیگا۔ اور اگر باپ یا اخوۃ نہ ہوں تو کل مال ماں کو عصوبتاً لے لینا چاہیئے۔ ثلث فرض معین اور باقی عصوبۃً۔ اگر باپ بھی ہو تو ماں عصوبتاً ہی لے گی۔ ما بقی ہی میں سے مگر ثلث فرض معین اور اگر باپ کے ہوتے اخوۃ بھی ہوں تو ماں سدس لے گی۔ فرض معین۔ مگر حق عصوبت ہی میں سے یعنی ما بقی ہی میں سے۔ بھائی یا بہن ایک ہی ہوں تو وہ ایک سدس جو ماں سے بچا وہی بہن

کلالہ ہو یعنے اس کے ایک بھائی یا ایک بہن (بھی) ہو توان بھائی بہن میں سے ہرایک کے لئے ایک ایک سدس ہے۔ اور اگر ایک بھائی اور ایک بہن سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک ثلث میں شریک ہوں گے۔

اس کے سوا اس عبارت قرآنیہ کا کوئی دوسرا ترجمہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ ان کان رجل یورث کلالۃً کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ اِن کانَ رَجل یرثہ اَبَواہ کلالۃ۔ اس کی پوری بحث توضیح عطف وصل کی سُرخی کے تحت میں ؎ میں گذر چکی ہے

اگر وہی مورث جو والدین کا مورورث منہ تھا۔ یہاں مراد نہ ہوتا تو ان کان رجل یورث کلالۃ کے عوض صرف وان کان کلالۃ یا وان کان وارثۃ اخ او اخت کلالۃ فرمایا جاتا یہ طوالت بیان اس لئے اختیار کی گئی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ وہی مورورث ہے جو والدین کا مورورث منہ تھا۔

## اِخوۃ کی مزید تشریح

ماں کے حصے کی تشریح میں اخوۃ کا ذکر بصیغہ جمع آیا ہے۔ اس لئے مفسرین کو پھر دقت کا سامنا ہوا کسی نے کہا کہ تین سے کم کی تعداد ماں کے حصہ کو ثلث سے سدس نہیں کرسکتی۔ اس لئے کہ تین سے کم پر جمع کا اطلاق نہیں ہوتا۔ کسی نے کہا کہ اُصولاً ما فوق الاثنین پر جمع کا اطلاق ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ دو کی تعداد بھی ہو تو ماں کو سدس ہی ملے گا۔ مگر صرف ایک اخ یا اخت ہو تو ان دونوں فریق کے نزدیک ماں کا حصہ ثلث ہی رہے گا۔ ہرگز کم نہ ہوگا۔ اور چونکہ روایات کا ذخیرہ ایسا فیاض ذخیرہ ہے کہ جس خیال کا آدمی بھی اس ذخیرے میں ہاتھ ڈال کو ڈھونڈے اس کو اپنے مطلب کے موافق کچھ نہ کچھ روایت ضرور مل جائے گی۔ اس لئے ان دونوں فریق میں سے ہر فریق نے اپنے اپنے موافق روایتیں

---

؎ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یا بھائی لے گا۔ عصوبتہً ہی یعنے مابقی ہی میں سے مگر فرض معین۔ اگر باپ نہ ہو صرف ماں ہو تو ماں ایک سدس فرض معین حق عصوبت ہی یعنی مابقی ہی میں سے لے گی۔ اور باقی کل مال اخوۃ لے لیں گے۔ للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق۔ اور اگر صرف بہن ہو ایک ہی تو بہن نصف لے گی۔ ایک سے زیادہ ہو تو ثلثان باقی دوسرے عصبوں کو ملے گا۔

بھی پیش کر دیں مگر درحقیقت نہ یہ روایتیں قابل اعتماد ہیں، نہ یہ اقوال قابل تسلیم ہیں اس لئے کہ یہ اقوال اور ان کی حمایت میں جو روایتیں بنالی گئی ہیں۔ وہ صرف اسی خیال پر مبنی ہیں کہ یہ اخوۃ صرف ماں کا حصّہ کم کر دے سکتے ہیں خود کچھ پا نہیں سکتے۔ چونکہ والد میت کے ہوتے یہ خود محروم بلکہ غیر وارث ہیں۔ اس لئے ان کا وجود صرف ماں کے حق میں مضر ہے اور بس؛ ہاں باپ کے لئے یہ ضرور مفید ہو جاتے ہیں کہ ماں کا حصّہ کاٹ کر باپ کو دلوا دیتے ہیں۔ مگر اس کے لئے صرف ایک بھائی یا ایک بہن کا ہونا کافی نہیں۔ کسی نے کہا کہ دو سے کم نہ ہوں۔ کسی نے کہا کہ تین سے کم نہ ہوں، کیونکہ اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔

### حقیقت حال

تیسرادلی اصلی تشریح

حقیقت یہ ہے کہ اخوۃ اگرچہ جمع کا صیغہ ہے مگر واحد تثنیہ دونوں کو شامل ہے اسی لئے جہاں علیٰ سبیل التردید ایک یا دو یا دو سے زیادہ افراد کسی چیز کے مراد ہوں تو ایسے مواقع میں اس کا صیغہ جمع ہی عموماً استعمال کرتے ہیں اس لئے کہ واحد و تثنیہ کو جمع شامل ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ والدین کے ساتھ میّت کا ایک بھائی یا بہن یا دو بہنیں یا دو بھائی یا ایک بھائی اور ایک بہن یا دو سے زیادہ بھائی بہن مخلوط یا صرف بہنیں یا صرف بھائی ہی ہوں گے۔ یہ وللہ اخوۃ کہہ دینا تمام صورتوں پر حاوی ہے۔ ورنہ جس طرح میں نے تفصیل کی ہے۔ اتنی لمبی تفصیل کی جائے۔ جب ہی پورا مفہوم ادا ہو سکتا ہے۔ اگر نہ وہ اختصار کی صورت اختیار کی جائے، نہ یہ تفصیل کی صورت، تو ان دو کے علاوہ جو صورت بھی اختیار کی جائے گی، کبھی پورا مفہوم ادا نہ ہو سکے گا۔

## اِجعلُوا الاخوات مع البنات عصبة موضوع حدیث

شریفیہ صـ۴۹ میں بضمن بیان عصبات "عصبہ مع غیرہ" کی تفصیل میں ہے۔ من قوله عليه السلام: اجعلوا[۱] الاخوات مع البنات عصبة۔ والمراد من الجمعين

[۱] یہ حدیث یا تو موضوع ہے اس لئے کہ اخوۃ صرف کلالہ ہی کے وارث ہو سکتے، جس میّت کے ایک [illegible]

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مِنْهُمَا هُوَالجنس واحدًا کان او متعدِّدًا تو جس طرح اس حدیث میں اخوات اور بنات بالصیغۂ جمع ہونے کے باوجود واحد و تثنیہ وجمع سب پر دلالت کر سکتے ہیں قرآن مبین کی اس آیت میں اخوۃ کا لفظ واحد و تثنیہ و جمع سب پر کیوں دلالت نہیں کرسکتا؟ یہاں ما فوق الواحد اور ما فوق الاثنین کی بحث خواہ مخواہ کیوں نکالی گئی؟

غرض اخوۃ میں کا ایک فرد بھی اگر ہوگا تو ماں کا حصّہ ضرور کم ہوکر ثلث سے سُدس ہوجائے گا۔ اور وہ ایک سُدس جو ماں کے حصّے سے نکلا وہ اسی کا حق ہوگا۔

## اخوۃ کے حصّوں کی تشریح

وہی اخوۃ یعنی لاولد میّت کے وہ بھائی یا بہن جنہوں نے ماں کا حصّہ ثلث سے سدس کر دیا تھا، ایک ہی ہوں یا دو یا دو سے زیادہ میت کے ابوین کے ہوتے کلالۃً یعنی غیر والد و ولد ہونے کی حیثیت سے اس میّت کے وارث ہو گئے۔ اور انہوں نے ماں کا حصّہ گھٹا کر ثلث سے سدس کر دیا، اب ان کے حصص کا ذکر یوں فرمایا گیا۔

وان کَانَ رجلٌ یُوْرَثُ کَلٰلَةً ولہٗ[1] اخ او اختٌ فَلِکُلِّ واحدٍ منهما السدسؕ[2]

یعنے ابوین کے ہوتے لاولد میت کے بھائی یا بہن اگر کلالہ ہوں یا کلالۃً وارث ہوں تو ہر ایک کو ایک ایک سُدس ملے گا۔ یعنے اگر ایک ہی بھائی یا ایک ہی بہن ہو تو اس کو وہی سدس مل جائیگا جو ماں کے حصّے سے نکلا ہے اور اگر ایک بھائی اور ایک بہن یعنے دو وارث ہوں تو ہر ایک کو سدس ملے گا۔ ایک سدس تو وہی جو ماں کے حصّے سے نکلا۔ اور دوسرا سدس باقی مال سے گویا اس سے حصّہ جو باپ کو عصوبتاً ملتا۔ اس طرح ایک سدس ماں کے حصے سے نکلا اور ایک سدس باپ کے متوقع حق سے۔

---

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) بیٹی بھی ہو وہ کلالہ نہیں ہوسکتا۔ یہاں تو بنات ہیں تو جس کو قرآن نے کچھ بھی نہ دلایا، بلکہ محروم قرار دیا، رسول اللہ صلعم جن پر قرآن اترا۔ مرہی قرآن کے خلاف اس کو بیٹیوں کے برابر کس طرح حصہ دلواتے یا یہ کسی خاص موقع پر آپنے فرمایا ہوگا۔ جبکہ بنات کو اس بات پر راضی پالیا ہو کہ ان کی پھوپھیوں کو بھی انکے برابر برابر حصہ ملا تو یہ ایک اتفاقیہ صورت تھی۔ جسکے لئے آپنے ایسا کیا۔ فقہاء نے اس اتفاقیہ واقعہ کو ایک حکم دائمی قرار دیکر اس کو ایک مستقل قانون قرآن کے خلاف بنالیا افسوس

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] یہ واؤ عطف مفید معنی تفسیر ہے یورث کلالۃ کی تفسیر یوں فرمائی گئی کہ لہٗ اخ او اخت [2] السدس یہ بیان ہوا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سدس ماں کے حصے سے نکلا ہے۔

وَاِنْ کَانُوْا اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِی الثُّلُثِ اور اگر دو سے زیادہ ہوں
تو وہ سب کے سب اسی ثلث میں شریک ہوں گے۔ جس کا نصف ماں کے حصّے سے
نکلا ہے اور نصف باپ کے متوقع حق سے یا وہ ثلث معہود مُراد ہے جو دو سدس کی
شکل میں ایک ایک ہر دو کو فلکلّ واحدٍ منھما السّدس کے رو سے ملا تھا یہ کچھ
زیادہ اقرب معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں الثّلث میں الف لام عہد کا ہے جس طرح
اوپر السدس میں الف لام عہد کا تھا اور اس سے وہی سدس مراد تھا جو ماں کے حصّے
سے کٹ کر نکلا تھا۔ دوسری جگہوں میں السدس، الثّلث یا النّصف جو آیا ہے وہاں
الف لام صرف عوض مضاف الیہ ہے[1]۔ یعنے سدس ما ترك و ثلث ما ترك و
نصف ما ترك۔ یہاں بھی وہ صُورت موجود ہے مگر افادۂ معنے عہد کے ساتھ۔ اور یہ
دائر و سائر ہے، اہل ادب سے پوشیدہ نہیں

## آخر سورۂ نساء کی تفسیر

والدین کے ہوتے اخوۃ کے حصّوں کا تو ذکر ہو چکا آخر سورۂ نساء میں دوسری صُورت کی تفصیل بیان
کر دی۔ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ط اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗ
اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ج وَهُوَ یَرِثُهَا اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ۔ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ
فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ط وَاِنْ كَانُوْا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ
الْاُنْثَیَیْنِ یہاں کلالہ کی صحیح تعریف بتاکر اخوۃ کے حصص بتائے کہ جس لاولد میت کے
صرف ایک بہن ہو تو اس کو نصف مال ملے گا۔ اگر صرف ایک بھائی ہو تو اس کو پورا مال
ملے گا۔ للذکر مثل حظّ الانثیین کے مطابق اور اگر صرف بہنیں ہوں دو یا دو سے زیادہ
تو ان کو دو ثلث ملیں گے اور اگر بھائی بہن ہوں تو للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق پورا مال ان میں تقسیم کر دیا جائیگا۔

---

[1] الف لام جو عوض مضاف الیہ آتا ہے۔ درحقیقت عہد ہی کا ہوتا ہے مگر اس عہد سے عموماً وہی مضاف
بسوئے مضاف الیہ معہود ہی مراد ہوتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی اور معنی مراد نہ ہو یا مراد نہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ الثلث،
السدس، النصف وغیرہ سے ثلث ما ترک اور سدس ما ترک اور نصف ما ترک ہی مراد ہے مگر بعض وقت جہاں وہ عہد
عموی بالکل عام فہم ہو۔ کوئی دوسرا عہد بھی معہود ہو سکتا ہے۔ جیسے نعم العبد انہ اوّاب میں العبد کا الف لام اگرچہ
عوض مضاف الیہ ہے اور مراد اس سے عبد اللہ ہے مگر الف لام عہد سے حضرت ایوبؑ کی ذات معہود ہے اور کبھی

**تثنیہ بجائے جمع بھی آتا ہے**

یہاں تثنیہ کا صیغہ آیا ہے جو جمع کو بھی شامل ہے اسی اعتبار سے کہ اصولاً جمع مافوق الوَاحِد ہی کو لکھتے ہیں۔ امرؤ القیس کا مشہور و معروف قصیدہ جو معلقات سبعہ کا پہلا معلقہ ہے۔ یوں شروع ہوتا ہے۔ ؎

قفا نبكِ من ذكرى حبيبٍ ومنزلِ    بسَقطِ اللّوى بينَ الدخول فحَومل

تمام شارحین کا اتفاق ہے کہ قفا[1] بصیغہ تثنیہ اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرکے شاعر کہہ رہا ہے۔ کمی غور و تدبر کیوجہ سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اسکے دو ہی ساتھی وہاں پر تھے حالانکہ وہ خود لکھتا ہے۔

وقوفاً بها صحبی علیّ مطیہم    یقولون لا تهلك اسًى وتجمل

اس لئے صاف پتہ مل گیا کہ اس کے ساتھی دو سے زیادہ تھے اسی لئے صحبی اور پھر ہم اور یقولون کہا ہے مگر شروع میں بصیغہ تثنیہ مخاطب کیا ہے کیونکہ جمع کے مافوق الوَاحِد ہونے کو ہر شخص اُصولاً جانتا ہے۔ پھر اس میں ایک پہلو مبالغہ کا بھی رہتا ہے۔ قفا نبک سے مُراد یہ ہے کہ تم دو بھی ہو تو ٹھہرے رہو۔ ایسا نہیں ہے کہ صرف زیادہ ہی لوگوں کی روک تھام اور پند و نصیحت سے ہمیں الجھن ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی جو فرمایا گیا کہ وان کانتا اثنتین یعنے تین چار پانچ ہی نہیں اگر دو بھی ہوں تو انہیں ثلثان ہی ملے گا۔ اس عنوان بیان میں درحقیقت اس چیز کی اہمیت دکھانا مقصود ہوتی ہے کہ یہ ایسی چیز ہے کہ ایک سے بڑھتے ہی جمع کا اطلاق اس پر ہوگیا۔

بعض وقت یہ عنوان صیغہ واحد کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کو

---

[1] بعض لوگوں نے قفا کے الف کو نون تاکید خفیفہ سے مبدل قرار دیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ نون تاکید خفیفہ کی صرف رسم خط نون کی جگہ الف سے بشکل نون تنوین بعض قبائل عرب کے نزدیک ہے۔ مگر تلفظ اس کا نون ہی سے ہوتا ہے بالکل نون تنوین ہی کیطرح سے جیسے قرآن مجید میں ہے۔ لنسفعاً بالناصیۃ ط لنسفعاً فعل ہے اور فعل کو تنوین نہیں ہوتی۔ پھر اس پر لام تاکید بھی ہے۔ اس لئے یقیناً یہ نون تاکید ہے۔ قفا پر نہ لام تاکید ہے نہ اس کا تلفظ کسی نے نون کے ساتھ کیا ہے۔ تنوین تو ہے نہیں کہ وقف کی حالت میں الف ہو جائے گا۔ اس لئے یہ صیغہ تثنیہ کا ہے

امتہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا کہ وہ تنہا ایک جماعت ہیں۔ اور والذین کفروا اولیاءھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات میں طاغوت صیغہ واحد ہے مگر اس کی طرف ضمیر جمع کی پھری۔ اس لئے کہ ایک طاغوت بھی دوسروں کو طغیان میں مبتلا کر دینے کے لئے ایک جماعت ہی ہے۔

## اثنتین سے دو کیطرح دو سے زیادہ بھی مراد لینا بالکل محاورۂ

## عرب کے مطابق ہے۔

غرض یہاں اثنتین سے دو کیطرح دو سے زیادہ بھی مراد لینا بالکل محاورۂ عرب کے مطابق ہے اور اس میں ایک نہایت لطیف بلاغت ہے[1]۔ اس کو نہ سمجھنا ادب عربی سے بے ذوقی کی دلیل ہے اور اس کے لئے روایات کی پناہ پکڑنا قرآن مبین کو غیر واضح الدلالت علی المعنیٰ قرار دینا ہے۔

غرض ایک میت لاولد کی کلالۃ وراثت والدین کے ہوتے بھی بھائی بہن کو پہنچ سکتی ہے اور والدین کے نہ ہونے پر بھی۔ پہلی صورت میں والدین کے حصوں کی وجہ سے بھائی بہن کو کم ملے گا۔ اور دوسری صورت میں چونکہ صرف وہی وارث ہو گئے ہیں۔ اس لئے ان کے حصّے زیادہ ہو گئے۔ یعنی باپ یا ماں یا دونوں کی اولاد نے خود میت کی اولاد کی جگہ لے لی۔ پہلی آیت جو آیت الشتاء ہے۔ اس میں پہلی صورت بیان فرمائی گئی ہے اور دوسری جگہ آیت الصیف میں دوسری صورت کی تشریح کی گئی ہے۔ مفسّرین بے سود روایات سے دھوکا کھا کر مخمصے میں پھنسے اور مضمون کو خبط کر گئے۔

## مفسّرین کے دھوکا کھانے کی وجہ

مفسّرین کو اصل دھوکا یہی ہوا کہ وہ کلالہ کے معنے یہی سمجھے کہ من لا والد لہٗ ولا ولد لہٗ اور آیت الصیف میں انہوں نے دیکھا کہ یہ ایسی صورت ہے جس میں میت کے نہ والدین ہیں نہ ولد۔ اس لئے انہوں نے دونوں جگہ کلالہ کی ایک ہی صورت سمجھ

---

[1] یہ وہی مبالغہ والا پہلو جو اُوپر مذکور ہوا

لی اور پھر حصّوں میں تفرقہ دیکھ کر اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں سمجھا کہ وہاں صرف اخیافی مراد ہوں اور یہاں عینی و علاتی۔ اور پھر اس کو مضبوط کرنے کے لئے روایتیں بھی بہم پہنچائی گئیں اور مزید احتیاط کے لئے ایک قراءت شاذہ بھی تصنیف کر لی گئی اور جب یہ سب ہو چکا تو باپ کو اخوۃ کا حاجب بھی بنا دیا گیا۔

## عصبۂ محض کسی صاحب فرض کا حاجب نہیں ہو سکتا۔

حالانکہ باپ ان صورتوں میں صرف عصبہ ہے، صاحب فرض نہیں۔ اور عصبۂ محض کبھی کسی صاحب فرض کا حاجب نہیں ہو سکتا۔ جس کی تفصیلی بحث ہم اوپر کر چکے ہیں۔ غرض باپ کبھی اخوۃ کا حاجب نہیں ہو سکتا۔

### مسئلہ حجب

یہ تو میں لکھ چکا کہ کلالہ کے معنی من لاولد لہ ولا والد قرار دے کر ہمارے علمائے فرائض نے خواہ مخواہ باپ کو اخوۃ کا حاجب قرار دے دیا۔ اور پھر فرائض میں حجب کے مختصر سے مسئلے کا ایک طویل باب تمام کر کے اس کے لئے من گھڑت اور محض بے دلیل شرطیں اور قیدیں لگا لگا کر کلالہ والے مغالطے کو اور بھی خوب اچھی طرح مضبوط کر دیا۔ کہ بعد والے کلالہ کے متعلق تو یہی یقین کرنے لگے کہ بس اس کے معنے تو من لاولد لہ ولا والد کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں۔ اس لئے۔ اِنْ کان رجل یورث کلالۃً او امراۃٌ ولہٗ اخ او اخت میں بھی اسی طرح ایک مردۂ بے ولد و بے والد مراد ہے جس طرح ان امرُؤٌ ھلک لیس لہٗ ولد وّلہٗ اخت میں کلالہ بے ولد و بے والد مقصود ہے اور اخ واخت کو جب ہی حصہ مل سکتا ہے جب کہ مورث کے نہ والد ہوں نہ ولد۔ اسی لئے یہ خلاف عقل قاعدہ بنانا پڑا کہ جو خود محجوب یعنے محروم عن الارث ہو وہ بھی دوسرے کا حاجب ہو سکتا ہے تاکہ میّت

لہ آیت صیف میں جو صورت مسئلہ مذکور ہے اس میں تو میت کے باپ ماں کوئی بھی نہیں۔ اس لئے تعجب ہے کہ کلالہ کے لئے صرف والد و ولد ہی کے نہ ہونے کی شرط کیوں لگائی۔ عدم والدین کی شرط لگا دی ہوتی۔ اور جب صورت مسئلہ میں باوجود باپ ماں کے نہ ہونے کے کلالہ کے ماں ہو سکتی ہے تو پھر باپ کیوں

کے والدین اور اخوۃ اگر ہوں تو باپ کی وجہ سے تو خود اخوۃ محروم عن الارث ہو جائیں گے مگر ماں کے لئے حاجب بن کر ماں کا نصف حصہ ضرور گھٹا دیں گے۔ کیوں؟ یہ پوچھنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔

## مسئلہ حجب میں غلطیاں اور اس کے اسباب

ایک سب سے بڑی اور فاحش غلطی تو یہی ہوئی کہ کلالہ کے معنی یقین کر لئے مَن لَّا وَلَدَ لَہٗ وَلَا وَالِدَ ۔ جس کو میں براہین قاطعہ سے ثابت کر چکا کہ غلط ہے۔ کلالہ کے صحیح معنے یہی ہیں کہ وہ "مورث لاولد" جس کے وارث بھائی بہن یا دوسرے نسبی قرابت مند ہوں" اعم اس سے کہ اسکے والدین بھی وارث ہو رہے ہوں یا نہ ہو رہے ہوں۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ باپ کو اخوۃ کا حاجب قرار دے دیا محض اس غلط فہمی کی بناء پر کہ کلالہ من لا ولد لہٗ ولا والد ہے۔ یعنی قرآنی آیتوں میں کلالہ کو وارث کے معنی میں لے لیا اور ولد کیطرح والد کو بھی اس کا حاجب بنا لیا۔

تیسری غلطی یہ کہ محجوب محروم کو بھی دوسرے کا حاجب قرار دیدیا۔ اس کی بناء بھی اسی کلالہ کے غلط معنی پر ہے۔ اس لئے کہ جب تک یہ اصول کہ محجوب محروم بھی حاجب ہو سکتا ہے۔ صحیح نہ مان لیا جائے۔ چاہے بلا دلیل ہی سہی، اس وقت تک اخوۃ کو باپ سے محجوب اور ماں کا حاجب کس طرح مانا جائیگا۔

چوتھی غلطی یہ کہ حجب کا اصول قرآن مبین سے مستنبط کرتا تھا تاکہ وہ قطعی اور صحیح اصول ہو مگر اس صورت میں ان کی غلط فہمیاں کھپ نہیں سکتی تھیں۔ اس لئے بطور خود وہمی وفرضی قیاسات پر چلے تو دو اصولیں بنائے۔ پھر ان دونوں میں جیسے جیسے ضرورت پیش آتی گئی۔ شرطیں بڑھاتے گئے۔ پھر بھی کام نہ نکلا تو ان دو اصلوں سے بالکل الگ تیسری چیز بھی ضرورت سے مجبور ہو کر نکال کر رکھ دی۔ غرض جس طرح من گھڑت اور خود ساختہ ضرورتیں ہیں۔ اسی طرح من گھڑت اصول ہیں اور ان کی شرطیں بھی ویسی ہی من گھڑت ہیں۔

# تفصیل شرائطِ حجب

## حجب کی پہلی شرط اِدْلاَء

حجب کے لئے پہلی شرط ادلاء قرار دی ہے ۔ ادلاء کے معنی انتماء، انتساب اور توسل کے خود فقہاء اور اہل لغت لکھتے ہیں۔ ادلاء کی تعریف طحطاوی سے ردّ المختار نے اور اس کے محشیٰ شریفیہ نے حاشیہ نمبر ۲، صـ۵۸ میں یوں لکھی ہے۔

> الادلاء لغۃً ارسال الدلو فی البئر ثم استعمل فی کل شئ یمکن فیہ دلو بطریق المجاز یعنی یدلی الی المیت یرسل قرابتہ الیہ بشخص۔ والباء فیہ للالصاق فالقرابۃ مشترکۃ بین المدلی والواسطۃ[1]

اس تعریف سے یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ اصطلاحی ادلاء جو یہاں حجب کے لئے شرط قرار دیا گیا ہے۔ اس کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ جو قرابت مدلی بہ کو میت سے ہو وہی قرابت مدلی کو بھی ہو اور مدلی بہ[2] اور مدلی مشترک فی القرابۃ الی المیت ہوں جیسے باپ اور دادا کہ ابوۃ میں دونوں شریک ہیں اور بیٹا اور پوتا، کہ بنوۃ میں دونوں شریک ہیں۔ مولانا عبد الحیٔ مرحوم بھی خود شریفیہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں، دیکھئے حاشیہ[3] متعلق صـ۱۲ و صـ۳۰ - واما الادلاء فانما یکون سَبَبًا للحجب لاجل المشارکۃ بین المدلی والمدلی بہ فی النصیب بان یکون المدلی شریکًا فی النصیب المدلی بہ۔ مولانا عبد الحی رح کے اس حاشیہ نے اور بھی واضح کر دیا کہ مدلی اور مدلی بہ

---

[1] الادلاء بمعنی مصدر دلیٰ یدلو دلواً ودلیٌ بمعنی الاستشفاع والتوسل والطلب۔ یقال دلی حاجۃ الیہ دلوًا ای عدہا علیہ ودلوت بہ الیک استشفعت بہ۔ [2] اور یہی واسطہ مدلی بہ کہا جاتا ہے۔ [3] جب ادلاء مشارکۃ فی النصیب ہی کی وجہ سے حجب کا اثر پیدا کرتا ہے تو جہاں ادلاء مشارکۃ فی النصیب سے معری ہو کبھی اس کو سبب حجب نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کو خوب یاد رکھئے آئندہ بھی لوگ صرف خالی از مفہوم مشارکت ادلاء کو سبب حجب بتائیں گے۔ اور اس کی بحث آئے گی۔ [4] شریک فی النصیب ہونے کے مفہوم کو خود مولانا عبد الحیٔ یہاں واضح کرتے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں صرف اشتراک فی القرابت ہی نہ ہو بلکہ اشتراک فی النصیب بھی ہونا ضروری ہے۔ یعنی مدلی کا خود کوئی حصہ یا کوئی حق اس میت کے مال میں نہ ہو مگر مدلی بہ کا حصہ یا حق تھا۔ جو اس کے نہ ہونے کی وجہ سے مدلی کو مل گیا[1] غرض وہی حصہ وہی حق تھا۔ مدلی بہ کا جو مدلی کو مل جاتا ہے۔ ورنہ خود مدلی کو میت کے مال میں بذات خود بلا واسطہ کوئی حق نہیں ہوتا جس طرح دادا کا پوتے کے مال میں کوئی حق نہیں۔ مگر باپ نہ ہو تو وہی حق جو باپ کا ہوتا دادا لے لیتا ہے۔ اسی طرح پوتے کا بذات خاص دادا کے متروکہ میں کوئی حق نہیں مگر اسی پوتے کے باپ کا حق بیٹا ہونے کی حیثیت سے ضرور تھا جب وہ بیٹا نہ رہا تو بیٹے کا بیٹا اسی حق کا مستحق ہو گیا

## اتحاد سبب ارث

اسی اشتراک فی القرابۃ اور اشتراک فی النصیب کو دوسرے لفظوں میں علمائے فرائض نے "اتحاد سبب ارث" کہا ہے۔ کیونکہ اصل سبب ارث، قرابت ہے۔ جو مدلی اور مدلی بہ میں مشترک ہے۔ یعنے وہ ایک ہی قرابت ہے۔ جو مدلی بہ کے واسطہ سے مدلی تک پہنچتی ہے۔ اسی طرح اصل وارث بھی ایک ہی ہے جو در اصل مدلی بہ کا حق ہے۔ مدلی بہ نہ ہو تو بواسطہ مدلی بہ مدلی کو مل جاتا ہے۔ گویا مدلی درحقیقت مدلی بہ کا وراثت میں نائب ہوتا ہے۔

غرض حقیقۃ الامر یہ ہے کہ ادلاء بغیر اتحاد سبب ارث کے مسئلہ حجب میں بالکل بے اثر ہے۔ مگر ہمارے علماء کو اپنے مفروضہ و مزعومہ حجبیات کو ثابت کرنے

(حاشیہ صفحۂ گذشتہ) ہیں کہ مدلی کا بذات خود کوئی نصیب یعنی کوئی حصہ معین نہ ہو بلکہ مدلی بہ کے حصے میں مدلی شریک ہو۔ کوئی بتلائے کہ خود مولانا ہی کی بیان کردہ تعریف سے پدر میت اور برادر میت کے درمیان ادلاء کس طرح ثابت ہو سکتا ہے؟ اس لئے کہ لاولد میت کے باپ کا کوئی حصہ معین ہی نہیں کہ اس میں دوسرا شریک ہو سکے۔ وہ تو دوسرے ذوی الفروض سے جو کچھ بچے گا وہی لیگا۔ برادر بھی ایک ذوالفرض ہے یہ لیگا تو اپنا ذاتی حصہ لیگا۔ نہ کہ باپ کے حصہ میں سے۔ ہاں ماں کا حصہ جو نصف کٹ گیا وہ البتہ یہ لیگا۔ یہ بھی ادلاء نہیں ہے۔

[1] (حاشیہ صفحۂ ہذا) بھائی بہن کو ماں کے نہ ہونے کی وجہ سے ماں کا حصہ نہیں ملتا ہے۔ ماں کے ہوتے ہوئے ماں کے ثلث میں سے کٹ کر جو ایک سدس ملتا ہے، یہ بھی محض آپ کا قیاس ہے۔ اخوۃ کے ساتھ ماں کا حصہ ثلث ہے ہی نہیں، صرف ایک سدس ہی ہے جس طرح بیٹی کے ہوتے بیٹے کا کل مال نہیں ہے اور اولاد کے ہوتے شوہر کا نصف نہیں ہے۔ اسلئے اخوۃ اور ماں میں ادلاء نہیں ہے۔

کے لئے لکھنا پڑا۔ ثم نقول ھٰھنا معینان اتحاد السبب والادلاء۔ ولکل منھما تاثیر فی الحجب فکما ان اتحاد السبب اذا انفرد[1] عن الادلاء تعلق بہ حکم الحجب کذالک اذا انفرد الادلاء عنہ ثبت بہ الحجب ایضًا (شریفیہ ۱۴) مگر اس کی کوئی دلیل شرعی نہیں۔

## ادلاء خود سبب حجب نہیں بلکہ سبب حجب کیلئے ایک شرط لازمی ہے۔

اشتراک فی القرابۃ والنّصیب ضرور سبب حجب ہے مگر بغیر اولاد کے نہیں مثلاً چند بیٹے باہم اشتراک فی القرابۃ بھی رکھتے ہیں۔ اور فی النصیب بھی اسی طرح چند بیٹیاں، چند بھائی، چند بہنیں اور ان میں باہم اتحاد سبب ارث بھی ہے مگر اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے حاجب نہیں ہوتے۔

غرض اشتراک فی القرابۃ والنصیب ضرور سبب حُجب ہو جاتا ہے مگر اولاد کے ساتھ، نہ صرف اولاد کا کوئی اثر مسئلہ حجب میں ہو سکتا ہے۔ نہ صرف اشتراک فی القرابۃ کا اور نہ صرف اشتراک فی النصیب کا۔

"اتحاد سبب ارث" جو درحقیقت اشتراک فی القرابۃ واشتراک فی النصیب کے مجموعے کا ایک دوسرا نام[2] ہے، بس یہی سبب حجب ہے اور ادلاء اس کی ایک شرط ضروری ہے۔

مگر اشتراک فی القرابۃ کہئے یا فی النصیب، یا اتحاد سبب ارث کہئے۔ ان میں

---

[1] قال فی الشریفیہ ۱۴ ویسقطن الجدات کلھن بالام اما الامویات فلوجود الادلاء واتحاد السبب الذی ہو الامومۃ واما الابویات فلاتحاد السبب وحدہ لیس کذالک لان ھٰھنا اثر للقرب والبعد فان الام ہی اقرب من ام الاب فلذالک ترث، لام ولا ترث معہا ام الاب وستعرفہ فی بیان فی اصل الثانی۔

[2] اس لئے کہ سبب ارث قرابت ہے اسی لئے اقربون ہی کو حق وراثت حاصل ہوتا ہے۔ ایک ہی طرح کی قرابت دو شخصوں کو میت سے ہوگی تو دونوں مشترک فی القرابت اور متحد فی سبب الارث ہوں گے۔ غرض اشتراک فی القرابت کو ادلاء کے مفہوم میں داخل سمجھنا اور اتحاد سبب ارث کو خارج قرار دینا ایک عجیب بات ہے۔

اور نیز ادلاء میں الاقرب فالاقرب کا اُصول ضرور ملحوظ رہے گا۔

اگر بغیر اتحاد سبب ارث یعنے بغیر اشتراک فی القرابت والنصیب دو شخصوں میں ادلا ہو تو بقول سیّد شریف جرجانی ایسا ادلا سبب حجب نہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

فان المدّلی بہ حینئذٍ یاخذ نصیبہ المستند الی سببہ والمدلی یاخذ نصیبًا اٰخر مستندًا الیٰ سبب اٰخر۔ فلاحرمان۔ کما فی الام واولادِ ھا۔ تو پھر یہی صُورت فی الأب واَولادِہٖ میں کیوں نہ ہوگی۔ دونوں میں نہ اشتراک قرابت ہے نہ اشتراک نصیب ہے نہ اتحاد سببِ ارث ہے۔ تو ایسا ادلاء جو اشتراک قرابت و اشتراک نصیب سے معرّا۔ ہو وہ ادلاء ہی کہاں ہے جو مؤثر فی الحجب ہو سکے گا۔ اسلیے یہ کہنا کہ کذالك اذا انفرد الادلآء عنہ (ای عن اتحاد سبب الارث) ثبت بہ الحجب ایضًا بالکل لایعنی وخلاف عقل ہے

اور یہ تو خود علماء فرائض بالاتفاق کہتے ہیں کہ تنہا ادلاء کچھ کام نہیں آتا۔ بلکہ وہ ادلاء کے لئے دو میں سے ایک شرط ضروری سمجھتے ہیں یا تو مدلی بہ مستحق جمیع مال متروکہ کا ہو یا مدلی بہ اور مدلیٰ میں اتحاد سبب ارث ہو جیساکہ مولانا عبدالحی رح حاشیہ[۱] متعلقہ ص۱۴ پر ص۱۴ میں لکھتے ہیں:۔

وحصول الحاصل اَنّ الاَدلآء انما یوجب الحجب اذا کان المدلی بہ عُصبۃ مستحقًّا بجمیع المال او اتحد فی سبب الارث کما ان ام الام تسقط لوجود الام واب الأب یسقط لوجود الاب لان سبب الارث ھو الامومۃ والأبوۃ۔ فثبت ان الادلاء مطلقا لیس سببا للحجب بالحرمان بل الادلاء الخاص سببٌ لہ

---

[۱] سید شریف جرجانی کی یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ ادلاء بغیر اتحاد سبب ارث کے اگر ہو تو وہ کبھی موجب حرمان عن الارث نہیں ہو سکتا۔ جیساکہ ام اور اولاد ام میں ادلاء تو ہے۔ مگر اتحاد سبب ارث نہیں ہے تو خدا کے لئے کوئی بتائے کہ اب اور اولاد اب میں صرف ادلاء بغیر سبب ارث کے کس عقل سے باعث حرمان

## استحقاق جمیع مال کی قید

استحقاق جمیع مال کی قید صرف اسلئے لگائی گئی، تاکہ صرف باپ اخوۃ کا حاجب ہو سکے۔ اور ماں نہ ہو اور اس کی بنیاد بھی صرف کلالہ کے معنی غلط من لا ولد له ولا ولد ہی پر مبنی ہے اس لئے کہ کلالہ ہی کے بھائی بہن کو ترکہ ملتا ہے۔ غیر کلالہ کے بھائی بہن محروم ہوتے ہیں اور کلالہ کے معنی بدقسمتی سے سمجھ چکے ہیں "جس لاولد کے باپ بھی نہ ہو" اس سے یہ ان کے زعم میں ظاہر ہوگیا کہ جس طرح ولد، اخ واخت کا حاجب ہوتا ہے۔ اسی طرح والد بھی حاجب ہوگا۔ اسی بناء پر وان کان له اخوة فلامّه السّدس میں یہ اخوۃ جو ماں کو اس کے نصف حصہ سے بظاہر حاجب ہو گئے ہیں۔ باپ کو ان کا مکمل حاجب بنا دیا گیا اور یہ بے چارے جو مجازی حاجب تھے حقیقی محجوب ہو کر رہ گئے۔

مگر باپ کو ان اخوۃ کا حاجب کس بناء پر قرار دیا جاتا ہے کہ یہاں ادلاء ہے بظاہر گو ادلاء معلوم ہوتا ہے۔ لغوی معنی کا اگر اعتبار کیجئے تو اخوۃ کی قرابت باپ ہی کے توسل سے قائم ہوئی ہے۔ اس لئے اخوۃ مدلی اور باپ مدلی بہ کہے جا سکتے ہیں۔ مگر نہ یہ ادلاء مصطلح ہے نہ اس ادلاء کا کوئی اثر حجب عن الوراثۃ میں لیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ امام طحاوی کی تحریر اور ردّ المختار کی تصدیق اور محشّی شریفیہ کی توثیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ادلاء کے لئے مدلی و مدلی بہ میں باہم اشتراک فی القرابت ضروری ہے اور باپ اور اخوۃ میں ہرگز ہرگز اشتراک فی القرابت نہیں۔ دونوں کی قرابتیں دو طرح کی ہیں۔ پھر حضرت مولانا عبدالحی رحمہ نے قرابت کو بدل کر نصیب کا لفظ مصلحتًا رکھا اور ادلاء کے

---

ہ مصلحتًا اس لئے میں نے کہا کہ مولانا یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ اخوۃ کو باپ کو ہوتے۔ اگر سدس مل گیا تو یہ سدس تو اسی جمیع سے نکلا جو باپ کو عصوبتًا ملتا۔ اس لئے کہ اخوۃ کو محروم کر دیا گیا تو صرف ماں کو ایک سدس ملا اور باقی پانچ سدس باپ نے لے لیا اور اگر اخوۃ کو دلوایا گیا۔ تو اسی باقی پانچ سدس میں سے ایک سدس یا دو سدس یعنی ایک ثلث۔ اس لئے اخوۃ اور باپ دونوں شریک فی النصیب ہو گئے۔ حالانکہ یہ محض مغلطہ ہے کیونکہ شرکت فی النصیب اس وقت ہوتی کہ اخوۃ بھی عصبتًا ہی باپ کے عوض اسی حیثیت سے باپ کے حق عصوبۃ میں شریک ہوتے جس حیثیت سے باپ اس حق کا مستحق ہے۔ اخوۃ اگر ہیں تو ذوی الفروض ہیں۔ سدس یا ثلث پائیں گے تو اپنا فرض پائیں گے جس طرح ماں نے اپنا فرض پایا ان کے لے چکنے کے بعد مابقی باپ کا حق ہوگا۔ فاین الاشتراک فی النصیب۔

مفہوم میں مدلیٰ و مدلیٰ بہ میں اشتراک فی النصیب ہونا ضروری قرار دیا تو یہاں یہ بھی نہیں ہے یہاں تو باپ کا کوئی معین نصیب ہی نہیں۔ اور اخوۃ کا نصیب معین سدس یا ثلث ہے اخوۃ اپنا نصیب معین لیں گے۔ ان سے جو کچھ بچ رہے گا وہ باپ لے لے گا۔ باپ کو کوئی حق نہیں کہ اخوۃ کو ان کے حق سے محروم کر کے خود بلا استحقاق سارے مال کا حق بن بیٹھے۔ اگر یہی جبرہ دستی تھی تو ماں کا سدس بھی اس نے کیوں نہ چھین لیا۔

مگر چونکہ باپ کو اخوۃ کا حاجب بنانا ہے اس لئے یہاں اولاء میں ایک نئی شرط بلادلیل لگادی، وہ یہ کہ مدلیٰ بہ مستحق جمیع مال کا ہو تو فقط اولاء یعنے "دلائے" بے معنیٰ بھی مدلیٰ کو محجوب بنا دے گا۔

جب یہ کہا گیا کہ اگر میت کے ماں اور احد الزوجین بھی ہوں؟ جب تو باپ مستحق جمیع مال متروکہ کا نہ ہو سکے گا؟ اس لئے اس وقت تو ماں اور احد الزوجین کے طفیل میں اخوۃ بے چاروں کو ان کا حق مل جانا چاہیئے۔ تو کہا گیا کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ بالفعل وہ مستحق جمیع مال ہو۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ فی احد من الازمنۃ واحد من الحالات الممکنۃ وہ مستحق جمیع مال ہو سکتا ہو، تو اس کے لئے صرف اولاء کافی ہے یعنے لفظ اولاء اور وہ سارا اشتراک فی القرابۃ و اشتراک فی النصیب وغیرہ باطل ہوا۔ تو ایک کہنے والے نے کہا، کہ ایسا ہے تو ماں بھی تو بعض وقت مستحق جمیع مال ہو جاتی ہے یعنے اولادِ ام[1] اس کے مدلیٰ اور یہ ان کی مدلیٰ بہا بھی بغیر اشتراک فی القرابت و اشتراک فی النصیب کے یعنی اسی لا یعنی اولاء کے رُو سے ہو جاتے ہیں۔ تو پھر ماں اولادِ ام کے لئے حاجب کیوں نہیں ہوتی؟ تو کسی نے تو کہدیا کہ ماں مستحق جمیع مال ہوتی ہے۔ من جہتین۔ از رُوئے فریضہ

---

[1] کہا جا سکتا ہے کہ ام اور اولادام میں تو بظاہر اولاء | ام اور اولادام میں شرکت فی النصیب نہیں
معنوی بھی ہے۔ یعنی اگرچہ اشتراک فی القرابۃ نہیں ہے مگر اشتراک فی النصیب تو ضرور ہے اس لئے کہ صورت عدم اخوۃ ماں کو ایک ثلث یعنے دو سدس ملتے تھے۔ اخوۃ نے اگر ماں کے دو سدس میں سے ایک سدس لے لیا۔ اس لئے اخوۃ کو ماں کا شریک فی النصیب بظاہر کہا جا سکتا ہے۔ مگر درحقیقت یہ بھی شرکت فی النصیب نہیں ہے کیونکہ وحدۃ نصیب وحدۃ قرابت سے ہوتی ہے۔ جب قرابت کی نوعیتیں مختلف ہیں تو یقیناً وحدۃ

واز روئے رَد۔ اور یہاں مراد من جہتہ واحدہ ہے۔ جس طرح کہ باپ صرف عصوبۃً مستحق جمیع مال ہو جاتا ہے اور کسی نے کہہ دیا کہ اصل یہ ہے کہ مدلی بہ حجب مرد ہو، حجب صرف اولائے سے معتوب بشرط استحقاق جمیع مال بالقوۃ باعث حجب مدلی ہوگا اور مدلی بہ اگر عورت ہو حجب نہیں۔ کما- قالوا مافی بطون ھٰذہ الانعام خالصۃ لذکورنا ومحرم علیٰ ازواجنا ؛

غرض ایسی ایسی لچر اور بے بنیاد شرطیں محض اپنے مزعومہ مقاصد کی تکمیل کے لئے لگائی گئیں۔ مگر پھر بھی پوری طرح کام نہ نکلا۔ اور آخر گاڑی رک ہی گئی۔ مثلاً بنات الابن دو صلبی بیٹیوں کیوجہ سے ان فقہاء کے نزدیک محجوب محروم ہو جاتی ہیں۔ مگر نہ دو صلبی بیٹیاں مدلی بہ ہیں۔ نہ وہ بنات الابن مدلی ہیں، نہ ان میں کسی قسم کا اولاء ہے، نہ دو صلبی بیٹیاں مستحق جمیع مال من جہتہ واحدہ کبھی ہو سکتی ہیں۔ یہاں سبب حجب صرف اتحاد سبب ارث کو تنہا مان لیتے ہیں جو ان کے مزعومہ دونوں اصول سے جداگانہ ایک نئی چیز ہے۔ (اگرچہ میرے نزدیک تو بغیر اتحاد سبب ارث کے اولاء کا حجب عن الارث میں کوئی اثر ہی نہیں۔ کما بینا)

## صرف اتحاد سبب ارث کو علت حجب ہونا تھا مگر کیوں نہیں بنایا؟ اس کی وجہ

مگر انہوں نے تو اولاء، اور الاقرب فالاقرب ہی دو اصلیں رکھی ہیں۔ پہلی اصل جو ان کے نزدیک اولاء ہے۔ وہ یا تو استحقاق جمیع مال کے ساتھ مقید ہے یا اتحاد سبب ارث کے ساتھ مشروط۔ صرف اتحاد سبب ارث کو بغیر اولاء کے حجب کا مبنیٰ اگر مانتے تو دو اصل کے بجائے تین اصل یہ لوگ قائم کرتے۔ مگر اتحاد سبب کو اگر ایک مستقل اصل بناتے تو ان دونوں اصلوں کی لغویت کھل پڑتی اس لئے ایسا نہ کیا۔

---

[1] بایں طور کہ اولاء کے متعلق تو میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ یہ محض ایک شرط سبب حجب ہے ورنہ اتحاد سبب ارث کے بغیر اولاء کی مسئلہ حجب میں اور کوئی حیثیت نہیں ہے۔ استحقاق جمیع مال مذکور کی شرط بھی تو بالکل بے بنیاد

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

## اصل دوم کی حقیقت

دوسری اصل الاقرب فالاقرب قائم کی ہے یعنے جو وارث درجہ میں قریب ہو وہ بعید کا حاجب ہوجائے گا۔ عام عصبات میں تو اصل کو مطلق مانتے ہیں، مگر عصبات کے علاوہ ذوی الفروض و ذوی الارحام میں اس اصل کو بھی مشروط بہ اتحاد سبب ارث قرار دیتے چنانچہ شریفیہ میں لکھا ہے :-

قد مرّ فی باب العصبات انہم یرجحون بقرب الدرجۃ فالاقرب منہم یحجب الابعد حجب حرمان سواء اتحدا فی السبب اولا فہذا یجری فی غیرہم ایضا۔ لکن اذا کان ہناک اتحاد السبب

الغرض یہ اصل ثانی بھی بقول ان کے عصبات کے سوا اور جگہ اتحاد سبب ہی کی محتاج ہے تو جب تنہا اتحادِ سبب کو حجب کا موجب قرار دے ہی دیتے ہیں تو پھر یہ الاقرب فالاقرب والی اصل بے سود کیوں قائم کی۔ اور اولا بھی تو بغیر اتحاد سبب کے دراصل موجب حجب نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اولاء میں اشتراک فی القرابۃ اور اشتراک فی النصیب ضروری ہے جو دوسرے لفظوں میں اتحاد سبب ارث ہی ہے تو پھر اتحادِ سبب ارث ہی کو موجب حجب کیوں نہ قرار دیا جائے۔

---

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور لغو ہے اور خلاف عقل۔ اسی طرح مدلی بہ کا عورت نہ ہونا بھی ایک مضحکہ خیز شرط ہے۔ الاقرب فالاقرب میں بغیر اتحاد سبب ارث کسی جگہ بھی حجب ثابت نہیں۔ عصبات میں خود عصوبۃ ہی جب سبب ارث ہے تو دو عصبوں میں اتحاد سبب ارث اشتراک فی العصوبۃ کی وجہ سے کیوں نہیں مانا جائے گا۔ غرض جب کسی جگہ بھی اتحاد سبب ارث کے بغیر حجب کا کام نہیں چلتا تو پھر ایک اتحاد سبب ہی کو کیوں نہیں۔ علت حجب بنا لیتے۔ مگر اس وقت نہ باپ اخوۃ کا حاجب ہو سکتا ہے نہ چچا تیم بھتیجے کا۔ اور پھر حجب کا سارا شاخسانہ صحیح و مختصر ہوکر رہ جاتا جو مقصود نہیں۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) جب عصوبۃ سبب ارث ہے تو دو عصبوں میں تو اتحاد سبب ارث لازمی ہے، یہ سوال چہ معنی دارد؟ ہم دو عصبوں میں سبب ارث نفس عصوبۃ ہی کو کیوں نہ قرار دیں۔ چاہے وہ عصوبۃ کسی وجہ سے ہو۔

باقی رہا استحقاق جمیع مال بالعوصت کے ساتھ کھوکھلا اولاد جو اشتراک فی القرابت اور اشتراک فی النصیب سے بالکل خالی ہو، اس کی لغویت پوری طرح ظاہر ہو چکی۔ اس کو تو صرف کلالہ المعنی من لا ولد له ولا والد لے کر باپ کو اخوۃ کا حاجب قرار دینے کے لئے بلا دلیل خواہ مخواہ گھڑا ہے۔ اس لئے چاہئے تھا کہ صرف اتحاد سبب ارث ہی کو موجب حجب قرار دیتے اور اپنے مزعومہ دونوں اصولوں کو نکال پھینکتے کہ سارا فساد ان دو بے بنیاد اور غلط اصولوں اور ان لایعنی شرطوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

الاقرب فالاقرب والی اصل عصبات سے لے کر ذوی الفروض وغیرہ تک صرف اس لئے لاکر ٹھونسی گئی ہے کہ ایک یتیم پوتے کو اس کے دادا کے ترکے سے اس کے چچا کی وجہ سے محجوب و محروم کر دیا جائے۔ چنانچہ خود سید شریف شریفیہ میں یوں تحریر فرماتے ہیں :۔

وانما لم یکتف المصنف بالاصل الاول لئلا یتوهم ان ولد الابن ذكرا كان او انثیٰ یرث مع الابن الذی لیس بابیه فانه لا یدلی به۔

اس پر مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم حاشیہ لکھتے ہیں :۔

ووجه الوهم لان الاصل الاول للحجب منتفٍ هٰهنا لانّ ولد الابن (المتوفی) لیس یدلی بهٰذا الابن (الحی) فلما ذکر الاصل الثانی ایضًا اندفع (ای ذٰلك الوهم) لان فی الصورة المذکوره

---

الاقرب فالاقرب کے صحیح معنیٰ: الاقرب فالاقرب کا اصول ہے تو بالکل صحیح۔ مگر استحقاق ارث کے موقع پر یہ اصول رعی ہوا کرتا ہے۔ نہ کہ حرمان عن الارث کے موقع پر۔ الاقرب فالاقرب کے معنیٰ یہ ہیں کہ الاقرب یستحق ثم الاقرب یستحق ثم الاقرب وهلم جرًّا۔ نہ یہ کہ الاقرب یحجب ثم الاقرب فثم الاقرب۔ الاقرب فالاقرب کے یہ معنی کبھی نہیں ہو سکتے اور اس کی یہ شرح کہ الاقرب منهم یحجب الابعد ہرگز صحیح نہیں ہو سکتی مگر یہاں زبردستی ٹھونس ٹھانس کر اصول بنائے گئے ہیں۔ چاہے بنتے ہوں یا نہ بنتے ہوں۔ الاقرب فالاقرب استحقاق قرابت کے لئے ضرور ایک اصل قوی ہے جس پر میں آگے مسئلہ الحجب من القرآن کے زیر عنوان بحث کروں گا۔ انشاءاللہ

وان لم یوجد الاصل الأول لکن الاصل الثانی موجود البتہ فحجب ابن الابن (المتوفی) بالابن الآخر (الحی) لقربۃ منہ

اس تقریر سے صاف ظاہر ہوگیا۔ کہ یہ سارے من گھڑت قصے صرف اپنے مزعومہ مسائل کو ثابت کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ اور ان اصلوں کے لئے کوئی دلیل قرآنیہ وسنت سے نہیں پیش کی گئی ہے بجز اس کے کہ اپنی قیاسی منطق سے کام لیا گیا ہے اور بس۔

**بدترین مصادرہ علی المطلوب** یہ کتنا بھونڈا مگر پُرفریب مصادرہ علی المطلوب ہے کہ پہلے چند مسائل اپنے ذہن میں خود اپنی طرف سے یا بعض روایاتِ موضوعہ کی بنا پر قائم کر لئے جائیں اور پھر انہیں مسائل کے ڈھانچے پر ناپ ناپ کر اصول بنا لئے جائیں۔ پھر استدلال کے وقت وہی خود ساختہ اُصول ان مسائل مزعومہ کی صحت کی دلیل میں پیش کرکے مخالب سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ ان کے آگے سرِ تسلیم خم کرے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ ان اُصول کی سند میں یہ قرآن کی کوئی آیت تو کیا پیش کریں گے۔ کوئی صحیح روایت بھی پیش نہیں کر سکتے۔ کس قدر حسرت وافسوس کا مقام ہے کہ مسلمانوں کے حقوق ومعاملات کا دارومدار صرف اٹکل پچو باتوں پر قائم کرکے انہیں کو اصل دین قرار دیدیا گیا۔ افسوس!

**فیہ نظر** سراج الملۃ والدین محمد بن عبدالرشید سجاوندی نے سراجیہ میں مسئلہ حجب کی بناء جو دو اصلوں پر قائم کی اور صرف اصل اول پر اکتفا نہ کی۔ اس کی وجہ تو ناظرین کو معلوم ہوگئی کہ اگر صرف اصل اول ہی پر حجب کی بنا قائم کی جاتی ہے تو یتیم پوتے کو اسکے چچا محجوب نہیں کر سکتے اور فقہاء ان یتیموں کو محجوب کرانا چاہتے تھے۔ اور اصل دوم پر کیوں اکتفا نہ کی؟

لئلا یتوھم ان ام الام لاترث مع الأب۔ ھکذا قیل (وفیہ نظر) لانّ الاصل الثانی ان اُجری ھا ھُنا علیٰ ظاھرہٖ وانّ

وان الاقرب فی الدرجة مطلقاً یحجب الابعد لزم منه حجب
ام الام بالأب وحجب ابن الأخ لأب وام بالاخ لام
وان قید بان یکون الابعد مدلیاً بالاقرب، کان الاصل الثانی بعینه
الاصل الاول فلا معنی لجعلهما اصلین - وکان الوهم الاول
لانہ مّا رموا ان اولاد الابن یرثون مع الابن الذی لیس اباهم

---

فان قلت المراد ان الاقرب بحسب الدرجة من العصبات
یحجب الابعد ویدلّ علیٰ ذالك قوله "کما ذکرنا" فی العصبات۔
قلت هٰذا الاصل انما ذکر للفریق الثانی الذین یرثون
تارةً ویحرمون اُخریٰ فتندرج فیهم العصبات وغیرهم
فذکر العصبات علیٰ سبیل التمثیل دون التخصیص۔
اس پر حضرت مولانا عبدالحی رح حاشیہ تحریر فرماتے ہیں :-
(۱) وحاصل الایراد المصدر بقوله "وفیہ نظر الخ" ان
الاصل ان اجری علیٰ ما یستفاد ظاهراً رموا ان الابعد یکون
محجوباً بالاقرب سواء کان مدلیاً بالاقرب اولاً فیلزم
حجب ام الام بالاب لانها ابعد منه البتّة وان لم تکن مدلیةً
بها وحجب ابنُ الأخ العینی بالاخ الاخیافی لانّ الاوّل ابعد
من الثانی وان لم یکن مدلیاً به - وان ارید ان الابعدُ
المدلی یحجبًا لاقرب المدلی به یکون هٰذا الاصل عین
الاصل الاول معنًی - وتتمة الایراد انه ان ارید انّ الابعد
الغیر المدلی یحجب بالاقربُ الغیر المدلی به یلزم منه ما
یلزم علی الاول - وان ارید ما سواهُ فیجب ان یبین۔
مولانا مرحوم "فیجب ان یبین" تو فرما گئے مگر آخر یہ کس پر واجب ہے

اور اس واجب کو آج تک کسی نے ادا کیا یا نہیں ؟ اگر اس وقت تک کسی نے ادا نہیں کیا تو بغیر اس واجب کے ادا کئے عجب کا مسئلہ منقح و مرتب کس طرح ہو گیا۔

**محروم و محجوب کا فرق** وضاعین روایات اپنے فن میں بڑے ماہر ہوا کرتے تھے اور بہت دور سے اُبال کرتے تھے۔ اگر نماز کے متعلق کوئی روایت کرنی ہے اور ایک نیا مسئلہ نماز میں پیدا کرنا ہے یا کوئی نئی بدعت نکالنی ہے یا اختلاف ڈالنا ہے تو مثلاً کسی شخص کے نکاح کا کوئی ایک واقعہ وضع کر ڈالا اور نکاح چونکہ کسی نماز کے بعد مسجدوں میں ہی ہوا کرتا تھا۔ اس لئے واقعہ نکاح کو بیان کرتے ہوئے ضمناً یوں کہہ گئے کہ فلاں صحابی نے یا خلیفہ نے نماز پڑھائی اور اس طرح۔ اس کے بعد فلاں کا نکاح ہوا۔ یا مثلاً کسی خاص تاریخ روزہ رکھنے کی ایک روایت گھڑنی ہے اور یہ بدعت قائم کرنی ہے تو دو ایک روایات ایسی بھی ہونگی۔ جس میں صرف نفس امر کا ذکر ہو مگر چند روایتیں ایسی ضرور ہوں گی۔ جس میں اس روزے کے سلسلے میں کسی اور بات کا مستقل ذکر ہو گا۔ مثلاً فلاں شخص فلاں بزرگ کے پاس گئے۔ فلاں مسئلہ دریافت کرنے کو وہ فلاں روزہ رکھے ہوئے تھے یا وہ روزے سے تھے اور وہ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ تھی یا ایک اختلاف ایسا پیدا کر دیا کہ اصل مسئلہ کے متعلق تو چھان بین موقوف اور اس کے کسی ضمنی پہلو کے متعلق بحث و تحیص شروع ہو جائے، مثلاً یہ کہ وہ تاریخ کس دن پڑی تھی اس میں اختلاف رواۃ و روایات پیدا کر دیا۔ یا اس کے ایک دن قبل ایک روزہ، اور رکھنا معمول تھا یا ایک دن بعد۔ اب بحث و نظر میں یہ مسئلہ تو نہ رہا کہ اس تاریخ کا روزہ بذات خود بدعت ہے یا سنت۔ بلکہ زیر غور اس کے ایک دن قبل یا بعد روزہ رکھنا کون ان میں سے سنت ہے۔ اس طرح وہ شئے مسلّم ہو کر رہ گئی۔

اسی طرح تقریباً تمام اہمیات دین کو ان وضاعین و کذابین نے مختلف عنوان کی روایتیں بیان کر کے ان کے ذریعے بھیری بدعتیں بھی دین میں داخل کر دیں۔ اور پھر اختلافات بھی پیدا کر دیئے۔

محروم عن الارث یعنی ممنوع عنہ مثلاً کافر یا قاتل عمد اپنے مورث کا وارث ہوگا یا نہیں۔ اس سلسلے میں غریب غلاموں اور لونڈیوں کو بھی، ان کے مؤمن ہونے کے باوجود انہیں اپنے مؤمن مورثوں کے ترکہ سے قطعاً محروم کر دیا ہے اور ظلم یہاں تک کیا کہ مکاتب کو بھی نہیں دلوایا کہ غریب اپنا زر کتابت ادا کر سکے۔ اللہ تعالیٰ عام مسلمانوں سے تو سفارش فرما رہا ہے۔ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ یعنے وہ اگر زر کتابت ادا نہ کر سکیں، تو تم ان کو اپنے پاس سے اس مال میں سے دو، جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تاکہ وہ زر کتابت ادا کرکے آزاد ہو جائے۔ مگر اپنے مورث کے مال متروکہ میں جو قانون الٰہیہ کے مطابق ان کو حسب تصریحات قرآن مل رہا ہے، اس حق سے ان مظلوموں کو ہمارے علماءِ کرام محروم کرا رہے ہیں۔ ہم اس کتاب الفرائض کے آغاز میں موانع پر بحث کرتے ہوئے اس موضوع کو احکام قرآن میں سے ان چند احکام کو پیش کر چکے ہیں۔ جن سے ان مظلوموں کو ان کا مال دینے کا حکم صریح موجود ہے اور میرے رسالہ "الدر الثمین فی ملک الیمین" میں تو اس موضوع پر نہایت مفصل بحث ہے۔ اس لئے اس کی مزید تصریح یہاں کرنا خارج از موضوع سمجھتا ہوں۔

## ممنوع عن الارث و محجوب عن الارث کا اثر حجب پر۔

ممنوع عن الارث کو ان علماء نے گویا مردہ محض قرار دیا ہے، اس لئے ان کا کوئی اثر مسئلہ وراثت میں نہیں لیتے نہ وراثتاً نہ حجباً۔ اور محجوب کو نیم مردہ، اس لئے کہ وراثت میں یہ مردہ ہیں مگر حجب میں زندہ ہیں۔ اسی لئے یہ اصول بنایا کہ ممنوع عن الارث حاجب نہیں ہو سکتا۔ اور محجوب عن الارث کا حاجب ہو سکتا ہے اور کہا کہ یہ محجوب ہو سکتا ہے، اس میں تو سب کا اتفاق ہے۔ البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک ممنوع عن الارث بھی حاجب ہو سکتا ہے مولانا عبدالحی حاشیہ شریفیہ کے متعلق ص۱۱ بر ص۱۲ میں لکھتے ہیں:۔

اعلم ان اثبات المطلوب وهو حاجبية الممنوع عند

ابن مسعود رضہ غیر مشکل ۔لانہ لمّا کان المحروم یحجب عندہٗ یحجب المحجوب بالطریق الأولیٰ ۔ واماّ عندنا فمشکل البتہ ویحتاج الیٰ ان یبین الفرق بین المحروم الّذی لم نجعلہ حاجبًا والمحجوب الذی جعلناہ حاجبًا فنبّہ سیّد الشّراح الی الفرق بھٰذا القول (المراد قولہ فی الشریفیۃ) اما عندنا فلان المحروم انما جعلناہٗ بمنزلۃ المعدوم لانہ لیس باھل المیراث من کل وجہٍ بخلاف المحجوب فانہ اھل لہ من وجہٍ دون وجہٍ اٰخر فیجعل کالمیّت فی حق استحقاق الارث حتیٰ لا یرث شیئًا ویجعل حیًّا فی حق الحجب فھو وارث فی حق محجوبۃ لولا حاجبہ فیحجبہ ۔

حالانکہ ممنوع عن الارث حاجب ہو یا نہ ہو ۔ یہ ایک مختلف فیہ چیز ہو سکتی ہے ۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو ان ممنوعین عن الارث کو حاجب قرار دیتے ہیں تو ان کے پاس کھلی ہوئی نص قرآنی ہے ۔جس کو خود سیّد شریف شریفیہ میں لکھتے ہیں :۔

مطلق کو مقید کرنا زیادہ علی النص ہے اور وہ نسخ ہے

دلیلہ علیٰ ذٰلک ان ھٰذا الحجب ثبت بالنص باسم الولد والاخ وھٰذا الاسم یتناول المسلم والکافر والحرّ والعبد والقاتل وغیرہ ۔

فالتقیید بکون الولد والأخ وارثًا زیادۃً علی النّص وھو نسخ فلا یثبت الا بما ثبت بہ النسخ ۔ واما حجب الحرمان فھو باعتبار تقدیم الاقرب علی الأبعد ۔ وانما یتصوّر ذٰلک اذا کان الاقرب مستحقًا ۔ بخلاف حجب النقصان فانہ نقل من الاکثر الی الاقل ولا فرق فی ھٰذا المعنیٰ بین ان یکون الحاجب وارثًا او غیر وارث ۔

لیکن خود سید شریف کے پاس کیا ہے اس کا ذکر یوں فرمایا :۔

وَلَنَا اَنَّ الاِسمَ وان کان اعم لکن ذکرہ فی اٰیۃِ المواریث یدل علی انّ المرادَ الوارث فاَن من لایصلحُ للمیراث اصلًا کالکافر مثلًا جعل فی حق استحقاقِ الارث کالمیّت فکذا یجعل فی حق الحجب بمنزلتہ ایضًا لفواتِ الاهلیّۃ بخلاف الاخوۃ مع الأب فانھم یحجبونَ الأم ولایجعلون کالموتیٰ وان کانوا لایرثون معہ لانّ اھلیۃ الارث ثابتۃ لھم وانّما لم یرثوا فی ھذہِ الحالۃِ لفقدانّ الشرط وھو عدم الأب۔

افسوس یہ ہے کہ اس کا موقعہ نہیں ہے کہ ہر ہر جزئیہ پر ان کا مفصل جواب دیا جائے۔ اسلئے کہ کہاں تک لکھا جائے اور کتنا لکھا جائے۔ خصوصًا جو بدیہی البطلان ہیں اور جن کی رکاکت خود ان کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

اہلیت وراثت کی بحث | ۔ واضح رہے کہ اہلیت ارث کے یہی معنٰی ہیں کہ وہ شخص عنداللہ باعتبار اپنی قرابت قریبہ الی المیت کے وارث قرار دیا گیا ہو اس رُو سے جتنے ورثہ مذکورہ فی القرآن ہیں جب شرط پائے جائیں گے تو وارث ہونے کی اہلیت ضرور رکھتے ہیں۔ مگر یہ اہلیت کسی عارضی وجہ سے چھین بھی جا سکتی ہے مثلاً کفر یا موروث کا قتل عمد۔ تو ایک کافر یا قاتل میں ضرور اہلیت وراثت تھی۔ چونکہ وہ مثلاً مقتول یا میت کا بیٹا ہے لیکن وہ اہلیت اس کے کفر یا قتل عمد کی وجہ سے چھین گئی۔ بخلاف ایک ایسے شخص کے جو شرائط وراثت نہ پائے جانے کے سبب سے وارث ہی نہیں۔ اس کی حیثیت تو اس وقت بالکل اجنبی کی ہے۔ جس میں تو مطلقًا اہلیت ہی نہیں۔ ان فقہاء نے کافر و قاتل بالعمد کو وراثت کا بالکل نااہل قرار دیا ہے اور ان کو جو شرائط وراثت نہ پائے جانے کی وجہ سے وارث نہ ہو سکے۔ وراثت کا اہل قرار دیا ہے یہ بالکل غلط اور خلاف عقل ہے جس میں وراثت کے شرائط ہی نہیں پائے جاتے۔ وہ تو سرے سے وارث ہی نہیں ہے اور کافر وارث ہے مگر محروم عن الارث، اسی طرح قاتل بالعمد۔ پھر کفر اور قتل اس وارث کا اختیاری فعل ہے وہ نہ کرتا تو ضرور وارث ہو جاتا۔ بخلاف شرائط وراثت کے کہ شرائط کا فقدان اس کا اختیاری فعل نہیں اس شخص جس میں شرائط وراثت نہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے وارث ہی نہیں قرار دیا اور اس کا وارث نہ ہونا قطعی ہے

حقیقت یہ ہے کہ جن کو انہوں نے بالکل مردہ، ممنوع عن الارث بالقطعیۃ قرار دیا ہے۔ وہ مبنی بر قیاس ہے اس لئے ہرگز قطعی نہیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کیطرف سے استدلالاً تصریح کی گئی ہے۔

اور محجوب عن الارث چاہے محجوب بحجب حرمان ہوں یا بحجب نقصان، ثابت بہ نص قرآنی ہیں۔ اس لئے ان کی حیثیت اس صورت مقاسمۃ میں بالکل اجنبی کی سی ہے اسلئے اس کا مطلقاً کوئی اثر اس صورت مقاسمۃ میں ہونا ہی نہیں چاہیئے نہ وراثۃً نہ حجباً۔ صرف اسلئے کہ الاخوۃ مع الاب یحجبون الأم مع انہم محجوبون بالأب جو محض بلادلیل صرف غلط فہمی کی بناء پر فرض کر لیا گیا ہے۔ اس کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ممنوع عن الارث کو مردہ محجوب کو نیم مردہ بلادلیل قرار دے کر اپنے مغالطے کو اور قوی کرنا کتنی بڑی افسوسناک غلطی ہے۔ اخوۃ مع الاب کے متعلق یہ لکھنا کہ وان کانوا لایرثون معہ (کیوں؟ کس دلیل سے؟ کس نے انہیں محروم کر دیا) لان اھلیۃ الارث ثابتۃ لھم (پھر وہ اہلیت کیوں چھن گئی؟ اور کس دلیل سے چھن گئی) وانما لم یرثوا فی ھذہ الحالۃ لفقدان الشرط و ھو عدم الأب۔ عدم اب کی شرط جو اخوۃ کی وراثت میں لگی ہے وہ من عند اللہ ہے؟ یا من عند المفسرین و علماء الفرائض؟ قرآن مبین نے کلالہ کی تعریف میں صرف ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد فرمایا تھا۔ پھر اس کی مطابقت میں روایتیں بھی موجود ہیں۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہم کے اقوال اور فتاوے تک موجود ہیں۔ اہل لغت کی تصریحات بھی موجود ہیں۔ مگر جو اقوال و احادیث و روایات قرآن کے مطابق تھے سب کو پس پشت ڈال کر اسی قول کو متفق بہ قرار دینا جو صرف مبنی بر غلط فہمی نہ ہی نہیں بلکہ مخالف قرآن بھی ہے اور خلاف واقعہ اسی غلط قول پر سلف سے خلف تک کا اجماع لکھ دینا۔ کیا یہ دین کے اندر کوئی معمولی جرأت و جسارت ہے؟ غرض یہ سارا فساد اسی غلط تفسیر کا ہے کہ الکلالۃ من لا ولد لہ ولا والد۔

---

## مجوب کبھی حاجب نہیں ہو سکتا

یہ مضمون پہلے بھی کسی قدر تصریح کے ساتھ مذکور ہو چکا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جن کو ممنوع عن الارث قرار دیا گیا ہے۔ وہ بر بنائے اختلاف اقوال ہو سکتا ہے کہ حاجب ہو سکیں۔ مگر محجوب عن الارث تو کبھی حاجب ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ اس کا حجب نص قرآنی سے ثابت ہے اور حجب کے یہی معنی ہیں کہ اس صورت متماثلہ سے وہ بالکل نکال دیا گیا۔ اس لئے کوئی محجوب کسی دوسرے وارث کا حاجب ہو ہی نہیں سکتا۔ اور نہ اس کی کوئی صحیح مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ باپ ہرگز ہرگز اخوۃ کا حاجب نہیں ہو سکتا اور اخوۃ کا ایک فرد بھی اگر ہوگا۔ تو ضرور وہ ام کا حاجب ہو جائیگا اور ام کو ثلث کے بدلے سدس ہی دلوائے گا اور وہ سدس خود ہی لے لیگا ہرگز ماں سے چھین کر باپ کو نہیں دلوائے گا۔ بلکہ ایک سے زیادہ اگر ہوگا تو ایک سدس تو ماں سے چھین کر لے گا۔ اور ایک سدس اور باقی مال میں سے لے گا۔

## قرآن مبین اور حجب[1]

قرآن مبین نے بعض اقربین میت کی وراثت میں شرط لگا دی ہے کہ فلاں اگر نہ ہو تو فلاں کو ملے گا مثلاً چونکہ کلالہ میت لاولد ہی کو کہتے ہیں۔ اس لئے اخوۃ ایک میت لاولد ہی کے وارث ہو سکتے ہیں۔ جس کے اولاد ہو اسکے وارث اخوۃ نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اولاد کا ایک فرد بھی ہوگا تو اخوۃ محجوب ہو جائیں گے۔ اور یہ حجب حرمان ہوگا۔

---

[1] باب لایحجب من لایرث من هؤلاء) فی سنن الکبری للبیهقی کتاب الفرائض صلہ ۲۲۳ اخبرنا ابو عبد الله الحافظ انا العباس محمد بن یعقوب ثنا یحیی بن ابی طالب ثنا یزید بن هارون انا حماد بن زید ثنا انس بن سیرین ان عمر بن الخطابؓ قال لایتوارث اهل ملتین بشیء ولایحجب عن لایرث (قال وانا) یزید انا شعبة عن الحکم عن ابراهیم قال قال علیؓ و زید رض عن المشرك لایحجب ولایرث (وقال عبد الله ابن مسعود رض) یحجب ولایرث ۔ و فی تفسیر کبیر ۳ صلہ ۲۲۲ قال ابن عباس لاخوۃ یأخذون السدس الذی حجبوا الام عنه۔ وما بقی فللأب۔ وحجته ان الاستقراء

قرآن مبین میں بس اسی ایک حجبؔ حرمان کا ذکر ہے۔

باقی رہا حجب نقصان تو اس کا ذکر کئی جگہ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک وارث کا حصہ فلاں وارث کے ہوتے۔ جس قدر ہو، اسکے نہ ہونے پر اس سے کچھ زیادہ ہو گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسی وارث کا نہ ہونا اس کے حصّے کو بڑھا دیتا ہے۔ اس کا ہونا گھٹاتا نہیں ہے۔ مگر کہا جاتا ہے کہ فلاں کیوجہ سے فلاں کا حصّہ کم ہوگیا بہرحال بس یہی حجب نقصان ہے۔ جس طرح اولاد کی وجہ سے الدین کا حصہ صرف لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ہوتا ہے۔ اسی طرح اولاد کی وجہ سے شوہر کو ربع اور بیوی کو ثمن۔ اور اولاد نہ ہو تو شوہر کو نصف اور بیوی کو ربع ملتا ہے۔ اسی طرح اولاد نہ ہو تو ماں کو ثلث ملتا ہے اور باقی باپ عصوبتاً لے لیتا ہے، بیٹا نہ ہو تو بیٹی کو نصف ملتا ہے ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو دو ثلث لے لیتی ہیں۔ مگر ایک بھی بیٹا ہو تو پھر للذکر مثل حظِّ الانثیین کے مطابق ملتا ہے یعنے پہلے سے کم۔

لیکن یہ خوب یاد رہے کہ ایسا عجیبُ الخلقت حاجب پورے قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں کہ وہ خود تو محروم مطلق ہو مگر کسی دوسرے وارث کا حصہ گھٹا دے اور نہ کبھی عقل اس کو تسلیم کر سکتی ہے اس لئے کہ اولاد نہ ہو، مگر والدین ہوں تو ماں کو تو ثلث ملتا ہے اور باقی باپ کو عصوبۃً۔ اور اخوۃ بھی ہوں تو ماں کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ یعنے ثلث کی جگہ سدس ملتا ہے۔ اس وقت اخوۃ ماں کے لئے حاجب ہوئے جیسے ولد زوج اور زوجہ کے حاجب ہو جاتے ہیں۔ تو جتنا بھی ماں کا حصہ کم ہوا وہ انہیں کا حق ہونا چاہیئے۔ اور اگر صرف ایک ہی بھائی یا بہن ہوں تو وہی سدس

ف اس حجب قرآنی پر غور کرنے سے یہ پتہ ملتا ہے کہ اتحاد سبب ارث یعنی جزئیت اور الاقرب فالاقرب دونوں اس حجب میں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ مگر اختلاف نسبت جزئیت کو پیش نظر رکھ کر یعنی اولاد اجزاء میت ہیں اور اخوۃ اجزاءِ والدین میت۔ اخوۃ کو خاص میت کی جزئیت سے کوئی تعلق نہیں اسی لئے اولاد اخوۃ کی حاجب ہوئی۔ ۔ لہ بھائی بہن کو باپ محجوب نہیں کرتا اس کی ایک دلیل واضح یہ بھی ہے کہ بھائی بہن ماں کے حصے پر اثر انداز اس وقت نہیں ہوتے جبکہ میت کے اولاد بھی ہو کیونکہ اولاد کے ہوتے بھائی بہن محجوب ہیں تو چونکہ خود محجوب ہیں اس لئے حاجب نہ ہو سکے مگر جب اولاد نہ ہو تو بھائی بہن ماں کے لئے

حاجب بالنقص ہونے کیلئے ارث کا پانا ضروری نہیں۔

جو ماں کے حصے سے نکلا اس کو مل جائے اور ایک سے زیادہ ہوں تو ایک سدس اور باقی مال میں سے نکال کران کو دے دیا جائے تاکہ آپس میں تقسیم کرلیں۔

**علی السویہ کی بحث**

کہا جاتا ہے کہ اخیافی بھائی بہن میں۔ للذکر مثل حظ الانثیین کا اصول ملحوظ نہ ہوگا بلکہ علی السویہ مال تقسیم ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک بھائی ہو جب بھی ایک سُدس ایک بہن ہو جب بھی ایک سُدس ملتا ہے، اگر ایک بھائی ایک بہن ہوں۔ جب بھی لکل واحدٍ منھما السُّدُس تو اگر زیادہ تعداد میں بھی بھائی بہن ہوں تو بتعداد رؤس سب کو ایک ایک سہم علی السویہ ہی ملے گا اور ان میں للذکر مثل حظ الانثیین کا اصول ملحوظ نہ ہوگا۔

لِکلِ واحدٍ منھما السُّدس تک تو بالکل ٹھیک ہے، مگر اس کے آگے بھی اس پر قیاس کرکے علی سبیل التسویہ کا طریق قائم رکھا جائیگا اس کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ قرآن مبین نے والدین کا حق لکل واحدٍ منھما السدس رکھا ہے علی سبیل التسویہ، اگر میت کے اولاد ہو۔ مگر لاولد میت کی ماں کو ایک ثلث دلوایا۔ تاکہ باقی دو ثلث عصوبۃً باپ کو مل جائے، اور وہی لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَیَیْنِ کا اصول پھر اپنی جگہ پر آجائے۔

اس سے درحقیقت صرف یہ پتہ ملا کہ یہ خصوصیت صرف سہم سُدس کی ہے یعنی جہاں مرد کو سُدس دلوایا گیا ہے، اسکے مقابل اگر عورت بھی ہے تو اس کو بھی سدس ہی دلوایا گیا ہے، سُدس کا نصف نہیں دلوایا گیا۔ اس لئے کہ سدس کی حیثیت فرائض میں جزء لایتجزّیٰ کی ہے۔ یہ سب سے چھوٹا حصّہ ہے جو کسی مرد کو ملا ہے

**سُدس کا نصف کسر منطق نہیں**

اس کا نصف کسی عورت کو ملے گا تو وہ مال کا کون سا حصّہ کہا جائیگا۔ یقیناً آپ بارہواں حصّہ کہیں گے۔ اور یہ کسر منطق نہیں بلکہ کسر اصم ہے۔ ہاں کسر منطق بنانے کے لئے اس کو کسر مضاف قرار دے کر یوں کہئے کہ نصف سدس جب

البتہ ہو سکتا ہے۔ گر یہ ہاتھ گھما کر ناک چھونا ہوا یا وہی بارہواں حِصّہ

مطلب یہ ہے کہ یہ خوبی صرف حصّہ سدس ہی کی ہے کہ جس مَرد کو سدس ملا ہے اسکے مقابل کی عورت کو اس کا نصف نہیں دلوایا گیا۔ بلکہ وہی سدس ہی دلوایا گیا اور اس موقع پر عورت مَرد کے برابر حِصّہ لے لیتی ہے۔ اخیانی و عینی و علاّتی کا فرق تو محض غلط فہمیوں کا نتیجہ ہے جب اخیانی کی تخصیص ہی کوئی شی نہیں۔ تو پھر یہ کہنا کہ اخیانی بھائی بہن کا حِصّہ برابر ہے کس قدر لغو اور بے دلیل ہے اور مبنی بر غلط فہمی۔

اور بالفرض اگر اخیانی بھائی بہن کا حصّہ الگ قائم بھی کیا جاتا تو ان کو عینی و علاّتی پر قیاس کرنا چاہیئے تھا اس لئے کہ اخوۃ میں سب برابر ہیں اور جہاں یہ لوگ عینی و علاّتی مانتے ہیں وہاں بعبارۃ النص للذکر مثل حظ الانثیین موجود ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ جہاں اخیانی مان لیے ہیں وہاں یہ اصُول ترک کر دیا جائے۔

## اخوۃ دو سے زیادہ ہوں تو لِلذَّکَرِ مِثلُ حَظِّ الاُنثَیَین

جب تک دو ہی رہیں تو لکل واحدٍ منہما السدس۔ چاہے دونوں مرد ہوں یا دونوں عورتیں یا ایک مرد اور ایک عورت۔ صرف اسلئے کہ اب اس جزء لا یتجزیٰ کا تجزیہ کیا کیا جائے۔

■ اخوۃ کی دو سے حجب کا

اور ایک وجہ اور بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر ایک بھائی یا ایک بہن کوئی بھی ہو تو ماں کا حصّہ جو ثلث ہوتا، نصف گھٹ جاتا ہے اور اس میں سے سدس ہی نکلا اس کو ملا۔ ماں کے لئے حاجب ہونے میں چونکہ بھائی اور بہن دونوں برابر ہیں۔ اس لئے جو کچھ ماں سے لیا گیا وہ بلا تفریق زن و مَرد حاجب کو مل گیا۔ اگر دو ہوئے جس طرح ماں کے حصّے میں سے ایک سدس کے لئے وہ دونوں حاجب ہوئے۔ باپ کے بھی متوقعہ حق میں سے ایک سُدس ہی نکال لینے کے مجاز ہو گئے۔ باپ کا چونکہ کوئی معین حصّہ نہ تھا اس لئے یہ تو نہیں کہا جائے گا کہ انہوں نے ماں کیطرح باپ کو محجوب کیا۔ مگر باپ کو حجب نقصان نہ سہی، نقصان ضرور پہنچایا۔

اگر ایک ہی سدس میں ایک سے زیادہ اخوۃ بانٹ لیتے تو ان کو بہت کم کم حصہ ملتا۔ اگر پورا ثلث ماں کا لے لیتے تو ماں بالکل محروم رہ جاتی۔ اسلئے ماں کا حصہ ایک سدس سے زیادہ کم نہ کیا گیا۔ باقی سدس کے لئے باقی مال کو نا کا۔ جو باپ کا متوقعہ حق تھا اس طرح ماں باپ دونوں سے گویا ایک ایک سدس ان اخوۃ نے حاصل کیا۔

مگر جب دو سے زیادہ ہوئے تو اب تو لامحالہ جگ ٹوٹا، | **سدس منقسم نہ ہوگا مگر ثلث ہو سکتا ہے۔**

اور جب ٹوٹا تو پھر ٹوٹا۔ یعنے اب تو حسب حکم فھم شرکاء فی الثلث وہ ثلث یعنے دونوں سدس تین جگہ پر تقسیم ہو کر رہے گا۔ اگر تینوں بھائی ہوں، چار ہوں تو چار جگہ اور پانچ ہوں تو پانچ جگہ۔ غرض اب وہ سدس کی لاتجزائیت باقی نہ رہ سکی۔ تو پھر کوئی وجہ نہ رہی کہ للذکر مثل حظ الانثیین والا اصول یہاں رائج نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ جو کچھ خیال تھا وہ صرف حصہ سدس کی لاتجزائیت کا احترام تھا اور اب تو اس کی تجزی ہو ہی رہی ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ اب بلا وجہ للذکر مثل حظ الانثیین کا مسلم اصول ترک کر دیا جائے۔ اسی طرح کوئی دلیل صحیح اس بات کی نہیں ہے کہ یہاں اخوۃ میں عینی و علاتی و اخیافی کی غلط تفریق قائم کی جائے۔

حقیقت تو یہی ہے کہ نہ یہاں اخیافی اور وہاں عینی و علاتی مراد ہیں۔ نہ ان میں کسی طرح کی کوئی تفریق ہے۔ یہ ساری غلط فہمیاں اتباع روایات موضوعہ اور عدم تدبر فی القرآن کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ جس طرح ابوین کی وراثت کے موقع پر اخوۃ کا لفظ مطلق ہے اسی طرح آیت نساء اور آیت صیف میں بھی اخ و اخت کا ذکر علی سبیل الاطلاق ہی ہے۔ یہ ساری تقییدیں محض من گھڑت ہیں اور بالکل بے بنیاد۔ اخوۃ کی ان تینوں قسموں میں الاقرب فالاقرب کا اصول قرآنی ملحوظ رکھا جائیگا اور بس۔

## عینی و اخیافی کے فرق غلط کیوجہ سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

آیت النساء میں اخ و اخت سے اخیافی مراد لے کر ہمارے علماء اس مغالطے میں پڑے

کہ بعض صورتوں میں اخ عینی تو محجوب ہو جاتا ہے اور اخیافی وارث ٹھہر جاتا ہے جو خود ان کے اصول الاقرب فالاقرب کے اور نیز عقل و دیانت کے خلاف ہے۔ مثلاً زید نے والدین اور ایک اخ اخیافی، ایک اخت اخیافیہ اور ایک اخ عینی کو چھوڑا تو ان کے نزدیک ایک سدس ماں کو ایک سدس اخ اخیافی کو، ایک سدس اخت اخیافیہ کو مل جائے گا۔ اور باقی تین سُدس باپ لے لے گا۔ اور اخ عینی بیچارہ قطعاً محروم ہو جائے گا۔ یعنی اخت اخیافیہ کو بھی اخ عینی پر ان کے نزدیک فضیلت ہے۔

مسئلہ ٦

| اب | ام | اخ اخیافی | اخت اخیافیہ | اخ عینی |
|---|---|---|---|---|
| ۳ | ۱ | ۱ | ۱ | ۰ |

اور اگر کلالہ کے معنے قرآنی تشریح کے مطابق لیجیے اور حضرات شیخین و ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہم کے فتوٰی کے مطابق عمل کیجئے تو زید کا ترکہ چھ جگہ تقسیم ہو کر ایک سدس ماں کو، ایک سدس اخ عینی کو، اور چار سدس باپ کو ملتا ہے اور دونوں اخیافی بھائی بہن محروم ہوتے ہیں اور وہ خلاف اصول و خلاف عقل و خلاف دیانت صورت پیش نہیں آتی ہے۔

**عول کی گتھی کا سلجھاؤ** پھر عول کی گتھی بھی متعدد حالتوں میں سلجھ جاتی ہے اگر یہ اخیافی و علاتی و عینی کا لایعنی فرق مٹا دیا جاتا ہے جس کی تصریح کا افسوس کہ یہ موقع نہیں۔ عول کی صورتوں پر غور کر کے ناظرین کرام خود ملاحظہ فرمالیں۔ مثلاً

مسئلہ ٦ عول ۷ سلیمہ

| زوج | اخت عینیہ | اخت اخیافیہ |
|---|---|---|
| ۳ | ۳ | ۱ |

اس صورت میں اخت عینیہ کے ہوتے ہوئے اخت اخیافیہ محروم ہو گی۔ قوت قرب قرابت کی وجہ سے اور بغیر عول کے صورت مسئلہ درست ہو جائے گی، اس طرح

مسئلہ ٦ سلیمہ

| زوج | اخت عینیہ | اخت اخیافیہ |
|---|---|---|
| ۳ | ۳ | ۰ |

مسئلہ ۶ / ۸

میت

| اخت اخیافیہ | اخت اخیافیہ | اخت عینیہ | زوج |
|---|---|---|---|
| ۱ | ۱ | ۳ | ۳ |

یہاں بھی دونوں اخیافیہ بہنیں محروم ہوں گی اور مسئلہ چھ کے برابر برابر تقسیم ہو جائے گا اور عول کی مطلق ضرورت پیش نہ آئے گی۔ مگر جہاں ضرورت پیش آئے۔ وہاں عول ایک ضروری اور لازمی چیز ہے اس سے گھبرانے اور شرمانے کی کیا وجہ؟

# عول کا ہول

اس میں شک نہیں کہ اسلامی قانون وراثت میں عجمی راویان احادیث ووضاعین وکذابین نے ایسی بہت سی باتیں پیدا کر دیں جو قرآنی منشاء کے خلاف ہیں۔ مثلاً باپ کو بھائی بہن کا حاجب بنا دینا۔ چچا کی وجہ سے اسکے یتیم بھتیجوں کو ولاکر ترکے سے محروم کر دیا۔ اخیافی بھائی بہن کو ترکہ دلا دینا، اور علاتی وعینی کو بعض مواقع میں اخیافیوں کے مقابل محروم قرار دینا وغیر ذالک

مگر ایسی کوئی بات جو علم حساب کی رُو سے غلط ہو، نظر نہیں آسکتی، کیونکہ علمائے فرائض علم حساب کے بڑے ماہر ہوتے ہیں اور جھوٹی حدیثیں بنانے والے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلتے تھے۔ عول کے مسئلے سے متعلق جو ایک موضوع روایت[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کیطرف منسوب کی گئی ہے۔ اس کی بناء پر بعض مفکرین کو شبہ پیدا ہو گیا ہے۔

[1] اس روایت کو مولانا اسلم جیراجپوری نے اپنی کتاب الوراثۃ فی الاسلام کے ص۱۱ میں درج فرمایا ہے کتاب عربی زبان میں ہے۔ بنظر اختصار میں صرف ترجمہ یہاں درج کرتا ہوں اور وہ بھی خلاصہ ترجمہ "ابن عباسؓ کو عول سے سخت انکار تھا۔ قائلین عول سے وہ کہتے تھے کہ کیوں نہیں لوگ جمع ہوتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ مباہلہ کریں اور کہیں لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ جو ریگستان کے ریگ کو گن ڈالے دیکھئے حساب کا بڑا ماہر ہو) ایسا کوئی ہے کہ کسی ال میں دو نصف اور ایک ثلث نکالے وہ تو دو نصف ہوگا یا تین ثلث یا چار ربع۔ اگر مقدم کیجائے جس کو اللہ تعالے نے مقدم کیا ہے تو کسی فریضے میں عول کی کوئی

(اگلا صفحہ پر)

کہ یہ عول بھی مذکورہ مسائل کیطرح مفسدین عجم کا پیدا کردہ مسئلہ ہے یا واقعی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سوا تمام صحابہ کرام سے اس مسئلہ میں غلطی اور چوک ہوگئی۔

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مزدرت نہ ہے گی تو زفر بن الحارث البصری نے کہا کہ وہ کون ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا ہے؟ تو کہا کہ یہ وہ فریضہ جس کو اللہ تعالیٰ نے کم کیا تو ایک فریضے ہی پر کیا ہے۔ وہی ہے جس کو مقدم کیا ہے اور ہر وہ فریضہ جو اپنی منزل سے کھسکا تو پھر اس کو وہی ملتا ہے جو دوسرے وارثوں سے بچ جائے تو یہی ہے جس کو مؤخر کیا ہے تو جس کو مقدم کیا ہے وہ زوج ہے کہ اس کو نصف دلوایا ہے ورنہ ربع اور زوجہ ہے کہ اس کو ربع دلوایا ہے ورنہ ثمن۔ تو یہی (دونوں) ہیں جن کو اللہ نے مقدم کیا ہے اور جن کو مؤخر کیا ہے۔ وہ بہنیں اور بیٹیاں ہیں کہ ان کو نصف یا ثلثان ملتا ہے مگر جب یہ فرائض کی منزل سے نیچے اترتی ہیں تو پھر ان کو وہی ملتا ہے جو دوسرے وارثوں سے بچ جاتا ہے تو جب مقدم و مؤخر دونوں قسم کے ورثہ مجتمع ہوں تو پہلے مقدم ورثہ کو حصہ دیدو۔ ان سے جو بچے اس میں سے مؤخر ورثہ کو دو، مگر کچھ بچے اور کچھ نہ بچے تو مؤخر ورثہ کو کچھ نہ دو تو زفر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نے اس کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیوں متوجہ نہ کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کی ہیبت سے۔ یہ روایت لکھ کر مولانا اسلم تحریر فرماتے ہیں کہ امام زہری نے کہا کہ اگر ایک امام عادل (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ) جن کا ہر کام ورع پر مبنی تھا۔ اس پر کاربند نہ ہوئے ہوتے تو پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کے قول کے مطابق لوگ چلتے۔ اہل علم میں سے دو شخصوں نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اختلاف نہ کیا۔ حالانکہ ساری دنیائے اسلام نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا اور آج تک سب کو اختلاف ہے۔ یہاں تک کہ خود مولانا اسلم کو بھی اختلاف ہی ہے۔ چنانچہ تین ہی سطر کے بعد مولانا اسلم تحریر فرماتے ہیں خلاصہ مطلب جس کا یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی عول کا صحیح طریق حل معلوم نہ ہو سکا۔ کیونکہ ان کے قاعدہ کی رو سے بعض مسائل میں تناقض پیدا ہو جاتا ہے۔

مولانا اسلم نے معلوم نہیں یہ روایت کہاں سے لی ہے۔ زفر بن الحارث البصری راویان حدیث میں اہل سنت کی کتابوں میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ نہ اور کہیں حدیث و فقہ کی کتابوں میں جہاں تک مجھے یاد ہے ان کا نام نظر آتا ہے البتہ اس جمل و صفین میں ان کا ذکر آتا ہے۔ زفر بن الحارث الکلابی (منسوب بکلاب بن عامر بن صعصعہ) قنسرین میں تھے۔ اور جنگ جمل میں بنو عامر و بنو غطفان کے سردار تھے اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نگہبانی کا فرض انجام دے رہے تھے۔ لیکن وہ بصری نہ تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

بہر حال یہ روایت صحاح کی کسی کتاب میں بھی نہیں ہے۔ غیر صحاح میں سے مستدرک میں ہے تو اس میں زفر رح
کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ بیہقی کی سنن کبریٰ میں ہے۔ اس میں زفر بن الاوس بن الحدثان النصری ہے۔ یعنی
نسب۔ سے نہیں بلکہ نون سے نصر بن معاویہ بن بکر بن ہوازن کیطرف منسوب ہے۔ یہ زفر بن الاوس، مالک بن
الاوس کے بھائی ہیں۔ مالک بن اوس ہیں تو جاہلی، مگر چونکہ بہت متأخر الاسلام ہیں۔ اس لئے ان کے صحابی ہونے
میں اختلاف ہے۔ ۹۲ھ میں وفات پائی۔ لیکن زفر رح کے صحابی ہونے سے تمام محدثین نے انکار کیا ہے
بہر حال یہ دونوں بھائی مدنی ہیں کوئی بھی بصری نہیں۔

مختصر یہ کہ مستدرک اور سنن کبریٰ میں جس قدر موضوعات کی بھرمار ہے۔ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔
اس حدیث کے راوی صرف ابن شہاب زہری رح ہیں، اور ان سے صرف ابن اسحٰق ہی روایت کرتے ہیں۔
اور ابن اسحٰق جو روایت زہری سے کرتے ہیں۔ اس کو عامۃ محدثین غیر معتبر سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ابن حجر رح نے
تہذیب التہذیب ترجمہ ابن اسحٰق میں لکھا ہے۔ اسی قدر نہیں بلکہ ابن اسحٰق کی تو جو کچھ آؤ بھگت ہے وہ صرف
اسلئے کہ انہوں نے پہلے پہل مغازی پر کتاب لکھی۔ مگر مغازی کی روایتیں بھی غیر معتبر ذرائع سے حاصل کیں۔ یہودیوں
سے یہودیوں کی اولاد سے پوچھ پوچھ کر۔ اسی لئے امام مالک رح ان کو دجالوں میں سے ایک دجال کہا کرتے تھے۔ اور
احکام کی حدیثیں تو عام طور سے محدثین ان سے لینا پسند نہیں کرتے اور ناقابل احتجاج سمجھتے رہے۔ امام
احمد بن حنبل، ابن معین، ہشام اور دار قطنی نے ان کو ناقابل احتجاج کہا ہے۔ نسائی میمونی اور ابن خثیمہ نے
ضعیف الحدیث لکھا ہے اور سلیمان التیمی، یحییٰ بن سعید القطان اور وہیب بن خالد نے ان کو جھوٹا قرار دیا ہے
ان حالات میں اس روایت کو جو اہمیت ہے، ظاہر ہے پھر اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ابن عباس رض کن
قائلین عول کو مباہلے کی دعوت دیکر لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہنے کی جرأت کر رہے تھے؟ سب سے پہلے
عول کی رائے دینے والے تو انہیں کے والد ماجد حضرت عباس رض ہی تھے۔ انہی کی رائے کو حضرت عمر رض،
حضرت علی رض، حضرت زید بن ثابت رض حضرت عبد اللہ بن مسعود رض اور تمام صحابہ کرام نے پسند کیا۔ یقیناً
یہ روایت اسی جماعت کے کسی فرد کی من گھڑت اور افتراء ہے۔ جو جماعت صحابہ رض پرستی کی خوگر ہے
اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ حضرت عباس رض عرب عرباء میں سے تھے۔ عربی ان کی مادری زبان
تھی وہ خوب جانتے تھے کہ کذب کے معنی ہیں۔ خلاف واقعہ کوئی بات بیان کرنا۔ خطائے اجتہادی کو
کذب نہیں کہہ سکتے۔ خطا اور کذب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی لئے سنن کبریٰ والی روایت

میں مباہلہ کا ذکر نہیں ہے۔ مستدرک والے چونکہ خود رافضی ہیں۔ اس لئے اسی میں مباہلہ کا تذکرہ ہے۔

مولانا اسلم والی روایت اور سنن کبریٰ کی روایت میں ان وارثوں میں جن کو بقول راوی اللہ نے مقدم کیا ہے۔ صرف زوجین کا ذکر آیا ہے کہ ان دونوں کا بہرحال ایک ہی ایک فریضہ کم و بیش رہتا ہے نہ یہ کبھی بالکل محروم ہوتے، اور نہ صرف مابقی پاتے ہیں۔ لیکن زوجین کے ساتھ ماں کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ ماں کا بھی بالکل وہی حال ہے۔ یہ ثلث ورنہ سدس ضرور پاتی ہے۔ کبھی بالکل محروم نہیں ہوتی اور نہ صرف مابقی پاتی ہے۔ اسی لئے صاحب مستدرک نے سوچ سمجھ کر اپنی روایت میں زوجین کے ساتھ ماں کو بھی مقدم ورثہ میں داخل کر لیا۔ مگر مولانا اسلم نے اپنی روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک صرف زوجین ہی کو مقدم سمجھا ہے۔ جیسا کہ ان کی کتاب سے ظاہر ہے۔ مگر یہ کیونکر معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے زوجین کو یا ماں کو بھی دوسرے ورثہ پر مقدم کیا ہے؟ اس کو کوئی نہیں بتاتا۔ آخر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کس طرح سمجھ لیا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو مقدم کیا ہے اور بنات و اخوات کو مؤخر کیا ہے! یہ بھی نہیں کہ زوجین یا ماں کا ذکر سب سے پہلے آیا ہو۔ اور نہ کوئی اشارہ ایسا ہے جس سے ان کی تقدیم یا دوسروں کی تاخیر سمجھی جا سکے۔ محض اپنی ایک ذاتی رائے کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کر دئے سکتے تھے۔ عجب کیا ہے کہ اس روایت کے گھڑنے والے نے بھی وہی بات اپنے ذہن میں رکھی ہو جس کو مولانا اسلم تاڑ گئے اور انہوں نے اس کو اپنی طرف سے پیش کیا۔ یعنی فریضۃ من اللہ اور وصیۃ من اللہ کا فرق ہے۔ تو اس پر میں ابھی مولانا اسلم کی رائے پیش کرتے ہوئے کچھ عرض کرتا ہوں۔

مولانا اسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت جو خود پیش کی ہے، اس کے مطابق مقدم ورثہ میں سے ماں کو خارج کرتے ہوئے اس قاعدے سے جو تناقض پیدا ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ دی ہے کہ مرنے والے نے بیوی، ماں اور علاتی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑیں تو اب مال چھ سہام پر تقسیم ہو کر نصف تو شوہر کو مل جائے گا یعنی تین سہام۔ باقی تین سہام میں سے ایک سدس یعنی ایک سہم ماں کو۔ دو سدس یعنی دو سہام اخیافی بہنوں کو ملیں گے۔ اور علاتی بہنیں محروم ہو جائیں گی۔ حالانکہ یہ تقسیم ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قاعدے کے مطابق دو وجہ سے نہیں ہوئی۔ ایک تو سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ شوہر کو نصف دینے کے بعد مابقی میں سے باقی ورثہ کو نہیں ملا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ تین سہام شوہر کو دے کر باقی تین سہام میں سے ایک سدس یعنی نصف سہم ماں کو دیا جائے۔ (حسب روایت مولانا اسلم) الخ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)
دو سدس یعنی ایک سہم اخیافیوں کو ملے ۔ باقی ڈیڑھ سہم جو رہ جاتا ہے اس کو مولانا اسلم یا روایت کے بنانے والے علاتی بہنوں کو دلوا دیں ۔ اگرچہ ان کو ملنا چاہیئے ۔ دو ثلث یعنی دو سہم ، مگر بچتا ہے ڈیڑھ ہی سہم ۔ اس لئے چاہیئے کہ مسئلہ ہزار چھ سے ہو مگر تصحیح ۴۲ سے کرنا ہوگی ۔ ماں کا ایک سدس ، اخیافیوں کے دو سدس ، علاتیوں کے چار سدس ۔ کل سات سدس کی ضرورت ہے اور سات سدس شوہر کے بھی چاہئیں ۔ اس لئے سات سہام کے مطابق سات کو عدد مسئلہ یعنی چھ سے ضرب دیجیئے ۔ بیالیس ۴۲ ہوتے نصف یعنی ۲۱ تو شوہر کو دے دیجیئے اور باقی ۲۱ میں سے ایک سہم یعنی ۳ ماں کو ، دو سہم یعنی چھ دونوں اخیافی بہنوں کو اور بارہ دونوں علاتی بہنوں کو دے دیجیئے کہاں کوئی تناقض پیدا ہوتا ہے ۔

اور اگر مستدرک کی روایت کے مطابق ماں کو بھی مقدم ورثہ میں داخل کر لیجیئے تو چھ سہم میں سے تین سہم شوہر کو اور ایک سہم ماں کو دے کر باقی دو سہم میں سے دو سدس یعنی ایک ثلث اخیافیوں کو اور دو ثلث علاتیوں کو دلوائیے ۔ مسئلہ چھ سے ہو اس کو تین سے ضرب دیجیئے اٹھارہ ہوئے ۔ پہلے نصف یعنی نو شوہر کو دیجیئے ۔ اور ایک سدس یعنی تین ماں کو ۔ باقی بچے چھ ان میں سے دو سدس اخیافیوں کو ، چار سدس علاتیوں کو دے دیجیئے ۔ کہاں کسی طرح کا تناقض پیدا ہوتا ہے اور ماں کو مقدمین میں داخل کیجیئے یا نہ کیجیئے ۔ بہر حال ابن عباس رضؓ کی طرف منسوب روایت سے کسی طرح بھی علاتی بہنیں محروم نہیں ہوتیں ۔ اور مولانا اسلم نے مثال دے کر ابن عباس رضؓ کے قاعدے کے خلاف عام فقہاء کے قاعدے کے مطابق تقسیم کر کے تناقض کا الزام ابن عباس رضؓ پر ڈالا ۔ میں لکھ چکا ہوں کہ جھوٹی روایتیں بنانے والے کچی گولیاں نہیں کھیلتے تھے ۔ وہ فن حساب کے بڑے ماہر ہوتے تھے ۔ سمجھ بوجھ کر کوئی قاعدہ بناتے تھے ۔ اور اس کو ابن عباس رضؓ یا کسی اور صحابی کیطرف منسوب کر دیا کرتے تھے تاکہ اس کا ایک وزن ہو اور لوگ ایک صحابی کا نام سن کر فوراً تسلیم کرلیں ۔

لیکن اس تقسیم پر جو ابن عباس رضؓ کیطرف منسوب ہے ۔ (چاہے ماں کو پہلے دیجیئے یا اس غریب کو بھی مابقی ہی میں سے دیجیئے دونوں صورتوں میں) یہ ، اعتراض ضرور وارد ہوتا ہے کہ علاتی بہنوں کو تو قرآن نے بہ نص صریح ماترک میں سے دو ثلث دلوایا ہے اور آپ مابقی میں سے دے رہے ہیں جس کی کوئی دلیل ابن عباس رضؓ کیطرف اس روایت کے منسوب کرنے والوں کے پاس نہیں ہے ۔ درحقیقت اس میں بہت زیادہ حق تلفی ہوتی ہے ۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے کل مال میں دو ثلث دلوایا ہے اس کو نصف

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یا تین ربع یا اس سے کم یا بیش۔ مال میں سے دو ثلث دلوایا جاتا ہے۔ کیا یہ کھلا ہوا ظلم نہیں ہے

**مولانا اسلم کا طریق حل** | مولانا اسلم عول کی مشکل کا حال ابن عباس رضؓ کی طرف منسوب حدیث ہی سے اخذ کر کے یہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مبین میں جس وارث کو کچھ حصہ دلوایا ہے تو ہر جگہ من بعد وصیۃ کی قید لگا دی ہے اور نسبی ورثہ کے سہام کا بیان کرنے کے بعد فریضۃ من اللہ فرمایا ہے اور نسبی ورثہ کے حصوں کے ذکر کے بعد وصیۃ من اللہ کہا ہے۔ تو ادائے وصیت ضرور تقسیم فرائض پہ مقدم رکھنی چاہیئے۔ پہلے سببی ورثہ کو دے دو۔ اس سے جو بچے اس میں سے نسبی ورثہ کو دو۔

مگر مولانا اسلم نے یہ نہیں خیال فرمایا کہ کہیں بھی صرف من بعد وصیۃ مطلق نہیں ہے بلکہ ہر جگہ ایک صفت کے ساتھ مقید ہے۔ توصی بھا۔ یوصی بھا، توصون بھا اور یوصی بھا کے الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ یہاں وہ وصیت مراد ہے جو مرنے والا خود کر گیا ہو۔ نہ کہ وہ وصیت جو اللہ تعالیٰ نے کی ہو اللہ تعالیٰ کی وصیت تو ابتداء بیان وراثت ہی سے آ رہی ہے کہ یوصیکم اللہُ فِی اَولَادِکُم الآیۃ تو نسبی ورثہ کے حصے وصیت بھی ہے اور فریضہ بھی اور سببی کے حصے صرف وصیت ہی ہیں۔ تو یقیناً جو وصیت بھی ہو اور فریضہ بھی اس کو اس پر مقدم ہونا چاہیئے جو صرف وصیت ہو نہ کہ بالعکس۔ مولانا اسلم نے اس کو بھی خیال نہیں فرمایا کہ خود ان سببی وارثوں کے حصے بھی جو بیان فرمائے گئے ہیں تو ان کو بھی تو من بعد وصیۃ ہی دلوایا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ وصیت جس کا ادا کرنا تقسیم وراثت پر مقدم ہے۔ وہ وہی وصیت ہے جو خود مُردہ کر گیا ہو۔ نہ کہ سببی وارثوں کو اس سے نسبی وارثوں سے پہلے حصے دلوانا مقصود ہے۔

مولانا اسلم نے اپنی پیش کردہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ میں جس طرح صرف زوجین کو مقدم ورثہ میں رکھا ہے۔ باوجودیکہ جو اسباب زوجین کے مقدم ہونے کے بیان کئے ہیں وہ ماں میں بھی موجود ہیں۔ مگر ماں کو مقدم ورثہ میں شمار نہیں کیا۔ اسی طرح خود اپنے اختراع میں بھی صرف زوجین کو وصیۃ من اللہ میں داخل کر کے پہلے دلوایا ہے۔ حالانکہ ان کے قائم کردہ منہ بولے عہدی وارث بھی اس میں داخل ہیں۔ بر و احسان ہی اگر ملحوظ ہے تو سب سے پہلے ان منہ بولے عہدی وارثوں کو دلوانا چاہیئے ان سے جو بچے اس میں سے بعد الزوجین کو۔ ان سے جو بچے [illegible] میں سے نسبی ورثہ کو۔ تاکہ بر و احسان کی پوری نمائش ہو۔ اگر ایسا ہی اصول بر و احسان کا تقسیم وراثت میں ملحوظ رکھنا صحیح ہوتا تو دُور

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کی قرابت والے نزدیکی قرابت مندوں کیوجہ سے محروم نہ کئے جاتے۔

**عَول کی مخالفت میں تقسیمی خرابیاں** | اصولی غلطیاں اور مخالفت قرآن کی تصریح تو آپ سن چکے کہ ابن عباس رضہ کے دونوں طریقوں میں سے ماں مقدم ورثہ میں داخل ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں قرآن کی مخالفت ہوتی ہے۔ جس کو قرآن نے ما ترک میں سے دلوایا اس کو مابقی میں سے دلوایا جاتا ہے اور اس دوسے تقسیمی خرابی بھی پیدا ہوتی ہے کہ نسبی ورثہ کے حصے بہت کم ہو جاتے ہیں۔ مابقی پانے والے ورثہ صرف عصبہ ہیں۔ جن کے حصے معین کر کے قرآن نے نہیں بتائے ہیں۔ بیٹیاں ہی صرف ہوں کوئی بیٹا نہ ہو۔ بہنیں ہی صرف ہوں کوئی بھائی نہ ہو تو وہ بیٹی یا بہن ایک ہو یا زیادہ ایک معین حصہ پانے والیاں ہیں۔ مگر ما ترک میں سے جیسا کہ قرآن مجید میں صاف تصریح موجود ہے۔ ان کو مابقی میں سے دلوانا ان کی حق تلفی کرنا اور ان پر ظلم ہے۔ ہاں اگر بیٹا بھی کوئی ہو تو بیٹی ایک ہو یا زیادہ۔ یا بھائی بھی کوئی ہو تو بہن ایک ہو یا زیادہ۔ عصبہ ہو جائیگی۔ ورنہ ضرور بیٹی بیٹے کے ساتھ اور بہن بھائی کے ساتھ مابقی ہی میں سے للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق حصہ پائے گی۔ اس لئے بیٹا بھی ہو تو بیٹی کا کوئی حصہ معین نہیں کیا گیا۔ اسی طرح بھائی بھی ہو تو بہن کا کوئی حصہ معین نہیں کیا گیا۔ تو ضرور بیٹے کے ساتھ بیٹی یا بیٹیاں اور بھائی کے ساتھ بہن یا بہنیں عصبہ ہو کر مابقی ہی میں سے پائیں گی۔ کیونکہ اب یہ عصبہ ہیں (واضح رہے یہاں پر میری مراد وہ بھائی بہن ہیں جو ایسے میت کے وارث ہوں جس کے نہ اولاد ہو نہ باپ۔ ورنہ باپ کے ہوتے بھائی یا بہن ایک ہو تو سدس اس کو ملے گا۔ ایک سے زیادہ ہوں تو دو سدس۔ بشرطیکہ میت کے اولاد نہ ہو۔ اور اس وقت یہ بھائی بہن ذوی الفروض میں ہیں عصبہ نہیں۔ فقہاء کرام ان کو بعض روایتوں اور غلط قرأتوں کی وجہ سے صرف اخیافی بھائی بہن کہتے ہیں۔ اور لا ولد ولا والد میت ہی کے ترکہ میں سے ان کو دلواتے ہیں۔ مگر یہ ہرگز صحیح نہیں۔ اس کی مفصل بحث تفسیر آیات وراثت والے رسالے میں اور کتاب المستفذ من الضلالۃ میں درج کر چکا ہوں۔

ابن عباس رضہ والی روایت میں جو تناقض ہے اس کو مولانا ناظم نے بیان نہیں فرمایا اور غلط مثال پیش کر کے بحث خواہ مخواہ طول کر دی۔ بیشک ابن عباس رضہ والی روایت میں تناقض ہے۔ وہ روایت جس میں ماں کو مقدم ورثہ میں داخل نہیں کیا۔ وہ تو صاف غلط ہے کیونکہ کوئی وجہ نہیں کہ ماں ان میں داخل نہ ہو۔ جب مقدم ہونے کے وہ سب اسباب جو زوجین میں ہیں۔ ماں بھی رکھتی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

تو ہے۔ باقی رہی وہ روایت جس میں ماں کو بھی داخل کیا ہے۔ اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضؓ اور محمد بن سیرین میں جو مناظرہ ہے پُرلطف ہے۔ میت نے شوہر، ماں اور باپ کو چھوڑا۔ مسئلہ چھ سے بنا۔ ابن سیرین عام فقہاء کے طریقے پر شوہر کو نصف یعنی تین سہام، باقی تین سہام میں سے ایک سہم یعنے ثلث مابقی ماں کو اور دو سہم عصوبتہً باپ کو دلواتے تھے۔ ابن عباس فرماتے تھے کہ قرآن میں ماں کو ما ترک میں سے دلوایا ہے اور آپ مابقی میں سے دلواتے ہیں۔ اس لئے ابن عباس پہلے تین سہم یعنے نصف شوہر کو اور ایک ثلث یعنی دو سہم ماں کو دیدیتے ہیں۔ اس کے بعد صرف ایک سہم باپ کے لئے بچ جاتا ہے۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ ہم نے کتابُ اللہ میں للذکر مثل حظ الانثیین پڑھا ہے۔ الانثیٰ مثل حظ الذکرین نہیں پڑھا ہے کہ آپ ماں کو تو دو سہام دیتے ہیں اور باپ کے لئے ایک ہی سہم چھوڑتے ہیں۔ مگر یہ مناظرے والی روایت بھی درحقیقت من گھڑت ہی ہے۔ ابن عباس رضؓ والی روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اس کی کھوکھلی دیوار پر یہ کھوکھلا پشتہ لگایا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ والدین اولاد کے ہوتے صرف ذوی الفروض ہیں۔ اسی لئے اولاد کے ہوتے ان میں جو ہر ایک کو ایک سدس دلوایا گیا ہے۔ تو ما ترک سے بنص صریح۔ مگر جب اولادؔ نہ ہو تو باپ تو عصبہ ہی ہے۔ ماں بھی باپ کے ساتھ عصبہ ہی ہوتی ہے۔ مگر اخوۃ کی موجودگی و عدم موجودگی کیوجہ سے اس کے حق میں کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے اور اگر ایک ہی بھائی یا بہن ہو تو اثر صرف ماں ہی پر پڑتا ہے اس لئے اس کے حصے کی تعیین ضروری تھی۔ اس لئے ماں کا حصہ تو معین ہوگیا اور اب وہ ذوی الفروض میں ہوگئی۔ مگر باپ کی عصوبت کی وجہ سے اس کے ساتھ اس کی بھی وہ معنوی عصوبت باقی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ لاولدیت کی ماں جب اس کے باپ بھی ہو تو باپ کے ساتھ معنوی عصوبت کی وجہ سے اپنا فرض مابقی میں سے پائے گی۔ اسی لئے قرآن مبین نے اس موقع پر ما ترک کا لفظ نہیں ارشاد فرمایا۔ وورثہ ابواہ کا لفظ بتارہا ہے کہ ماں کو سدس یا ثلث ملے گا۔ ماں ورثاء میں سے اور ان کی میراث عصوبت کی وجہ سے وہی ہے جو دوسرے ورثہ سے بچ جائے اس لئے ماں کو جو سدس یا ثلث ملے گا وہ مابقی میں سے نہ کہ ما ترک میں سے یہ ایک نہایت اہم نکتہ ہے اور بہت قابل غور۔ اس سے اور مسائل بھی حل ہوسکتے ہیں جس کی تصریح کا یہ موقع نہیں ہے۔ غرض ابن عباسؓ کس طرح یہ اعتراض کرسکتے تھے کہ قرآن نے ماں کو ما ترک سے دلوایا ہے اور تم مابقی سے دلواتے ہو

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ہو۔ باپ کے ساتھ قرآن نے ماں کو لاولدیت کے ترکے سے کہاں ما ترک میں سے دلوایا ہے۔ اور ابن عباس رضہ تو بیٹیوں اور بہنوں کو ما بقی میں سے خود دلوا رہے ہیں۔ جن کے لئے قرآن کی نص صریح موجود ہے۔ ان کو ما ترک میں سے ملے۔ اس لئے ابن سیرین کا اعتراض صحیح ہو سکتا ہے نہ کہ ابن عباس رضہ کا۔

اب مولانا اسلم کے اختراع کو دیکھئے کہ اس سے عول کی گتھی سلجھتی ہے یا نہیں۔ مثلاً مرنے والے نے بیوی، ماں، دو عینی اور دو اخیافی بہنوں کو چھوڑا۔ (یا اخیافی بہنوں کی جگہ مولانا کے قائم کردہ دو منہ بولے عہدی وارثوں کو چھوڑا) مولانا کے قاعدے کے مطابق مسئلہ بارہ سے ہوگا۔ مال متروکہ ایک سو بیس روپے فرض کر لیجئے۔ بیوی کو پہلے ربع یعنی تیس روپے دیکھئے۔ باقی بچے نوّے روپے۔ اس میں سے ایک سدس یعنی پندرہ روپے ماں کو دیجئے۔ دو ثلث یعنی ساٹھ روپے عینی بہنوں کو اور دو سدس یعنی تیس روپے اخیافی بہنوں کو یا عہدی وارثوں کو دیجئے۔ اور میزان جوڑئے ایک سو پینتیس (۱۳۵) آتی ہے اور مال متروکہ ایک سو بیس روپے ہی تھے۔ تو کیا یہ پندرہ روپے فاضل مولانا اپنی جیب سے ملا کر تقسیم فرمائیں گے۔

اسی طرح اگر مرنے والی نے شوہر، ماں، دو عینی اور دو اخیافی بہنوں کو یا عہدی وارثوں کو اخیافی کے عوض وارث چھوڑا ہے۔ اور مال متروکہ وہی ایک سو بیس روپے ہے۔ تو مولانا نصف یعنی ساٹھ روپے پہلے تو شوہر کو دے دیں گے۔ باقی ساٹھ روپے میں سے ایک سدس یعنی دس روپے ماں کو دیں گے اور دو ثلث یعنی چالیس روپے دونوں عینی بہنوں کو دیں گے۔ اور دو سدس یعنی بیس روپے اخیافی بہنوں یا عہدی وارثوں کو عطا فرمائیں گے۔ اب میزان آتی ہے ایک سو تیس روپے اس صورت میں بھی تقسیم کے وقت دس روپے مولانا کو اپنے صندوقچے سے نکالنا پڑیں گے۔

مولانا اسلم خود سوچیں کہ ان کے قاعدے کے مطابق تقسیم کرنے سے بھی تو ان دونوں صورتوں میں عمل کے بغیر کام چلتا نظر نہیں آتا۔ اس سے تو بہتر وہی ابن عباس رضہ والا طریقہ تھا۔ مگر وہ نہیں جس کو مولانا نے پیش کیا ہے۔ جس میں ماں مقدم ورثہ سے خارج ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ طریقہ جس کو میں نے مستدرک کی روایت سے اوپر نقل کیا ہے۔ یعنی احد الزوجین کے ساتھ ماں کو بھی پہلے دیا جائے۔ اور زوج کے ساتھ ماں کو بھی پہلے حصہ دے کر ان دونوں سے جو کچھ بچے اس میں سے باقی ورثہ کو دیا جائے۔ چنانچہ آپ اس قاعدے کے مطابق مذکورہ دونوں صورتوں میں تقسیم کر کے دیکھ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

لیجئے۔ بغیر عول کے تقسیم کا حساب درست ہوجاتا ہے۔ مثلاً پہلی صورت میں بیوی کو ایک ربع تیس روپے اور ماں کو ایک سدس بیس روپے پہلے دیدیجئے۔ اس کے بعد ستر روپے بچے۔ اس میں سے دو ثلث چھیالیس ۴۶ روپے دس آنے آٹھ پائی (انگریزی) $\frac{۱۰}{۸}$ للعہ دونوں عینی بہنوں کو دیجئے اور دو سدس تیئس ۲۳ روپے پانچ آنے چار پائی (انگریزی) $\frac{۵}{۴}$ عہ دونوں اخیافی بہنوں کو دیدیجئے۔ اور پھر میزان جوڑ لیجئے۔ پورے ایک سو بیس روپے آجاتی ہے۔

دوسری صورت کو بھی دیکھ لیجئے۔ شوہر کو نصف ساٹھ روپے اور ماں کو ایک سدس بیس روپے پہلے دیدیجئے۔ اسی روپے نکل گئے۔ باقی بچے چالیس روپے۔ اس میں سے دو ثلث یعنی ۲۶ چھبیس روپے دس آنے آٹھ پائی انگریزی $\frac{۱۰}{۸}$ عہ آپ دونوں عینی بہنوں کو دیدیجئے۔ اور دو سدس یعنی تیرہ روپے پانچ آنے چار پائی $\frac{۵}{۴}$ عہ دونوں اخیافی بہنوں کو دیجئے۔ اور اب میزان جوڑے پورے ایک سو بیس ۱۲۰ روپے ٹھیک اترتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس صورت میں عینی اور اخیافی بہنوں کی سخت حق تلفی ہوتی ہے۔ کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ماترک میں سے حصہ دلوایا ہے اس کو مابقی میں سے دیکر اس کا حق نصف سے کم دیا جاتا ہے جو کھلا ہوا ظلم ہے۔ غرض ظلم اور حق تلفی کی پرواہ نہ کیجئے تو بیشک ابن عباس رضہ کیطرف منسوب روایت پر عمل کرنے سے عول کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی اور تقسیم کا حساب بالکل ٹھیک اُترجاتا ہے۔ غرض عول سے بچنے کی اگر کوئی صورت ہے۔ تو وہی مستدرک والی روایت کے مطابق ابن عباسؓ کیطرف منسوب طریقۂ تقسیم مگر وہ ایک ظلم صریح اور قرآنی عبارۃ النص کے خلاف ہے۔ اس لئے کسی طرح قابل قبول نہیں۔ مولانا اسلم جس طریقے سے عول کی مشکل حل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ طریقۂ عول سے مستغنی نہیں کرتا وہ مشکل کو حل کیا کرتا۔ کہ اور مشکلات پیدا کر دیتا ہے۔ باوجود مخالف قرآن و مخالف اسلاف کے ظلم و حق تلفی پر مجبور کرتا ہے۔ اس لئے عول سے درحقیقت کوئی صورت مفر نہیں۔ عول ہی ایک ایسا طریقہ ہے جس سے ایسی صورتوں میں ہر وارث کو اس کا واجبی حق ہی ملے۔ اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ نقشے میں مثال ملاحظہ کیجئے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

## مسئلہ عول ۱۰ مال متروکہ ما عنہ ۲۰

| ورثہ | زوج | ام | دو عینی بہنیں | دو اخیافی بہنیں | میزان |
|---|---|---|---|---|---|
| قرآن مبین کے معین کردہ حصے | ۳/ نصف | ۲/ سدس | ۴/ دو ثلث | ۲/ دو سدس | ۱۰ |
| بزعم خود قرآن کے مطابق اگر تقسیم کریں | ۶۰ | عنہ ۲۰ | ۸۰ | للعنہ ۴۰ | ما ۲۰۰ |
| قرآن سے مستنبط عول کے مطابق اگر تقسیم ہو | ۳۶ | ۱۲ | ملعنہ ۴۸ | للعنہ ۲۴ | ما عنہ ۱۲۰ |
| عول کی وجہ سے کتنی کتنی کمی کس کس حصے میں ہوئی ہر ایک حصے کی کمی اسکے حصۂ رسدی کے مطابق ہے | للعنہ ۲۴ | ۸ | ۳۲ | ۱۶ | لنہ ۸۰ |
| عول کی وجہ سے ہر وارث کے حصے میں اسی کے حصے رسدی کے مطابق جو کمی آئی تو کس طرح آئی اور اس کمی کے بعد کس کس کے لئے کتنا کتنا بچا۔ | ۶۰ میں سے للعنہ ۲۴ نکلا باقی بچا ۳۶ | عنہ ۲۰ میں سے ۸ نکلا باقی بچا عنہ ۱۲ | لنہ ۸۰ میں سے ۳۲ نکلا باقی بچا ملعنہ ۴۸ | للعنہ ۴۰ میں سے ۱۶ نکلا باقی بچا للعنہ ۲۴ | ما ۲۰۰ میں سے لنہ ۸۰ نکلا باقی بچا ما عنہ ۱۲۰ |

اگر زوج کی جگہ زوجہ ہو تو ایک سو بیس روپے کی تقسیم آنوں اور پائیوں کی تقسیم پر بھی بعض اجزاء لا یتجزی رہ ہی جاتے ہیں اس لئے اس صورت میں آپ مال متروکہ ما لعنہ ۱۱۹ ایک سو انیس روپے فرض کیجئے اور حسب ذیل نقشہ بنائیے

## مسئلہ ۱۱ عول ۱۷ مال متروکہ ما لعنہ ۱۱۹

| ورثہ | زوجہ | ماں | دو عینی بہنیں | دو اخیافی بہنیں | میزان |
|---|---|---|---|---|---|
| قرآن کے معین کردہ حصے | ۳/ ربع | ۲/ سدس | ۸/ دو ثلث | ۴/ دو سدس | ۱۷ |
| بزعم خود قرآن کے مطابق اگر تقسیم کیا جائے | ۳۰ | عنہ ۲۰ | لنہ ۸۰ | للعنہ ۴۰ | ما عنہ ۱۲۰ |
| قرآن کے مستنبط عول کے مطابق اگر تقسیم کیا جائے۔ | ۲۱ | للعنہ ۱۴ | ۵۶ | ملعنہ ۲۸ | ما عنہ ۱۱۹ |

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ ایک ایسا صحیح ہر طرح مبنی بر عدل و انصاف اور ناگزیر مسئلہ ہے۔ جس سے گریز کیا ہی نہیں جا سکتا ہے۔ قرآنی آیات خود عول کیطرف اشارات رہنمائی کر رہے ہیں۔ تصریح قانونِ وراثت کی آیتوں کو پڑھئے۔ یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِی اَولَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ یعنے اولاد کے بارے میں اللہ تعالےٰ کی وصیت ہے کہ ایک مرد کو (یعنے بیٹے کو) دو عورتوں (یعنی بیٹیوں) کے برابر حصہ ملے۔ اَب مرد، یعنے بیٹے کے حصے کی واقفیت موقوف ہے۔ عورت یعنے بیٹی کے حصے کی واقفیت پر، ایک بیٹی کا حصہ معلوم ہو جائے تو خود بخود ایک بیٹے کا حصہ اس کا دگنا کر دینے سے معلوم ہو جائے گا۔ اسی لئے بیٹے کا حصہ نہیں بتایا۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| عول کی وجہ سے کتنی کتنی کمی کس کس حصے میں واقع ہوئی۔ ہر ایک حصے کی کمی اس کے حصہ رسدی کے مطابق ہے۔ | لعـ ۹ | مـ ۹ | للعـ ۲۴ ہ | بمـ ۱۲ ہ | لر صـ ۵۱ ہ |

مجھ کو امید ہے کہ اتنی تفصیل و متن مضمون و حاشیہ و نقشہ سب کو دیکھ کر اہل انصاف کے تمام شکوک انشاء اللہ تعالےٰ رفع ہو جائیں گے۔ واللہ الموفق وھو المستعان والیہ الانابۃ وعلیہ التکلان والسلام تمنا عمادی مجیبی پھلواری (اعتذار) مجھ کو فن حساب میں مطلق دخل نہیں۔ اس لئے حسابی غلطیوں کی اصلاح اہل علم خود کر لیں اور مجھ کو معاف فرمائیں۔

والسلام

البتہ بیٹی کا حصہ بتا دیا۔ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ اگر ایک بیٹی ہو تو اس کو نصف دیا جائیگا۔ اب نصف کو دگنا کر لیجئے۔ اگر ایک بیٹا ہو تو اس کو دو نصف ملیں گے۔ یعنے پورا مال اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو بیٹی کو ایک حصہ اور بیٹے کو دو حصے یعنے مال تین حصے پر تقسیم کئے جائیں گے۔ مگر آیت میں "نصف" کا ذکر ہے تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ مال کو تین نصف پر تقسیم کر کے ایک نصف بیٹی کو اور دو نصف بیٹے کو دینا چاہیئے؟ کیا کسی مال کو تین نصف پر تقسیم کیا جا سکتا ہے؟ تو جس کو قرآن نے ایک نصف دلوایا تھا۔ آپ نے اس کو ایک ثلث دیا۔ اور جس کو دو نصف دلوایا۔ آپ نے اسے دو ثلث دئے۔ لیکن آپ اس کو حق تلفی و ظلم نہیں کہتے۔ حالانکہ یہ بھی عول ہی ہے۔ کیونکہ مسئلے کا مخرج دو کے عوض تین ہو گیا۔ اسی طرح اگر دو بہنیں اور ایک بھائی ہوں تو آپ مسئلے کا مخرج چار قائم کر کے مال کو چار ربع پر تقسیم کرتے ہیں۔ اور دو ربع بیٹے کو اور ایک ایک ربع بیٹیوں کو دیتے

---

لہ قرآن مبین نے بیٹیوں کے حصے یوں بیان کئے ہیں۔ وَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ اگر اولاد صرف بیٹیاں ہوں دو سے اوپر تو ان کے لئے دو ثلث مال متروکہ میں سے ہے اور اگر ایک ہو تو اس کے لئے نصف ہے۔ "دو سے اوپر" خاص طور سے اس لئے فرمایا ہے کہ جب ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہو تو بیٹے کو دو ثلث اور بیٹی کو ایک ثلث ملتا ہے تو بیٹے کو دو بیٹیوں کا حصہ ملا۔ اس سے باقتضاء النص خود بخود دو بیٹیوں کا حصہ معلوم ہو گیا کہ ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہو تو جو حصہ اس بیٹے کو ملتا ہے وہی دو بیٹیوں کو ملے گا یعنے دو ثلث۔ اس لئے اب ضرورت تھی دو سے زیادہ اور دو سے کم کے بیان کرنے کی تو اس کو بیان کر دیا۔ اگر یہ عنوان بیان اختیار نہ کیا جاتا اور "دو سے اوپر" نہ کہا جاتا بلکہ دو اور دو سے اوپر" کہا جاتا تو للذکر مثل حظ الانثیین کے معنی یہ سمجھے جاتے کہ ایک بیٹے کو دو ثلث ملیں اور یہ غلط ہوتا یعنے دو بیٹیوں کے حصے باقتضا [illegible] کئے اور دو سے اوپر اور دو سے کم کے حصے بعبارۃ

ہیں۔ حالانکہ ایک بیٹے کو دو نصف اور دو بیٹیوں کو دو ثلث[1] ملنا چاہیئے تو کیا دو نصف کے حقدار کو دو ربع دینا۔ اور ایک ایک ثلث کے مستحقوں کو ایک ایک ربع دینا بظاہر حق تلفی نہیں ہے؟ مگر آپ اس عول کو نہ سمجھتے ہیں نہ کہتے ہیں۔ یہ بھی تو عول ہی ہے۔ یہی حال کلالہ کے ایک بھائی اور ایک بہن کا ہے کہ بہن کو ایک نصف اور بھائی کو دو نصف ملنا چاہیئے اور آپ بہن کو ایک ثلث اور بھائی کو دو ثلث دلواتے ہیں۔ نصف کو ثلث سے بدل دیتے ہیں۔ مسئلے کا مخرج دو تھا اس کو تین کر دیتے ہیں اور اسی کا نام عول ہے مگر اس عول کو غلط نہیں کہتے۔

اور ایک بھائی دو بہنیں ہوں تو بھائی کو دو نصف اور دونوں بہنوں کو دو ثلث کے عوض یہاں بھی بیٹے کیطرح بھائی کو دو ربع اور بہنوں کو بیٹیوں کیطرح ایک ایک رُبع دلواتے ہیں۔ دو نصف کو بھی دو رُبع سے اور دو ثلث کو بھی دو ربع سے بدل دیتے ہیں۔ ایسے صریح عول کو بھی عول نہیں سمجھتے اور نہ اس میں کسی کی حق تلفی محسوس کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مسئلہ کا مخرج چھ ہے مگر تقسیم سات سے کیا جائے یا آٹھ سے یا دس سے وغیر ذالک۔ تو آپ گھبرا جاتے ہیں۔ اور عول عول چیخنے اور لاحول پڑھنے لگتے ہیں؟ اور آپ کے دل میں ہول پیدا ہونے لگتا ہے اور اول عول کہنے لگتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسئلے کے صرف مخرج کی تبدیل سے اور اس تبدیل شدہ نئے مخرج کی وجہ سے تقسیم سہام کے وقت عنوان کے نام بھی بدل جاتے ہیں۔ نصف کی جگہ ثلث

---

[1] دو بیٹیوں کے لئے دو ثلث جو قرآن مبین کے اشارۃ النص سے نکلتا ہے۔ اس کا ذکر گذشتہ حاشیے میں آچکا ہے اسی کو علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ فان میراث الابنتین قد علمناہ من النص یعنی دو بیٹیوں کی میراث نص قرآنی سے معلوم ہو چکی ہے اسپر مولانا اسلم جیراجپوری الوراثۃ فی الاسلام ص۹۲ میں فرماتے ہیں تاین النص؟ فانا قد علمناہ من القیاس علی الاختین۔ یعنی نص کہاں ہے؟ ہم نے تو دو بیٹیوں کی میراث کو دو بہنوں پر قیاس کر کے سمجھا ہے۔ علامہ ابن قیم کی مراد اقتضاء النص ہے اور مولانا اسلم عبارۃ النص ڈھونڈھتے ہیں۔ باقی رہا قیاس۔ تو وہ اقتضاء النص کی تائید ہو سکتی ہے۔ اگر اس قیاس کو تسلیم کر لیا جائے۔ ورنہ دراصل دو بیٹیوں کو دو بہنوں پر قیاس کی ضرورت ہی نہیں جبکہ اقتضاء النص موجود ہے البتہ دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو ان کو دو سے زیادہ بیٹیوں پر قیاس کریں گے کیونکہ میت کے اپنی اولاد نہ ہو تو باپ ماں کی اولاد اس کی اپنی اولاد کی جگہ لے لیتی ہے اس لئے

نام پڑ گیا یا ثلث کی جگہ ربع تو اس سے درحقیقت کسی وارث کے حق میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوتی ہے، ہر وارث کو وہی ملتا ہے جو اس کو ملنا چاہیئے اور قرآنی قانونِ وراثت نے اس کو دلوایا ہے۔ البتہ جس وارث کو بنصِ صریح قرآن نے ماترک میں سے حصہ دلوایا ہے اس کو مابقی میں سے دلوانا کھلی ہوئی حق تلفی ہے اور ضرور سخت ظلم ہے

عول کے مخالفین کہتے تو ہیں کہ ہم ورثہ کو حق تلفی سے بچانا چاہتے ہیں۔ مگر دراصل سب سے زیادہ حق تلفی وہی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ تو صرف اتنا چاہتے ہیں کہ جس کو ثلث ہے اس کو چاہے سدس ہی کیوں نہ دیا جائے مگر اس سدس پر لیبل ثلث ہی کا چسپاں رہے جس کو نصف دلوایا گیا ہے اس کو ربع ہی کیوں نہ ملے، مگر اس ربع کے چہرے پر نقاب نصف ہی کی پڑی رہے اور کہا بھی جائے کہ فلاں کو ثلث ملا اور فلاں کو نصف۔ مگر قرآن ایسی آبلہ فریبی کو کبھی جائز نہیں رکھتا۔ خدا کرے میری اتنی تجویز مخالفین عول کی تشفی کے لئے کافی ہو۔ وما توفیقی الا باللہ

باقی رہا یہ کہنا کہ عول کی ضرورت حضرت عمرؓ کے زمانے میں پیش آئی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسکی رائے دی۔ میں اس کو بھی صحیح تسلیم نہیں کرتا۔ یقیناً یہ چیز عہد نبوی سے چلی آرہی ہے۔

# حکم وصیّت وقانونِ وراثت

قرآن مبین نے ہر مسلمان پر فرض کیا ہے کہ جب وہ مرنے لگے تو اپنے مال متروکہ کے بارے میں اپنے والدین اور قریب تر رشتہ مندوں کے لئے مناسب وصیت کر جائے۔ آیت یہ ہے

| | |
|---|---|
| كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ | (اے مسلمانو!) تم پر فرض کیا گیا کہ جب |
| الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ | تم میں سے کسی کو موت کا وقت آجائے |
| لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ | اور وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو اپنے |
| حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَن بَدَّلَهُ | باپ، ماں اور قریب تر رشتہ مندوں |
| بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى | کے لئے وصیت کر جائے مناسب وصیت |

الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ٥ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥

(بقرہ ۲۲/۶ پ ۲)

یہ متقی لوگوں پر (اللہ تعالےٰ کا قائم کردہ) ایک حق ہے (ان کے پسماندوں کا) تو جو شخص اس وصیت کو سن لینے کے بعد بدل دے تو اس کا گناہ اس بدلنے والے پر ہو گا۔ بیشک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ ہاں جو شخص وصیت کرنے والے سے ڈرا (اس کی) بے انصافی یا گناہ کی (وصیت کی) وجہ سے تو اس نے ان پسماندوں کے درمیان صلح کرا دی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اللہ بخش دینے والا مہربان ہے۔

۲ : ۱۸۰ - ۱۸۲

چونکہ اس قسم کے معاملات میں گواہی کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اس لئے حکم ہوا کہ وصیت کے وقت دو گواہ بھی ضرور رکھ لو۔ چنانچہ ارشاد ہوا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ

اے ایمان والو! جب تمہاری موت کا وقت آجائے اور تم وصیت کرنے لگو تو تمہارے درمیان گواہی کا اصول یہ ہے کہ تم میں سے دو انصاف ور گواہ ہوں اور اگر تم سفر میں ہو اور سفر میں ہی موت کا وقت آگیا۔ اور اپنی جماعت کے دو گواہ نہ ملیں تو غیر جماعت کے دو انصاف ور گواہ ہوں۔ ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد تک مسجد میں روکے رکھو، پھر اگر تم لوگوں کو (اس وصیت کے متعلق) کچھ شک ہو تو وہ دونوں اللہ کی قسم

الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَ مَا اعْتَدَيْنَاۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (مائدہ پ)

کھائیں کہ ہم اپنے اس حلفیہ بیان پر کوئی قیمت (دنیاوی) نہیں حاصل کرتے اگرچہ وہ (جس کے حق میں وصیت ہے) قرابت مند ہی ہمارا ہو اور ہم اللہ کی گواہی کو چھپاتے نہیں اگر ہم ایسا کر رہے ہیں تو اس وقت بیشک ہم گناہ گاروں میں سے ہیں۔ پھر اس کا اگر پتہ مل گیا کہ ان دونوں گواہوں نے (اپنی گواہی کے ذریعے) حق مار لیا ہے۔ گناہ کرکے۔ تو دوسرے گواہ ان دونوں کی جگہ کھڑے ہو جائیں۔ ان لوگوں میں سے جن کا حق مارا ہے۔ ان دونوں نے جو اولیٰ تھے۔ (شہادت[1] میں) تو اب یہ دوسرے قسم کھائیں۔ اللہ تعالیٰ کی کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ حق ہے اور ہم نے حدِ صداقت سے تجاوز نہیں کیا ہے اگر ایسا کیا ہو تو ہم لوگ اس وقت ظالموں میں سے ہیں۔

---

[1] تحاق، احتقاق باہم حق کے لئے لڑنا کہ ہر فریق اپنے کو حق پر کہے یا اپنا حق بتائے۔ استحقاق حق مار لینا حق دبا لینا۔ جب علی کے صلے کے ساتھ آئے اور متعدّی ہو تو اس معنی میں آتا ہے۔ الاولیان استحق کا فاعل ہے جو لوگ آخران کی صفت اس کو قرار دیتے ہیں۔ وہ نحوی قواعد کو نظر انداز کر جاتے ہیں، نکرہ کی صفت معرفہ لانا۔ پھر استحق کا فاعل ڈھونڈھتے پھرنا اور جب ملے تو اثم کو اس کا فاعل بنانا، رکاکت پر رکاکت کا ارتکاب ہے۔ اختلاف قرأت والوں کو تو نہ پوچھئے۔ ان کا ذکر ہی بیکار ہے۔ اصل یہ ہے کہ جن کو میت نے مرنے کے وقت اپنی وصیت کا گواہ بنایا وہی گواہی کے لئے ولی سمجھے جا سکتے ہیں ان کو اپنی قسم کا وقار خود رکھنا چاہیے میت نے انہیں کو شہادت کے لئے منتخب کیا یا وہی ولی پر تھے۔ اس لئے ان پر اعتماد کیا تو وہی اولیٰ بالشہادۃ

اس میں امید ہے کہ ادا کریں شہادت وہ (جو اولیٰ ہیں شہادت کے لئے)
ٹھیک طرح پر یا وہ ڈریں کہ (ان کی) قسم رَد نہ کر دی جائے۔ ان
(وارثوں یا دوسرے گواہوں) کی قسم کے بعد تو ڈرو اللہ سے اور (اس کے احکام
گوش دل سے) سنو اور اللہ بدکاروں کی ہدایت نہیں کرتا۔"

قرآن مبین میں ناسخ و منسوخ کی بحث فرقہ بند علماء کی یادگار ہے۔ حدیثیں تو ہر فرقے نے اپنے اپنے موافق خود بھی گھڑ ڈالیں۔ اور دوسروں کی گھڑی حدیثیں بھی جمع کرلیں اور اپنے خلاف جو حدیثیں پائیں، ان پر کچھ جرحیں کرکے ان کو موضوع یا ضعیف کہہ دیا۔ یا ان کی کوئی تاویل پیش کر دی۔ مگر آیاتِ قرآنیہ کو کیا کرتے؟ تو اگر اختلاف قرات سے کام چلا تو متواتر متوارث قراءت کے خلاف کسی صحابی یا تابعی کیطرف منسوب کوئی قراءت پیش کرکے اپنا کام نکالا اور کبھی ناسخ و منسوخ کی بحث چھیڑ کر۔ مگر اس وقت میرا یہ موضوع بحث نہیں ہے۔ اس لئے میں اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے لکھتا ہوں کہ آیاتِ وراثت سورۂ نساء میں ہے اور یہ سورہ جبکہ کہا جاتا ہے کہ سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوا ہے۔ مگر سورۂ مائدہ تو بالکل آخری سورتوں میں ہے۔ سورۂ مائدہ کے بعد تو صرف سورۂ توبہ اور اس کے بعد آخری سورۂ نصر نازل ہوا ہے۔ اس لئے سورۂ نساء سے تو سورۂ مائدہ کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ کسی روایت میں ہے کہ سورۂ مائدہ کی یہ آیت جو شہادت وصیت کے متعلق آئی ہے اس کا نزول سورہ نساء کی آیت وراثت کے بعد ہوا۔

اس کے علاوہ ناسخ و منسوخ کا اصول تو یہ ہے کہ دونوں کا اجتماع محال ہو۔ اس لئے مجبوراً ایک کو ناسخ دوسرے کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ مگر یہاں آیت حکم وصیت اور آیت قانونِ وراثت میں کسی طرح کا تضاد نہیں کہ دونوں کے احکام عمل عقلاً محال ہو۔ اول تو یہ آیت وصیت کی رُو سے وصیت کا حکم مرنے والے کو ہے اور تقسیم وراثت کا حکم ورثہ یا حاکم شرع کو، دو حکم دو شخصوں کو الگ الگ ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک حکم کیوجہ سے دوسرا حکم منسوخ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیات وراثت میں جس کا حصہ بھی بیان کیا ہے۔ من بعد وصیۃٍ[1] کی قید کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ آیات قانون وراثت وصیت کے حکم کو مدّنظر رکھتے ہوئے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے نازل کی گئی ہے تو جو حکم پہلے حکم کو باقی رکھتا ہے۔ فقہاء کس طرح اس حکم کو اس پہلے حکم کا منسوخ کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے۔ لے دے کر سب سے بڑا سہارا ان لوگوں کی ایک حدیث ہے۔ لا وصیۃ لوارث اور چونکہ ان کی یہ عادت ہے کہ آیت قرآنی سے زیادہ حدیثوں کو اہمیت دیں۔ اس لئے کتنوں نے تو صرف اسی حدیث سے حکم وصیت والی آیت کو منسوخ کہدیا۔ جو ذرا اس میں ہچکچاتے تو انہوں نے آیات وراثت سے آیت وصیت کو منسوخ کہہ کر گویا اسی اعتراض سے اپنا بچاؤ کر لیا کہ یہ قرآن کو روایت کے ذریعے منسوخ کر رہے ہیں۔

## اگر یہ حدیث نہ ہوتی؟

اگر یہ حدیث لا وصیۃ لوارث کی ان فقہاء و محدثین کے پاس نہ ہوتی تو کیا یہ لوگ آیت حکم وصیت کو قانون وراثت کی آیتوں سے باوجود حصے کی تصریح کے "من بعد وصیۃ" کی قید موجود ہونے کے منسوخ سمجھ سکتے تھے۔ حاشا وکلا کبھی نہیں۔

## کیا یہ حدیث واقعی متواتر ہے؟

متواتر کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ صحابہ و تابعین و اتباع تابعین کے تینوں دوروں میں جس حدیث کے راوی اتنے زیادہ ہوں کہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ اتنی بڑی جماعت نے ایک جھوٹی حدیث کی نسبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف کرنے پر اتفاق کر لیا ہو گا۔ یہ تعریف ہر چند منافقین عجم جو تابعین و اتباع تابعین ہی کے زمرے میں تھے ان

---

[1] قرآن میں ہر جگہ وصیت کو دین پر مقدم کیا ہے۔ حالانکہ دین وصیت سے پہلے واجب الادا ہے صرف اس لئے کہ وصیت ہر مسلم پر فرض ہے اور دین ہر مسلم ادا کر ہی کے مرتا ہے۔ ورنہ دین کے بارے میں بھی وصیت کر جاتا ہے۔ اتفاقاً ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی دین چھوڑ کر مر گیا اور اس کے متعلق ورثہ کو وصیت بھی نہ کر گیا۔ اس لئے من بعد وصیۃ کے بعد او دین فرمایا گیا۔

کی دروغ بافیوں اوران کی ایک باضابطہ مکمل سازش سے بے خبر اگر اپنے آپ کو رکھا جائے تو ضرور نہایت صحیح اور مناسب معلوم ہوگی۔ ورنہ اگران بھی تابعین اور اتباع تابعین کے سامنے یہ تعریف متواتر حدیث بیان کی جاتی تو وہ اگرچہ زبان سے تو کچھ نہ کہتے۔ بلکہ اس کی تصحیح و تصدیق بڑے زوروں پر کرتے، مگر دل ہی دل میں یہ ضرور کہتے کہ تم یہ کیا کہتے ہو کہ اتنی بڑی جماعت کا ایک جھوٹی حدیث کی نسبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف کرنے پر متفق ہونا عقلاً محال ہوگا۔ حالانکہ بارہا کردیم و شد

## طرق روایت پر بحث

بہر حال اب اس حدیث کے طرق روایت پر نگاہ ڈالئے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حدیث امام مالکؒ کی مؤطا اور صحیح مسلم میں بالکل نہیں۔ صحیح بخاری نے باب تو ضرور باندھا ہے۔ باب لاوصیۃ لوارث۔ مگر اسی باب کے تحت میں اس مضمون کی ایک حدیث بھی ان کو نہ مل سکی۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک ذاتی رائے انہوں نے نقل کی ہے۔ جس میں لاوصیۃ لوارث کا لفظ بھی نہیں۔ نہ پوری طرح یہ مفہوم اس سے نکل سکتا ہے۔ عنقریب آپ اس کی تصریح ملاحظہ فرمائیں گے۔

غرض اسی حدیث سے مؤطا، بخاری و مسلم تینوں قدیم اور معتبر کتابیں جو علماءِ حدیث میں تمام دوسری کتبِ حدیث سے زیادہ معتبر ہیں۔ بالکل خالی ہیں۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ان لوگوں کے زمانہ جمع و تدوین احادیث تک یہ حدیث گھڑی ہی نہیں گئی تھی۔ یا کم سے کم اس وقت تک ایسے راویوں کی زبانوں تک نہیں پہنچی تھی۔ جن کو یہ امام مالک و امام بخاری و امام مسلم سند و حجت سمجھتے تھے۔

## سُنن ابُوداؤد

میں دو باب اس سلسلے میں ہیں۔ پہلا باب فی نسخ الوصیۃ للوالدین والاقربین یعنی والدین و اقربین کے لئے وصیت کے حکم منسوخ ہونا۔ اس باب میں کوئی حدیث رسولؐ نہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے۔ وہو ہذا

حدثنا احمد بن محمد المروزی ابوداؤد سے احمد بن محمد المروزی نے ان سے

| | |
|---|---|
| حدثنی علی بن حسین بن واقد | علی بن حسین بن واقد نے، ان سے انکے باپ نے |
| عن ابیه عن یزید النحوی | ان سے یزید نحوی نے عکرمہ بربری نے ان سے |
| عن عکرمة عن ابن عباسؓ | حضرت ابن عباس رضؓ نے بیان فرمایا ان ترک |
| اِنْ تَرَکَ خیرا نِ الوَصیّة | خیرا ن الوصیّة للوالدین والاقربین |
| لِلوالدَین والاقربین فکانت | (یہ آیت پڑھ کر کہا) کہ تھی وصیت اسی طرح |
| الوصیة کذالِکَ حتی نسختها | یہاں تک کہ اس کو آیت میراث نے منسوخ |
| اٰیة المیراث | کر دیا۔ |

**بخاری کی روایت**

بخاری کی روایت کا ذکر اُوپر آچکا ہے، وہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کا قول کہا گیا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس جگہ اس پر بھی بحث کر دی جائے۔ وہ روایت یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| باب لاوصیة لوارث۔ حَدّثنا | یہ باب ہے اس بارے میں کہ وارث |
| محمّد بن یوسف عن ورقاء | کے لئے وصیّت نہیں۔ امام بخاری سے |
| عن ابن ابی نجیح عن عطاء | محمد بن یوسف نے ان سے ورقاء نے |
| عن ابن عباس رضی الله عنه | ان سے ابن نجیح نے ان سے عطاء نے |
| قال کان المال للولد وکانت | ان سے حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا |
| الوصیّة للوالدین فنسخ اللهُ | کہ مال پہلے بیٹے کے لئے تھا۔ اور وصیّت |
| من ذٰلک ما احبّ فجعل | والدین کے لئے، تو اللہ تعالےٰ نے اس |
| للذکر مثلُ حظّ الانثیین | میں سے جو مناسب سمجھا اس کو منسوخ |
| فجعل للابوین لکل واحدٍ | کیا تو اولاد میں سے مرد کے لئے دو عورتوں |
| منهما السُّدس وجعل للمرأة | کا حصّہ رکھا اور باقی میں سے ہر ایک |
| الثمن والرّبع وللزوج الشطر | کے لئے چھٹا حصّہ اور بیوی کے لئے |
| والرّبع | آٹھواں حصّہ اور چوتھائی اور شوہر |
| | کے لئے نصف اور چوتھائی حصّہ۔ |

## تنقید حدیث کا ایک نہایت اہم طریقہ،

جو حدیث درایت قرآنیہ کے خلاف معلوم ہو رہی ہو۔ مگر متعدد طرق سے اس کی روایت اس طرح نظر آتی ہو کہ اس پر متواتر یا بہت زیادہ مشہور ہونے کا گمان کیا جا سکے اور اس کی کثرت طُرق کو دیکھ کر اس حدیث کو باطل یا موضوع کہنے کی ہمت نہ پڑتی ہو، تو اس حدیث کے تمام طرق کو اور اس کے راویوں کو پوری تحقیق کے ساتھ دیانت و بازپرس آخرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیکھنا چاہیئے کہ اس کے راوی کون کون ہیں اور کہاں کہاں کے رہنے والے ہیں۔

حضرت امیر المومنین اعظم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب عہد فاروقی میں ایران فتح ہوا تو اسی وقت سے منافقین ایران نے خراسان کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جدّ وجہد جاری رکھنے کے لئے مرکز بنا لیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد عہد عثمانی میں دوسرا مرکز ان منافقین عجم کا کوفہ بنا۔ یہی دو اصل مرکز منافقین عجم کے رہے۔ مگر ان کے علاوہ بصرہ، قرسط، مصر، نصیبین، موصل اور عراق کے پاس چھوٹے بڑے گاؤں یمن اور شام کے اکثر شہر مثلاً حمص، دمشق، قیساریہ، فلسطین، انطاکیہ، بصیصہ، طرسوس اور قنسرین وغیرہ میں چھوٹے چھوٹے مراکز ان کے رہے، لیکن حدیثوں کے گھڑنے کی اصل ٹکسال خراسان اور کوفہ ہی رہے۔ وقتی طور سے ان چھوٹے چھوٹے مراکز میں بھی ٹکسال قائم کر لی جاتی تھی۔ مگر چونکہ اس فن کے ماہرین زیادہ تر خراسان اور کوفہ ہی میں مجتمع تھے۔ اس لئے حدیثیں عموماً انہیں دونوں جگہوں میں سے کسی جگہ گھڑی جاتی تھیں۔ اور دوسرے مراکز سے ان کی اشاعت کا انتظام کیا جاتا تھا۔ کچھ دنوں تک خراسان کیطرح نیشاپور بھی ان وضاعین وکذابین کا مرکز رہا ہے مگر آخر میں سب سے بڑا مرکز اور سب سے بڑی ٹکسال کوفہ ہی بن گیا۔ اسی لئے جتنے وضاعین وکذابین کوفے میں ہوئے اور کہیں نہیں ہوئے۔ اور شام کا پورا علاقہ ان منافقین کی زبردست اشاعت گاہ رہا۔ تو ایسی حدیثوں کے رواۃ آپ کو یقیناً انہی

جگہوں کے رہنے والے یا یہاں سے تعلق رکھنے والے ہی ملیں گے اور آپ کو تھوڑی چھان بین سے پتہ مل جائیگا کہ یہ تمام طرق انہی جگہوں میں سے کسی ایک یا دو تین جگہوں سے پھیلے ہیں۔

## حضرت ابن عباس رض کا قول

وہ قول جس کو امام بخاری کی کتاب میں دیکھتے ہیں۔ گھڑا تو گیا خراسان میں۔ مگر اس کے گھڑنے والے اپنے فن کے ماہر نہ تھے۔ اس لئے اس میں بعض رکاکتیں رہ گئیں جن کو بعد والوں نے محسوس کیا تو پھر ایک نئی روایت گھڑ ڈالی۔ اور وہ بھی خراسان میں ہی گھڑی گئی جن کو سنن ابو داؤد میں آپ دیکھتے ہیں۔ اس میں سے وہ رکاکتیں نکال دی گئیں۔ بخاری کی روایت میں جو رکاکتیں ہیں۔ ان کو میں عنقریب بتاؤں گا۔ جب متن حدیث پر بحث ہو گی۔ ابو داؤد کی روایت تو اوّل سے آخر تک مروزیوں یعنے "مَرو"[1] کے رہنے والوں سے چلی ہے۔ احمد بن محمد المروزی دو ہیں۔ احمد بن محمد بن ابراہیم المروزی متوفی ۲۸۳ھ اور احمد بن محمد بن موسیٰ المروزی متوفی ۲۳۵ھ مگر کسی کے تذکرے میں یہ مذکور نہیں کہ ان سے ابو داؤد صاحب سنن نے بھی روایت کی ہے اور نہ دو میں سے کسی کے ذکر میں یہ مذکور ہے کہ یہ علی بن حسین بن واقد المروزی سے روایت کرتے ہیں۔ اس لئے معلوم نہیں کہ کون احمد بن محمد المروزی ہیں۔ بہر حال ہیں وہ مروزی ہی جو بھی ہوں۔

علی بن حسین بن واقد المروزی کو تو کتب رجال والے ضعیف الحدیث خود تسلیم کر رہے ہیں اور مَرجیہ بھی لکھتے ہیں۔ تہذیب التہذیب میں ابن حجر نے اور میزان الاعتدال میں امام ذہبی نے، دونوں ہی نے لکھا ہے کہ امام ابو حاتم نے ان کو ضعیف الحدیث کہا ہے اور امام اسحاق بن راہویہ ان کے بارے میں نہایت بُرا خیال رکھتے تھے اور ابن حبان نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم رات دن ان کے سامنے سے گذرتے تھے مگر ایک حرف بھی ان سے نہیں لکھا۔ یعنے امام بخاری ان کو اس قابل نہیں سمجھتے

[1] "مَرو" خراسان کا ایک مشہور شہر تھا جہاں وضّاعین وکذابین کا ایک جمگھٹا رہتا تھا۔

تھے کہ ان کی حدیث لکھی جائے۔ یہ ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۱ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور ان کے والد بزرگوار حسین بن واقد المروزی متوفی ۱۵۹ھ (بقول صحیح) کی حدیثوں سے امام احمد بن حنبل نہایت سختی کے ساتھ انکار فرماتے ہیں۔ اور یزید بن ابی سعید النحوی بھی مروزی ہی تھے۔ قریش خاندان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ۱۳۱ھ میں ابومسلم خراسانی نے انہیں قتل کرا دیا تھا۔

غرض ابوداؤدؒ کی اس روایت کا سلسلہ صرف خراسانیوں سے چلا ہے۔ "مَرو" خراسان ہی کا ایک مشہور قصبہ تھا۔

## امام بخاری کی روایت

اب بخاری کی روایت پر نظر ڈالئے۔ امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول روایت کرتے ہیں۔ محمد بن یوسف بن واقد ی عثمان الضبی سے۔ یہ بھی ایک غلام آزاد کردہ ہی تھے "فاریاب" جو بلاد ترک میں سے ایک شہر تھا۔ در اصل وہیں کے رہنے والے تھے مگر قیساریہ جو ساحل بحرِ شام پر آباد تھا۔ وہیں رہتے تھے۔ لیکن ایک مدت تک کوفہ میں بھی رہے اور سفیان ثوری رح وغیرہ کی خدمت میں حاضر باش رہے۔ سفیان ثوریؒ سے ایسی ایسی روایتیں کرتے تھے۔ جو ان کے سوا کوئی دوسرا روایت نہیں کرتا تھا۔ اس لئے لوگ ان کی روایتوں کے متعلق ذرا مشتبہ سے رہتے تھے۔ امام یحییٰ بن معین نے ان کی بعض حدیثوں کو باطل بھی کہا ہے۔ ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۲ھ میں وفات پائی، مگر چونکہ امام بخاری نے ان سے ۲۶ حدیثیں روایت کی ہیں۔ اس لئے آئمہ رجال

---

ے امام ابوداؤد جن کی کتاب سنن ابی داؤد مشہور ہے اور صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے۔ ان کا پورا نام سلیمان بن الاشعث ہے۔ ۲۰۲ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۲۷۵ھ میں وفات۔ ان کے ترجمے میں ان کے شیوخ کے نام بھی آئمہ رجال نے لکھے ہیں مگر کوئی بھی ان کے شیوخ میں احمد بن محمد المروزی کا نام نہیں لکھتا ہے۔ عجب کیا ہے کہ یہ حدیث ایک سلسلۂ اسناد قائم کر کے ان کی کتاب میں داخل کر دیگئی ہے ورنہ کیا معنے کہ احمد بن محمد المروزی کا نام نہ ابوداؤد کے شیوخ میں مذکور ہے نہ علی بن حسین بن واقد کے تلامذہ میں اور نہ احمد بن محمد المروزی نام کے جو دو شخص کتب رجال میں ملتے ہیں۔ ان کے شیوخ میں علی بن حسین بن واقد کا نام آتا ہے نہ ان کے تلامذہ میں

نے ان سے توثیق کی ہے۔

ورقاء بن عمر بن کلیب الیشکری۔ یہ کوفی تھے، امام احمد بن حنبل رحمہ نے فرمایا کہ یہ خراسانی ہیں مگر کوفہ میں آ کر رہ گئے۔ تفسیر میں مشہور تھے۔ مگر امام احمد رحمۃ نے فرمایا کہ یہ تفسیر میں تصحیف بہت کیا کرتے تھے۔ معاذ بن معاذ نے یحییٰ القطان سے پوچھا کہ تم نے منصور کی حدیث سنی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں پوچھا کس سے؟ کہا کہ ورقاء سے۔ انہوں نے کہا تو وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ وکیع تفسیر بیان کرنے لگے تو ابراہیم الحربی نے لوگوں سے کہا کہ ان کی تفسیر سنو، ان کی تفسیر میں کلبی اور ورقاء کی تفسیری روایتیں نہیں ہوتیں۔ کلبی مشہور کذاب ومفتری تھا۔ اسکے برابر ورقاء کا ذکر بالکل اسی نوعیت میں بتا رہا ہے کہ دونوں ہی تفسیری روایتوں کے راوی ہیں اور ایک ہی معیار کے ہیں یعنے دونوں کذاب ہیں۔

ورقاء کی ولادت یا وفات کا سال ابن حجر وغیرہ نہیں لکھتے مگر یہ لکھا ہے کہ ابوالمنذر اسمٰعیل بن عمران کی وفات کے وقت آئے تھے۔ اور ابوالمنذر کی وفات ۱۶۰ھ کے بعد ان کے ترجمے میں لکھی ہے۔ اس لئے ورقاء کی وفات ۱۶۰ھ میں یا اس سے کچھ پہلے ہوئی ہو گی۔

تو اب صاف پتہ مل گیا کہ ابو داؤد اور بخاری دونوں کی روایتوں کا اصل منبع اور ٹکسال خراسان ہی ہے۔ پہلی روایت یعنی بخاری والی پورے عزم و احتیاط سے نہ بن سکی۔ اس لئے اس میں کسی قدر رکاکت رہ گئی جس کو متن حدیث کی تنقید ہی میں ابھی بیان کرتا ہوں۔ اسلئے جب حلقۂ وضاعین نے اس کمزوری کو محسوس کیا تو جھٹ دوسری روایت وضع کر ڈالی اور وہ رکاکت نکال دی۔ بخاری والی روایت ورقاء کے ذریعے خراسان سے کوفہ پہنچی تھی اور پھر کوفے سے بذریعہ محمد بن یوسف قیساریہ ساحل شام تک پہنچی اور پھر امام بخاری کو مل گئی۔ یا ان کی کتاب میں داخل کر دیگئی۔ ایسی رکیک حدیث، محض ابن عباس رض کا ایک قول ایسے کمزور ذرائع سے امام بخاری خود اپنی کتاب میں داخل کر لیتے اور اسی کے لئے ایسے الفاظ میں باب باندھتے جو قرآن کی نص صریح کے خلاف ہو اور اس کے لئے کوئی قوی یا ضعیف ہی حدیث نبوی عا بھی ان کو نہ مل رہی ہو، ہرگز امام

بخاری سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے یقیناً یہ باب مع حدیث بخاری میں داخل کر دیا گیا ہے۔

**رکاکت معنوی** امام بخاری کی روایت اور اس کا ترجمہ پڑھتے جائیے۔ حضرت ابن عباس رضہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ "مال پہلے ولد (بیٹے) کے لئے ہوا کرتا تھا اور وصیت والدین کے لئے" غور کیجئے کہ اس سے پہلے کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ کے حکم وصیت کی تعمیل کا رواج عہد نبوی میں جو ہوا، وہ مراد ہو سکتا ہے اس آیت میں تو وراثتِ ولد کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے۔ ابن عباس رضہ کے قول میں صرف ولد کا ذکر ہے۔ جس میں بیٹی کو بھی داخل سمجھا جا سکتا ہے۔ اور صرف بیٹا بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت میں صرف والدین ہی کے لئے وصیت نہیں ہے۔ بلکہ اقربین کے لئے بھی وصیت کا حکم ہے اور الاقربین میں اولاد بدرجہ اُولیٰ داخل ہیں ابن عباس رضہ کے اس قول میں صرف والدین ہی کے لئے وصیت کا دستور بیان کیا گیا ہے۔ اگر واقعی یہ قول ابن عباس رضہ کا ہے تو اس سے زمانہ جاہلیت کے رواج کا بیان سمجھا جا سکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بیٹی کے لئے وراثت نہ تھی نہ وصیت۔ وراثت صرف بیٹے کا حق تھا اور مرنے والا والدین کے لئے کچھ وصیت کر جاتا تھا ممکن ہے کہ ابن عباس رضہ نے زمانۂ جاہلیت کے اس رواج کا ذکر کر کے فرمایا ہو کہ "وراثت بیٹے کا حق تھا اور وصیت والدین کے لئے کی جاتی تھی تو اللہ نے اس میں سے جو مناسب سمجھا اس کو منسوخ کر دیا۔ اس کے بعد بخاری ابن عباس رضہ کا قول یوں لکھتے ہیں:-

> "تو اولاد میں سے ایک مرد کے لئے دو عورت کا حصہ رکھا اور باپ ماں ہر ایک کے لئے ایک چھٹا حصہ اور بیوی کے لئے آٹھواں اور چوتھائی اور شوہر کے لئے نصف اور چوتھائی"

مگر پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہاں بھول گئے بیوی اور شوہر کے لئے تو دونوں

حالتوں میں اولاد ہو جب کیا ملے اور اولاد نہ ہو، جب کیا ملے، تصریح کے ساتھ بیان کیا
مگر والدین کے متعلق صرف ایک ہی صورت میں یعنے میت کے اولاد ہو تو کیا ملے اس کو
بیان کیا۔ اور اگر میت لاولد ہو تو ماں باپ کو کتنا کتنا ملے، اس کا ذکر بھول گئے۔ اور اگر
میت کے بھائی بہن بھی ہوں، جب ماں باپ کو کتنا کتنا ملے، اس کی بھی تصریح نہ کی،
جب کہ بیوی اور شوہر کے حصوں میں جو جو فرق اولاد کے ہونے یا نہ ہونے۔ اور بھائی
بہن کے ہونے یا نہ ہونے کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو بھی تو ضرور مذکور ہونا تھا
ورنہ جس طرح ابو داؤد والی روایت میں تصریح حصص کو چھوڑ دیا ہے۔ اس روایت
میں بھی تصریح حصص نہ ہوتی۔ غرض بیان رواج سابق اور حصوں کی تصریح کر کے
اس روایت کی متن کو رکاکتوں سے بھر دیا ہے۔ جو ہرگز ہرگز حضرت ابن عباس رضؓ کا
قول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یقیناً یہ روایت صحیح بخاری میں داخل کر دیگئی ہے، امام
بخاری نے کبھی نہیں لکھی ہوگی۔

مختصر یہ کہ حضرت ابن عباس رضؓ کیطرف منسوب یہ دونوں قول خراسانیوں کے
من گھڑت ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔

## اصل حدیث

اب لا وصیۃ لوارث والی حدیث کے طرق روایت کو ملاحظہ فرمائیے۔ یہ حدیث
تین صحابیوں سے روایت کی گئی ہے۔ (۱) عمرو بن خارجہ (۲) ابو امامۃ الباہلی اور (۳)
انس بن مالک رضؓ

**سلسلۂ اسناد** (۱) قتادہ: شہر بن حوشب الشامی، عبدالرحمن بن غنم
عمرو بن خارجہ۔

(۲) ہشام بن عمار، اسمٰعیل بن عیاش، شرجیل بن مسلم الخولانی، ابو امامۃ الباہلی۔
(۳) ہشام بن عمار، محمد بن شعیب بن شابور، عبدالرحمن بن یزید بن جابر، سعید بن ابی

سعید۔ انس بن مالک۔

پہلی روایت کو ابن ماجہ، ابوبکر بن شیبہ سے، وہ یزید بن ہارون سے، وہ کید بن ابی عروبہ اور وہ قتادہ سے روایت کرتے ہیں اور ترمذی اور نسائی قتیبہ بن سعید سے، وہ ابوعوانہ سے وہ قتادہ سے اور نسائی اسمٰعیل بن مسعود سے بھی اور وہ شعبہ سے وہ قتادہ سے۔ مگر ان تمام روایتوں میں قتادہ، شہر بن حوشب سے، وہ عبدالرحمٰن بن غنم سے، وہ عمرو بن خارجہ سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن نسائی کی ایک آخری روایت میں، جس کو نسائی، علیہ بن عبداللہ المروزی سے، وہ عبداللہ بن المبارک سے، وہ اسمٰعیل بن ابی خالد سے اور وہ قتادہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس میں قتادہ بلاواسطہ کسی کے عمرو بن خارجہ سے روایت کر رہے ہیں جو یقیناً خلافِ عقل ہے۔ اس میں شہر بن حوشب اور عبدالرحمٰن بن غنم کے دو واسطے چھوٹے ہوئے ہیں۔ قتادہ غریب نے عمرو بن الخارجہ صحابی کی صورت بھی نہ دیکھی ہوگی۔

تو یہ روایت دراصل شہر بن حوشب سے ہے جو شامی ہیں۔ اور بیت المال کے خازن تھے۔ روپے کی ایک تھیلی چرالی تھی جس پر اس وقت کے ایک شاعر نے ان کی شان میں کچھ اشعار کہے تھے۔ جس کا ایک شعر یہ ہے۔ ؎

لقد باعَ شهر دينه بخريطة
فمن يأمن القراء بعدكَ يا شهرُ

یعنے شہر نے اپنا دین ایک تھیلی پر بیچ ڈالا۔ تو پھر تیرے بعد اے شہر قاریوں پر کون بھروسہ کرے؟

شہر نے ۱۱۲ھ میں وفات پائی، ائمۂ رجال اس سے انکار کرتے ہیں، کہ انہوں نے کوئی حدیث عبدالرحمٰن بن غنم سے سنی ہو، شعبہ اور محدثین کی ایک جماعت نے شہر بن حوشب کو ضعیف اور متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ اور ابن حزم نے ساقط عن الاعتبار لکھا ہے۔ عباد بن منصور کا بیان ہے کہ میرے ساتھ یہ حج کو گئے تھے۔ تو راہ میں میرا عیبہ (سوٹ کیس) چرالیا۔ یہ شہر صاحب اسماء بنت یزید بن السکن کے غلام آزاد کردہ تھے۔

غرض انہیں کی روایت سے یہ حضرت عمرو بن خارجہ کیطرف منسوب حدیث ابن ماجہ نسائی اور ترمذی میں ہے۔ ان کے سوا کوئی اس حدیث کو روایت نہیں کرتا۔

## ابو امامہ والی حدیث

یہ حدیث صرف اسمٰعیل بن عیاش الحمصی سے ابن ماجہ ابوداؤد اور ترمذی روایت کرتے ہیں۔ ابن ماجہ، ہشام بن عمار سے وہ اسمٰعیل بن عیاش سے اور ابوداؤد، عبدالوہاب بن نجدہ سے اور اسمٰعیل بن عیاش سے اور ترمذی ہناد اور علی بن حجر سے اور یہ دونوں اسمٰعیل بن عیاش سے اور اسمٰعیل بن عیاش، شرجیل بن مسلم الخوادی سے۔ وہ حضرت ابو امامۃ الباہلی سے جیساکہ ہم نے اوپر لکھا۔

اسمٰعیل بن عیاش شامی ہیں۔ حمص کے رہنے والے ہیں صحیح مسلم کے مقدمہ میں امام مسلم لکھتے ہیں۔ بقیہ بن الولید جو روایت مشہور و معروف لوگوں سے کریں اس کو لکھ لینا چاہیئے اور جو روایت غیر معروف مجہول لوگوں سے کریں، نہیں لکھنا چاہیئے۔ مگر اسمٰعیل بن عیاش چاہیئے مشہور و معروف لوگوں سے روایت کریں۔ چاہے مجہول راویوں سے ان کی کسی قسم کی بھی حدیث ہرگز نہیں لکھنا چاہیئے۔ اور عقیلی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ شخص ایسا ہے کہ کچھ سمجھتا ہی نہیں کہ اسکے دماغ سے کیا نکل رہا ہے۔ ابن خزیمہ نے کہا کہ اس کی حدیثوں سے احتجاج کرنا ہی نہیں چاہیئے اور عبداللہ بن المبارک کا قول ہے کہ ان کی حدیث کی روایت جائز نہیں۔ فسوی نے بھی ان کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جن کی روایتوں کی طرف سے منہ پھیر لینا چاہیئے۔ سنہ ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔ بس اسی اسمٰعیل بن عیاش سے حضرت ابُو امامۃ الباہلی کی طرف منسوب روایت کا دار و مدار ہے

## حضرت انس رض والی حدیث

یہ روایت ابوداؤد و ترمذی میں نہیں ہے صرف ابن ماجہ میں ہے ابن ماجہ، ہشام بن عمار سے بذریعہ اسمٰعیل بن عیاش، ابو امامۃ الباہلی والی حدیث بھی روایت کرتے ہیں۔ اور پھر ہشام بن عمار ہی سے بذریعہ محمد بن شعیب بن شابور اور وہ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے، وہ سعید بن ابی سعید سے، وہ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔

ہشام بن عمار بن الدمشقی : یہ ایسی چارسو حدیثیں روایت کرتے تھے ۔جن کی کوئی اصل نہ تھی۔ بعض لوگ ان کو ادھر اُدھر سے حدیثیں لالا کر دیتے تھے اور یہ ان کو روایت کیا کرتے تھے ۔بعض محدثین نے ہشام بن عمار سے کہا کہ تم اسلام میں ضرور کوئی فتنہ پیدا کرو گے تو ہشام نے کہا کہ میری حدیثیں مروج ہو چکیں مجھ کو اس کی پرواہ نہیں کہ ان کی غلطیاں کس کے سر پڑیں گی۔ امام احمد بن حنبل رح فرماتے تھے کہ جس نے ہشام بن عمار کے پیچھے نماز پڑھی ہو، اس کو چاہئے کہ اپنی نماز دوبارہ پڑھ لے۔ ہشام ۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۵ھ میں دمشق ہی میں دنیا سے سدھارے

اور محمد بن شعیب بن شابور بھی دمشقی ہی تھے ۔بنی اُمیہ کے آزاد کردہ غلاموں میں سے مرجیہ تھے ۔ ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔

اور عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر الوزدی یہ بھی شامی ہیں ۱۵۴ھ میں بقول اصح وفات پائی ضعیفُ الحدیث تھے ۔ اہل کوفہ سے منکر حدیثیں بہت روایت کیں

باقی رہ گئے سعید بن ابی سعید۔ ان کے متعلق بعض محدثین کا خیال ہے کہ یہ مقبری ہیں، جو مدینہ طیبہ کے ایک مقبرہ کے مجاور تھے جن کے باپ قبیلہ بنی لیث کی ایک عورت کے مکاتب غلام تھے ۱۲۳ھ میں جنہوں نے وفات پائی اور وفات سے چار سال پہلے مخبوط الحواس ہو گئے تھے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث سعید بن ابی سعید المقبری سے مروی ہی نہیں ہے ۔بس حدیث کے سلسلۂ روایت میں چاہے وہ کسی صحابی سے روایت کی گئی ہو۔ ایک بھی حجازی راوی نہیں ہے ۔بجز خراسانیوں، شامیوں اور عراقیوں کے ۔ جس کی دلیل واضح یہ ہے کہ یہ حدیث جو ابن ماجہ میں مروی ہے۔ تو سعید بن ابی سعید کے نام کے ساتھ مقبری کا لفظ نہیں ہے ۔ اور یہی حدیث سنن دارقطنی میں بھی انہیں اسناد سے مروی ہے دو طرق سے ۔ (پہلا طریق) دارقطنی روایت کرتے ہیں ۔عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز سے ، وہ داؤد بن رشید سے ۔ وہ عمرو بن عبدالواحد سے ، وہ عبدالرحمٰن بن یزید ابن جابر سے ، وہ سعید بن ابی سعید سے ۔ وہ حضرت انس بن مالک سے اس میں بھی سعید بن

ابی سعید کے نام کے ساتھ مقبری کا لفظ نہیں ہے۔

(دوسرا طریق) دارقطنی روایت کرتے ہیں۔ ابوبکر نیشاپوری سے وہ عباس بن الولید بن مزید سے وہ اپنے والد (ولید بن مزید) سے وہ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے انہوں نے کہا کہ مجھ سے حدیث بیان کی۔ سعید بن ابی سعید ایک ساحلی شیخ نے انہوں نے کہا کہ مجھ سے حدیث بیان کی۔ ایک شخص[1] نے اہل مدینہ میں سے۔ اس کے بعد حدیث مذکور ہے

اس روایت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ سعید بن ابی سعید کے متعلق کہ "شیخ بالسّاحل" اور ساحل شام کے رہنے والے سعید بن ابی سعید مشہور راوی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ ساحل شام والے سعید بن ابی سعید الزبیدی پر کذب کا الزام ہے اور ان کی روایتیں معتبر نہیں ہیں۔ جھوٹی حدیثیں بہت گھڑا کرتے تھے۔ لے دے کے طبرانی کی روایت بعض محدثین پیش کرتے ہیں۔ جس میں سعید بن ابی سعید بعد "المقبری" کا لفظ صراحتاً موجود ہے۔ مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ طبرانی نے اس حدیث کو "مسند الشامیین" میں نقل کیا ہے اور یہ اس کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ کہ سعید بن ابی سعید ساحل شام ہی والے ہیں نہ کہ "مقبری" مدینہ والے۔ اگر یہ مقبری مدینہ والے ہوتے تو طبرانی اسی حدیث کو مسند اہل المدینہ میں درج کرتے نہ کہ مسند الشامیین میں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جو شخص روایت کر رہا ہو، اس کی سکونت کا ایسے موقع پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ ورنہ تابعین کے بعد تو تبع تابعی یا تبع تبع تابعی مختلف مختلف سکونت کے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مسند الشامیین میں صرف شامی تابعی کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ تابعی کے بعد والوں کا۔ یقیناً کسی کاتب نے طبرانی کے نسخے میں یہ تصحیف اپنی طرف سے کر دی — طبرانی نے جب اس حدیث کو مسند الشامیین میں درج کیا ہے تو یقیناً اُن کی مُراد وہی سعید بن ابی سعید ساحل شام والے ہی ہیں۔

**خلاصہ تنقید رجال** تو صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت انس بن مالک رضؓ کی طرف منسوب حدیث اسی ساحل شام والے سعید بن ابی سعید کذّاب کی

[1] یعنی حضرت انس بن مالک رضؓ نام کیوں چھپایا۔ یا کیوں بھول گئے؟ اس کو نہ پوچھئے۔ یہ بھی ایک نشان ہے جھوٹی حدیثیں روایت کرنے والوں کی۔

من گھڑت ہے اور حضرت عمرو بن خارجہ کیطرف منسوب حدیث شہر بن حوشب شامی مشہور چور غیر معتبر شخص کی شکم زاد ہے اور حضرت ابوامامۃ الباہلی کیطرف منسوب حدیث اسمٰعیل بن عیاش الحمصی الشامی کی گھڑی ہوئی ہے اور ان سب حدیثوں کی ٹکسال چاہے خراسان ہو یا کوفہ مگر اشاعت گاہ شام ہی رہی۔

**تنقید متن حدیث**

حضرت ابوامامہ والی حدیث مختصر ہے۔ حدثنا شرجیل بن مسلم الخولانی سمعت اباامامۃ الباھلی یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی خطبتہ عام حجۃ الوداع ان اللہ قد اعطیٰ کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث۔ یعنی شرجیل بن مسلم الخولانی نے کہا کہ میں نے ابوامامۃ الباہلی سے سنا کہ وہ کہتے تھے۔ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبے میں فرما رہے تھے کہ بیشک اللہ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے۔ تو کسی وارث کے لئے وصیت نہیں رہی بظاہر یہ حدیث بہت صاف گھڑی گئی ہے۔ مگر پھر بھی کمزوریاں موجود ہیں۔ حجۃ الوداع کا خطبہ نہیں کہا۔ بلکہ حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبے میں فرمایا: جس سے پورے سال کے تمام خطبوں کو شامل ہو۔

ورنہ حجۃ الوداع میں تو تقریباً ایک لاکھ صحابہ رضہ تھے۔ پھر بصیغہ واحد متکلم حضرت ابوامامہ ہی نے کیوں سنا؟ اگرچہ کوئی خطبہ بھی ہو۔ سننے والے متعدد ہی ہوں گے۔ اس لئے یہ صیغۂ واحد متکلم کسی حال میں بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور عرب ایسے جاہل نہ تھے کہ واحد متکلم اور جمع متکلم کا محل استعمال نہ جانتے ہوں، یہ عجمی راویوں سے ہو سکتا ہے حضرت عمرو بن خارجہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا

| | |
|---|---|
| ان النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم خطبھم وھو علیٰ راحلتہ وان راحلتہ لتقصع بجرتھا وان لعابھا لیسیل بین کتفی۔ قال | یعنے: عمرو بن خارجہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے۔ اور آپ اپنی سواری (اونٹنی) پر تھے۔ اور وہ اونٹنی جگالی کئے جا

ان اللہ قسم لکل وارث نصیبه
من المیراث فلا یجوز لوارث
وصیة۔ الولد للفراش وللعاھر
الحجر و من ادعی الی غیر
اَبیه او تَوَلّٰی غیر موالیه
فعلَیه لعنة اللهِ والملائکة
والناس اجمعین لا یقبل منه
صرف ولا عَدل۔ او قال عدل
ولا صَرف (ابن ماجة)

رہی تھی اور اس کا لعاب میرے دونوں
مونڈھوں کے درمیان بہہ رہا تھا۔
تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ بیشک اللہ نے تقسیم کر دیا ہر وارث
کے لئے اس کا حصہ میراث میں سے تو
نہیں جائز ہے کسی وارث کے لئے
وصیت۔ اور لڑکا فراش (منکوحہ
بیوی) کے لئے ہے۔ زناکار کے لئے
پتھر ہے اور جو شخص اپنے باپ کے
سوا کسی اور کی اولاد ہونے کا دعویٰ
کرے یا اپنے مولا کے سوا کسی اور کا مولا بنے۔ تو اس پر اللہ کی، فرشتوں
کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ نہیں قبول کی جائے گی اس سے توبہ اور
نہ فدیہ۔ راوی اپنا شبہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ نے پہلے صَرفؔ فرمایا یا پہلے
عَدلؔ۔ یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ روایت کو سچی ثابت کرنے کا ایک آدھ لفظ
میں شبہ ظاہر کر دیا۔ کہ یوں کہا یا یوں کہا، تاکہ معلوم ہو کہ کتنا دیانت دار
راوی ہے۔ کہ جہاں اس کو شبہ ہوا، اس شبہ کو بھی اس نے ظاہر کر دیا۔
باقی الفاظ تو ضرور وہی ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے
راوی کو اور کسی لفظ میں کوئی شبہ نہ ہوا۔ پھر اونٹنی کی کیفیت یہ بیان کر تاکہ وہ جگالی کئے
جا رہی تھی۔ اور اس کے منہ سے لعاب جاری تھا۔ اور راوی سننے میں کس قدر مستغرق
تھا کہ لعاب اس کے دونوں مونڈھوں کے درمیان بہہ رہا تھا۔ مگر یہ اس کی مطلق پرواہ
نہیں کر رہا تھا۔ راوی نے اپنی بے خبری کو بھی ظاہر نہیں کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ
راوی محسوس کر رہا تھا۔ کہ اس پر لعاب گر رہا ہے۔ مگر خطبہ سننے کے خیال سے اس نے
کپڑے خراب ہونے کی بالکل پرواہ نہیں کی اور اس سے قرب بھی ظاہر ہو گیا کہ وہ کس

قدر قریب سے سن رہا تھا۔ حدیثیں گھڑنے والے نفسیات کے بڑے ماہر ہوتے ہیں اس لئے خوب غور و خوض کر کے حدیث کے لئے الفاظ باہمی مشورے سے چنتے تھے۔ اور عنوان بیان بہت مناسب اختیار کرتے تھے۔

مگر ترمذی کی روایت میں الفاظ کا فرق اور مضمون کا اختصار ہے۔ اس میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب علی ناقتہ وانا تحت جرانہا وھی تقصع بجرتہا وان لعابہا لیسیل بین کتفی فسمعتہ یقول ان اللہ عزوجل اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث والولد للفرش وللعاھر الحجر

اور نسائی میں اور بھی اختصار ہے یہ لکھتے ہیں کہ ابن خارجہ نے کہا کہ:۔

انہ شھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب الناس علی راحلتہ وانہا لتقصع لجرتہا وان لعابہا لیسیل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خطبتہ ان اللہ قد قسم لکل انسان قسمتہ من المیراث فلا یجوز لوارث وصیۃ

مگر نسائی میں دو طریق اور بھی ہیں اور نہایت مختصر ہیں۔ ایک میں ہے کہ عمرو بن خارجہ نے کہا کہ خطب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ ولا وصیۃ لوارث اور آخری طریق ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عز اسمہ قد اعطی کل ذی حق حقہ ولا وصیۃ لوارث، یعنے اس میں اللہ تعالے کے نام کے بعد "عز اسمہ" کا اضافہ ہے ورنہ یہ دونوں آخری طریق ایک ہی ہیں۔ لیکن پہلے طریق میں صرف لعاب کے بہنے کا ذکر ہے۔ مگر ان کے مونڈھے پر لعاب کے گرنے کا ذکر نہیں ہے۔ مگر ان تمام طویل و مختصر روایتوں کے راوی وہی قتادہ وہی شہر بن حوشب وہی عبدالرحمٰن بن غنم وہی عمرو بن خارجہ ہیں۔ مگر صرف "صرف ولا عدل" میں جو ابن ماجہ والی روایت میں راوی صاحب کو شبہ ہوا ہے۔ تو اس کو ظاہر کر دیا۔ مگر ان روایتوں میں جو کہیں ان اللہ قسم لکل وارث نصیبہ من المیراث ہے۔ کہیں قسم لکل انسان قسمۃ من المیراث ہے۔ کہیں

اِنَّ اللہَ اعطیٰ کل ذی حقٍ حقَّہٗ ہے کہیں انّ اللہ عزّ وجلّ اعطیٰ ہے مگر اختلافات کو بلا اظہار اشتباہ قتادہ صاحب نے کسی سے کچھ، کسی سے کچھ بیان کر دیا۔ اصل یہ ہے کہ اگرچہ حدیث گھڑی ہوئی تو شہر بن حوشب ہی کی ہے۔ مگر ان سے روایت کر رہے ہیں قتادہ جو مشہور مدلس ہیں اور ہر طرح کی رطب و یابس حدیث روایت کرنے کے خوگر ہیں اور فرقہ قدریہ کے بڑے امام تھے۔ اپنے مسلک کی لوگوں کو دعوت دیا کرتے تھے۔ مُرسل حدیثیں بہت روایت کیا کرتے تھے۔ محدثین ان کی مراسلت کو بمنزلۃ الریح سمجھتے تھے۔

## حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت
جو صرف ابن ماجہ میں ہے یا دارقطنی میں یا طبرانی کی سند

الشامیین میں ابن ماجہ اور طبرانی کے اسناد بالکل ایک ہی ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ابن ماجہ بلا واسطہ ہشام بن عمّار سے روایت کرتے ہیں اور طبرانی بواسطہ احمد بن انس بن مالک جو ایک مجہول الحال راوی ہیں۔ البتہ دارقطنی کے ابتدائی تین راوی اور دن سے مختلف ہیں۔ یعنی دارقطنی روایت کرتے ہیں۔ عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز سے وہ داؤد بن رشید سے، وہ عمرو بن عبدالواحد سے اور وہ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے وہ سعید بن ابی سعید سے، وہ حضرت انس رضؓ سے، اور دوسرے طریق میں دارقطنی روایت کرتے ہیں۔ ابوبکر نیشاپوری سے وہ عباس بن ولید بن یزید سے، وہ اپنے باپ ولید بن یزید سے وہ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے، وہ سعید بن ابی سعید شیخ ساحلی سے، وہ اہلِ مدینہ میں سے ایک شخص سے یعنی انس بن مالک سے۔ ابن ماجہ کی حدیث یوں ہے:۔

عن انس بن مالك قال انّی تحت ناقۃ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسَلَّم لیسیل علیّ لعابھا فسمعتہ یقولُ اِنّ اللہ قد اعطیٰ کُلّ ذی حق حقہ الا لا وصیۃ لوارث.

اور دارقطنی کی روایت یوں ہے:۔

عَن انس بن مالك قال انی لتحت ناقۃ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

لیسیل علیٰ لعابہا فسمعتہ یقول اِنَّ اللہَ عزوجلّ قد اعطیٰ کل ذی حقٍّ حقّہ فلا وصیۃ لوارث والولد للفراش وللعاھر الحجر۔ لا یُدعیَنَّ رجل الیٰ غیر أبیہ ولا ینتمی الیٰ غیر مَوالیہ فمن فَعَلَ ذَالِکَ فعلیہ لعنۃ اللہ متتابعۃ ولا منفق المرأۃ من بیت زوجہا اِلّا بِاِذنہ۔ فقال رجل ولا الطّعام ؟ یا رسول اللہ! قال ذٰلکَ افضل اَموَالنا۔ ثمّ قَالَ الاَ اِنَّ العاریۃ موداۃ والدّین مقضی والزّعیم غارم۔

دارقطنی کا دوسرا طریق بھی اسی طرح ہے اور طبرانی کا طریق بھی اسی طرح ہے۔ اب ترجمہ سنیئے، حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں۔ مَیں رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی اونٹنی کے نیچے تھا اور اس کا لعاب مجھ پر بہہ رہا تھا تو مَیں نے آپ کو سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ بیشک اللہ عزّوجل نے دیدیا۔ ہر حق والے کو اس کا حق تو وصیت نہیں ہے کسی وارث کے لئے اور لڑکا فراش (منکوحہ) کے لئے ہے۔ اور زنا کار کے لئے پتھر ہے۔ ہرگز نہ پکارا جائے کوئی شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کیطرف منسوب کرکے اور نہ منسوب ہو کوئی اپنے مَوالی کے سوا کسی اور کیطرف۔ جس نے ایسا کیا تو اس پر اللہ تعالےٰ کی پے در پے لعنت ہے نہ خیرات کرے۔ کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر۔ تو کہا ایک شخص نے اور کھانا بھی نہیں ؟ یا رسولُ اللہ! آپؐ نے فرمایا یہ افضل ہے ہم لوگوں کے اموال سے پھر فرمایا عاریت ادا کی جانے والی چیز۔ اور قرض ادا کیا جانے والا ہے اور کفالت کرنے والا ضامن ہوتا ہے۔

یہ ترجمہ دارقطنی کی حدیث کا پیش کیا گیا۔ چونکہ آخر کے مضامین اس میں فاضل ہیں جو ابن ماجہ کی روایت میں نہیں ہیں اور دارقطنی کے دوسرے طریق میں نحوہٗ لکھا ہے۔ یعنی اس طرح طبرانی کی روایت کو بھی حاشیہ دارقطنی میں نحوہٗ کرکے لکھا ہے۔ اسی لئے ترجمہ اسی کا پیش کیا۔

**اونٹنی کا لعاب** | بہرحال حضرت انس رضی اللہ عنہ کیطرف منسوب روایت

جہاں بھی ہے۔ مختصر یا طول سب میں اونٹنی کے نیچے ان کا ہونا اور اونٹنی کے لعاب کا ان پر بہنا مذکور ہے۔ پھر حضرت عمرو بن خارجہ والی روایتیں بھی ابن ماجہ نسائی اور ترمذی میں ہیں۔ جو مذکور ہوئیں۔ جن میں اونٹنی کے نیچے عمرو بن خارجہ کا ہونا اور ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان اونٹنی کے لعاب کے بہتے بہتے کا ذکر ہے۔ اب کوئی بتائے کہ حضرت انس بن مالک رضؓ اونٹنی کے نیچے کہاں پر تھے۔ اور حضرت عمرو بن خارجہ کہاں پر تھے کہ دونوں پر اونٹنی اپنا لعاب گرا رہی تھی۔

پھر جن مضامین کا ذکر حضرت انس بن مالک رضؓ کی طرف منسوب حدیث میں ہے ان میں سے آخری مضامین کا ذکر اور کسی روایت میں نہیں ہے اور وہ حجۃ الوداع والے سال کا ذکر تو صرف حضرت ابو امامۃ الباہلی کیطرف منسوب حدیث میں ہے۔ وہ بھی ابن ماجہ اور ترمذی کی روایت میں۔ ابو داؤد کی روایت میں اس کا ذکر نہیں۔

## محدثین کا طریقہ تطابق

محدثین بڑی آسانی سے یہ کہہ دیں گے کہ ایک بار حجۃ الوداع کے سال بھی کسی خطبے میں آپؐ نے فرمایا تھا جس کو ابو امامۃ الباہلی نے سنا تھا اور اس کی روایت کی۔ اور ایک دوسرے موقع پر انس بن مالک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے نیچے کھڑے تھے اور ان پر اونٹنی کا لعاب گر رہا تھا اور تیسرے موقع پر عمرو بن خارجہ اونٹنی کے پاس اس طرح کھڑے تھے کہ اونٹنی کا لعاب ان کے مونڈھوں کے درمیان گر رہا تھا۔ اور ایسے اتفاقات امکان سے باہر نہیں ہیں۔ باقی جو مختصر مختصر روایتیں ہیں۔ ممکن ہے کہ راوی نے کبھی مفصل بیان کیا کبھی تفصیل کا موقع نہیں پایا۔ یا ضرورت نہیں سمجھی۔ اسلئے اختصار سے کام لیا۔ یا یہ بھی دوسرے مختلف مواقع کے واقعات ہوں۔ اور آپؐ نے اس مضمون کو بار بار بیان فرمایا ہو کہ جب اللہ تعالےٰ نے ورثہ کے حصے خود مقرر کر دیئے تو اب وارث کے لئے وصیت جائز نہیں رہی۔ وغیر ذالک فی التاویلات

مگر یہ محدثین اس کو کیا کریں گے اور اس کا کیا جواب دیں گے کہ یہ روایتیں جو صرف تین صحابیوں کیطرف منسوب ہیں۔ ابو امامۃ الباہلی، عمرو بن خارجہ اور انس بن مالک جن میں

سے ایک بھی اکابر مہاجرین و انصار میں سے نہیں ہیں۔ حضرت انس بن مالک خادم رسول صلے اللہ علیہ وسلم اگرچہ بہت مشہور صحابی رہے ہیں۔ مگر ہجرت کے وقت آٹھ دس برس کے تھے۔ جیساکہ استیعاب میں مذکور ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اسی حساب سے اٹھارہ بیس برس ہوں گے۔ بصرہ سے دو میل پر مقام طف میں مکان بنایا تھا۔ وہیں رہے۔ وہیں ۹۸ھ میں وفات پائی۔ بصرہ میں یہ آخری شخص تھے جس نے آنحضرت صلعم کو دیکھا تھا۔ بلکہ ان کے بعد صرف حضرت ابوالطفیل ہی کی وفات ہے جو آخری صحابی روئے زمین پر رہ گئے تھے اور ابوامامۃ الباہلی مصر میں رہتے تھے۔ پھر حمص شام کے علاقہ میں آکر رہ گئے اور یہیں وفات پائی۔ شام میں یہ سب سے آخری صحابی تھے۔ ان کے بعد کوئی صحابی شام میں نہ رہا۔ صرف شامیوں ہی نے ان کی حدیثیں روایت کی ہیں؎۔ ۸۱ھ یا ۸۶ھ میں وفات پائی۔ اور عمرو بن خارجہ بن المشفق الاسدی یہ بھی شام ہی کے ساکن تھے۔ ان سے بس یہی ایک روایت لا وصیۃ لوارث والی ہے جس کو ان سے عبدالرحمٰن بن غنم اور ان سے شہر بن حوشب اور ان سے قتادہ روایت کرتے ہیں اس کے سوا ان سے کوئی اور حدیث کہیں مروی نہیں۔ نہ ابن غنم کے سوا کوئی اور ان سے کچھ روایت کرتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن غنم شامی ہی ہیں۔

؎ اور بہت روایتیں کی ہیں ۱۲

**اصل حقیقت** یہی ہے جیساکہ میں نے اوپر لکھا کہ حضرت ابن عباس رضؓ والے قول کو تو ورقاء اور علی بن حسین بن واقد نے خراسان میں گھڑا تھا یا ایک کو ورقاء نے کوفہ میں اور دوسرے قول کو ابن واقد نے "مرو" میں گھڑا۔ اور لا وصیۃ لوارث والی حدیث کو سعید بن ابی سعید ساحلی شام والے کذّاب نے حضرت انس رضؓ کی طرف اور شہر بن حوشب چور بدمعاش نے حضرت عمرو بن خارجہ کیطرف اور اسمٰعیل بن عیّاش الحمصی والشامی کذاب نے، حضرت ابوامامۃ الباہلی کیطرف منسوب کرکے شام کے علاقوں میں اور خراسان و عراق و مصر میں اس کی روایت کی۔ ایسے جلیل القدر صحابۂ کرام کا نام نہ لیا کہ کوئی یہ کہہ سکے کہ آخر تمہیں شامیوں نے ان سے یہ حدیث کیوں سنی؟ اس لئے ان ہی صحابہ کیطرف منسوب کیا۔ جو شام ہی میں رہے۔ اور

شام ہی میں وفات پائی یا عراق میں جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ مگر یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس خطبے کو انہیں تین صحابیوں نے کیوں سنا۔ اکابر صحابہ کرام رضؓ اس سے کیوں بے خبر رہے، اگر کہا جائے کہ وہ لوگ بے خبر نہ تھے۔ سب باخبر تھے، تو پھر آخر اس کی روایت اکابر صحابہ اور تابعین حجاز کیوں نہیں کرتے ؟

یہی وہ حدیث ہے جس کو متواتر اور ناسخ قرآن تک کہا جاتا ہے۔ مگر کیا اگلے محدثین اس حدیث کی تنقید اس طرح نہیں کر سکتے ؟ ضرور کر سکتے تھے۔ مگر تنقید تو وہ کرے جس کو کوئی شبہ ہو۔ روایت پرستی سے وہ اتنے مغلوب تھے کہ چاہے کیسی ہی حدیث قرآن مبین کی کیسی ہی صریح آیت قرآنی کے خلاف کیوں نہ مل جائے۔ اگر ان کے کسی مرغوب مسئلے کی اس سے تائید ہو رہی ہے تو پھر بلا چون وچرا اس کو مان لیں گے۔ یہ عادت کچھ ایسی پڑی رہی کہ تنقید حدیث کے اُصول خود بنانے کے باوجود انہوں نے کبھی صحیح معنوں میں تنقید حدیث کی ہی نہیں۔ موضوعات کی کتابوں کو اُٹھا کر دیکھئے۔ کتنی صحیح حدیثوں کو موضوع قرار دے دیا۔ اور صحاح کے اندر کتنی موضوع حدیثیں بھر لیں۔ یہ اس لئے کہ ان کا معیار صحیح وغلط ہی انوکھا ہے۔ وہ مطابقت قرآن و عدم مطابقت کو ایک اہم معیار ضرور لکھتے ہیں مگر کبھی اس معیار پر کسی حدیث کو پرکھتے نہیں۔ اور اگر کبھی کسی آیت کی بناء پر بظاہر کسی حدیث کو رد بھی کیا تو غلط بنیاد پر۔ درحقیقت اس آیت کی مخالفت کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ مزعومہ کسی رائے یا عقیدہ یا کسی مسئلے کی مخالفت کی بناء پر۔ اور بظاہر کسی آیت کو ایک ٹٹی بنا لیا ہے جیسے :-

| | |
|---|---|
| فکثرلکم الاحادیث بعدی فما | یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا |
| رُوی لکم حدیث عنی فاعرضوہ | کہ میرے بعد حدیثوں کی بڑی کثرت ہو |
| علیٰ کتابُ اللہ فما وافقہ فاقبلوہ | گی۔ تو جو حدیث تمہارے سامنے مجھ سے |
| دما خالفہ فردُّدہُ | روایت کی جائے۔ اس کو کتابُ اللہ |

کے سامنے پیش کرو، جو اسکے موافق ہو اس کو قبول کرو، جو اس کے خلاف ہو اس کو رد کردو۔"

"توضیح وتلویح" میں علامہ تفتازانی اس حدیث پر بہت خفا ہوئے اور لکھ دیا کہ اس کو زندیقوں نے گھڑا ہے۔ کیونکہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنے: جو کچھ تمہیں رسول نے دیا اس کو ــــــ لے لو اور جس سے باز رکھا اس سے باز رہو، حالانکہ اگر واقعی اس آیت کے تحت میں حدیث بھی آسکتی ہے تو یہ حدیث تکثر لکم الحٔوالی تو یہی بتارہی ہے کہ کسی حدیث کے سننے کے بعد پہلے یہ دیکھ لو کہ وہ وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ضرور اس کو قبول کرلو ورنہ وہ تو مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ ہے ہی نہیں۔ اس لئے مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ میں داخل ہے۔ اس سے باز ہی رہنا فرض ہے۔ غرض قرآن سے استدلال بھی کرتے ہیں تو غلط طریقے سے۔ نسأل الله تعالیٰ ان یجعلنا ممن یطیعه ویطیع رسوله ویتبع رضوانه ویجتنب سخطه انما نحن به وله وصلی الله علیٰ سیدنا محمدٍ واٰله وصحبه وبارك وسلّم واٰخر دعوانا اَنِ الحمدُ لِلّٰهِ ربّ العٰلمین ؎

کرتا ہے ہر خبر پہ تمنّا یقیں کیوں
نادان! نوید دوست فریب عدو نہ ہو۔

---

بسم الله الرّحمٰن الرّحیم ط

# قانونِ وراثت کی آیتیں اوران کی صحیح تفسیر

اسلام کا دورِ اوّل، رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا مبارک عہد تھا۔ جیسے جیسے قرآنی آیاتِ احکام کا نزول ہوتا جاتا تھا۔ ان پر عملدرآمد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ معلّم کتابُ اللہ، رسُولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم خود بھی عمل کرتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی بتاتے تھے۔ ایک ہی کتاب، ایک ہی معلّم، ایک ہی طریقۂ تعلیم، کوئی وجہ ہی نہ تھی۔ کہ آپ کے مبارک عہد میں افرادِ امت کسی بات میں بھی باہم مختلف ہوتے۔ جب تمام احکامی آیتیں اتر چکیں اور آخری آیت اس سلسلے کی اُتر گئی کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ

عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ[1] دِیۡنًا آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اس اسلام کو تمہارے لئے دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔ (سورۂ مائدہ ۵/۱ ح[1])

تو پھر عہد نبوی سے لے کر عہد خلفاء راشدین تک ہر مسلم دین کی ہر بات دین کا ہر قانون دینی قانون کی ہر دفعہ سب سے پہلے صرف قرآن میں ڈھونڈھتا تھا۔ اگر حقوق و معاملات کا کوئی جزئیہ ایسا سامنے آجاتا تھا۔ جس کے پتہ لگانے میں غور و فکر کی ضرورت پڑتی تھی کہ یہ جزئیہ کس کلیہ کے تحت میں آتا ہے یا اس پر قرآنی قانون کس طرح منطبق ہوتا ہے تو اس وقت عہد نبوی کے فیصلوں کی تلاش نظیر کی حیثیت سے ہوتی تھی۔ مگر جہاں کسی نے کوئی ایسی بات بیان کی جو قرآن کے خلاف معلوم ہوئی تو باوجود اس کے کہ اسکے بیان کرنے والے بھی صحابی ہی ہوتے تھے۔ ان کی وہ روایت رد کر دی جاتی تھی اور صاف کہہ دیا جاتا تھا کہ لانترک کتاب ربنا بقول اعرابی ...... الخ ہم اپنے رب کی کتاب ایک بدو کے قول کے سبب سے نہیں چھوڑ سکتے۔ یعنے ایسی روایتوں کی نسبت ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف صحیح نہیں تسلیم کی جاتی تھی۔ راوی کو جھوٹا نہیں کہا جاتا تھا۔ مگر اس کی روایت غلط سمجھی جاتی تھی۔ اور راوی کے قول کو غلط فہمی یا غلطی حافظہ پر محمول کیا جاتا تھا۔

مگر ایک صدی گذرنے کے بعد جو روایتوں کا طوفان اُمڈا۔ اور ہر مسئلے کے متعلق مختلف و متضاد و متعدد روایتوں کا ہر طرف انبار لگایا جانے لگا۔ تو پھر دین کا کوئی ایسا مسئلہ باقی نہ رہا۔ جس کا جواب صرف ایک طریقے سے دیا جا سکے۔ وہ رسول جو ہمیشہ اپنی امت کو دینی باتوں میں اختلاف پیدا کرنے سے منع کرتے رہے۔ وہ کتاب جو متعدد آیتوں میں اپنے مخاطب۔ مؤمنین کو باہمی اختلاف اور اس کے برے نتائج سے ڈراتی رہے اس رسول اور اس کتاب پر ایمان رکھنے والی اُمت کے پاس، عقائد و عبادات و اخلاق و معاملات کا کوئی ایسا جزئیہ نہیں رہا۔ جس میں آج یہ باہم مختلف نہیں ہیں۔ اور اس عیب

---

[1] الاسلام میں الف لام عہد کا ہے یعنی یہی اسلام جس کی تعلیم اس کتاب اور اس کے معلم کے ذریعہ تمہیں دی گئی

کو ہنر بتانے کے لئے اختلاف اُمتی رحمۃ کی ایک حدیث بھی یارانِ طریقت نے گھڑ ڈالی۔

حکومت پاکستان۔ ایدہا اللہ بتائیدہ و ایدہا بتابیدہ۔ جس نے اپنے قلمرو میں قوانین اسلامیہ کے نفاذ کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے ارباب حل و عقد کو یہ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ فرقہ بندی کے زمانے والے قوانین نافذ کئے گئے تو وہ صحیح معنوں میں قوانین اسلامیہ نہ ہوں گے۔ اور حکومت اس پر مجبور ہوگی کہ پھر ہر فرقے کے لئے اس کے فرقے کے خود ساختہ قوانین نافذ کئے جائیں۔ اور پھر حکومت کا یہ منشاء کہ قرآنی قوانین جو عہد نبوی و عہد خلفاء راشدین میں نافذ تھے۔ وہی پاکستان میں آج نافذ ہوں، کبھی پورا نہ ہوگا اور نہ پھر وہ برکات اس حکومت کو حاصل ہوسکیں گے۔ جو قرآنی قوانین کے نفاذ کی بدولت اس کو حاصل ہوسکتے اور نہ یہ اس تائید الٰہی کی مستحق ہوسکتی ہے۔ جس تائید کا وعدہ اللہ تعالےٰ نے سچے مؤمنین کے ساتھ کیا ہے۔

اس لئے سب سے پہلی فرصت میں حکومت پاکستان کا یہ فرض ہے کہ ماہرین قرآن وسنت علماء کا صحیح انتخاب کرکے اور ان کے ساتھ اتنے ہی تعداد میں چند ایسے قانون دان پابند صوم وصلوٰۃ مخلص مسلمانوں کو شرکت غور وخوض پر مامور کرے۔ جن کو قرآنی مطالعہ کا بھی ذوق رہا ہو۔ جن میں کچھ عربی زبان سے واقف بھی ہوں تاکہ یہ مجلس ہر قانون پر ٹھنڈے دل سے قرآن وسنت و روایت و درایت اور وقت کی وسعت و ضیق کا پوری طرح لحاظ رکھتے ہوں۔ اصولِ فقہ[1] کی روشنی میں اگلے فقہاء کے نظائر پر بھی نظر ڈالتے ہوئے ہر قانون اور اس کی ہر دفعہ پر نئے سرے سے غور کرے۔ اور جو فیصلہ کرے قرآنی آیات کو سند میں پیش کرتے ہوئے متقدمین فقہاء سے اختلاف کرے تو قرآن وسنت سے وجوہ اختلاف کو مدلل کرتے ہوئے ورنہ حکومت کا یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔

مَیں اللہ تعالےٰ کی توفیق کے بھروسے پر باوجود ہر طرح کے موانع کے ایک سلسلہ بعض مخلصین کے اصرار سے شروع کئے دیتا ہوں۔ تاکہ وہ قوانین جو ایک مدت سے مسلمانوں میں قرآن وسنت کے خلاف مُروّج ہیں۔ ان پر نئے سرے سے غور کا کام شروع ہو جائے۔

---

[1] اصول فقہ خود محتاج نظر ثانی ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ پہلے اصول فقہ ہی پر نظر ثانی کر لیجائے یا اسی ضمن میں اس پر بھی نظرثانی ہو جائے۔ بمقتضاء ضرورت و وقت جو مناسب ہو مگر نظرثانی اس پر بھی ضرور ہو۔

**مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے** میرا ہرگز ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ میں قرآن وسنت کا علم اگلے پچھلے تمام علماء سے زیادہ رکھتا ہوں۔ اور نہ اسلاف رحمہم اللہ سے سوءِ عقیدت رکھتا ہوں۔ مگر سمجھتا ہوں کہ تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون ہ وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی، ان کے اعمال ان کے ساتھ ہمارے اعمال ہمارے ساتھ۔ ان کے اعمال کی باز پرس ہم سے نہ ہوگی۔ ہم سے قیامت میں یہ نہیں پوچھا جائیگا۔ کہ تم نے فقہ حنفی یا فقہ شافعی وغیرہ کا اتباع کیوں نہ کیا؟ ہم سے قرآن وسنت نبویہ وسنت صحابہ ہی کے متعلق سوال ہوگا۔ اتباع سبیل المؤمنین نہ کرنے پر جو وعید ہے اور اس طرح جو اتباع سبیل المؤمنین کا حکم ہے تو جن کا مؤمن ہونا قطعی ویقینی ہے جن کے ایمان سے انکار کفر ہو یعنے صحابہ خصوصًا مہاجرین وانصار جنہیں رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔ وہ اللہ سے راضی رہے اور اللہ ان سے راضی رہے۔ (توبہ نمبر۱۳ ص۱۱) کی سند مل چکی ہے، اور جن لوگوں کو ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔ لیکن (اے صحابہ) اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور تمہارے دلوں کو ایمان سے مزین کردیا ہے اور کفر وبدکاری ونافرمانی سے تمہیں کراہت پیدا کرادی ہے۔ (حجرات ع ۱ ص۲۶) کی زبردست سرٹیفکیٹ اللہ تعالےٰ کیطرف سے دیگئی ہے۔ اس لئے انہیں مؤمنین کاملین کے طریقے کا اتباع ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جس نے ان سچے مومنین کے طریقے کو چھوڑا، وہی مستحق وعید ہے۔ متبوعین کی جماعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف صحابہ کی جماعت ہے جن میں افضل واشرف مہاجرین وانصار ہیں۔ اس لئے ہمیں انہیں کا طریقہ جاننے کی ضرورت ہے نہ کہ ان کے بعد والوں کا طریقہ۔ ہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق یہ سننے کے لئے تیار نہیں کہ ھم رجال ونحن رجال وہ بھی آدمی تھے ہم بھی آدمی ہیں۔ وہ بھی علم وعقل رکھتے تھے۔ ہم بھی علم وعقل رکھتے ہیں۔ (امام شافعیؒ کا قول کہا جاتا ہے) کیونکہ ان کا علم بلاواسطہ معلم کتاب رسول صلعم سے مستفاض تھا۔

بعد والوں کا علم متضاد و متعارض روایات سے مستفاض ہونے کی وجہ سے جہل مرکب بن کر رہ گیا ہے۔ فشتان بینہما۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول بھی ہم تک روایات ہی کے ذریعے پہنچتا ہے۔ اس لئے حدیث نبوی ہو یا آثارِ صحابہ بہرحال ان سب کو قرآنی کسوٹی پر جانچ لینے کے بعد ہی ہمیں قبول کرنا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ میں جو کچھ عرض کروں گا۔ زیادہ تر میرا استدلال قرآن مبین ہی کی آیات سے ہوگا۔ قرآن مجید کے منشاء کے خلاف جو روایتیں ہوں گی۔ ان کی تنقید روایۃً و درایتًا پیش کی جائے گی۔ صحیح حدیثوں کی صحت تسلیم کی جائے گی۔ فقہاء کے اقوال سے بہت کم بحث کی جائے گی تاکہ بحث طول نہ ہو۔ اور مبحث الجھ نہ جائے۔

سب سے پہلے قانون وراثت کو قرآن مبین کی روشنی میں پیش کرتا ہوں اور اہل علم و ارباب نظر سے درخواست کرتا ہوں کہ میری معروضات پر مخالفانہ محض جواب دہی کی نیت سے غور نہ کریں بلکہ دیانت و انصاف کے مطابق اپنے دل میں یہ سمجھتے ہوئے غور فرمائیں کہ ہمیں ایک دینی مسئلے کی تحقیق مقصود ہے جس کے متعلق قیامت میں بھی جواب دینا ہوگا۔

حکومت پاکستان کے ارباب حل و عقد بھی اس بحث کو صحیح غور اور پوری دلچسپی کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں کہ اس کے اصل مخاطب وہی ہیں اور قیامت میں وہی سب سے زیادہ بازپرس میں پڑیں گے۔ اس لئے ان کو نہایت دیانت داری اور ہوش گوش کے ساتھ قوانین بنانا چاہیئے۔

## آیات قانونِ وراثت (سورۂ نساء رکوع اوّل و دوم)

| | |
|---|---|
| (۱) لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ | مردوں کا بھی ایک حصہ ہے والدین |
| وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ | اور قرابت مندوں کے متروکہ میں اور |
| مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ | عورتوں کا بھی ایک حصہ ہے والدین |
| مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا | اور قرابت مندوں کے متروکہ میں تھوڑا |

مَفْرُوضًا ہو یا بہت (یعنے وہ حصّہ کسی کا کسی سے
کم ہو یا زیادہ مگر وہ ہے حصّہ) ایک (منجانب اللہ) مقرر کردہ حصّہ ہے۔

(۲) وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوْفًا — اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو اس مال متروکہ میں سے کچھ ان کے بھی کھانے پینے کا انتظام کر دو اور ان سے مناسب بات کہہ دو۔

(۳) وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ص فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ہ — وہ لوگ جو خود اگر چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر مرنے لگتے تو اپنے یتیم ہونے والے بچوں کی بے پناہی و بے کسی کا خیال کر کے ظالم اور بے رحم اولیاء کی بیدردی سے ڈرتے، ان کو چاہیئے کہ خود بھی دوسروں کے یتیموں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں اللہ تعالےٰ کی بازپرس سے ڈریں۔ اور اللہ تعالےٰ کے لئے تقویٰ اختیار کریں اور ان یتیموں سے، یا بازپرس کرنے والوں سے معقول بات بولیں۔

(۴) اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ہ — بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی کھاتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں وہ بھنیں گے۔

یہ چاروں آیتیں دراصل قانونِ وراثت کی آیتوں کا مقدمہ ہیں۔ جو بطور تمہید کے بیان کی گئی ہیں۔ پہلی آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ جاہلیت کا یہ ظالمانہ اصول کہ عورتوں کو ترکہ سے بالکل محروم رکھا جائے صحیح نہیں۔ جس طرح مردوں کو مُورث کی میراث پانے کا حق ہے۔ اسی طرح مال متروکہ میں عورتوں کا بھی حق ہے۔ کم و بیش ہونا اور بات ہے۔
دوسری آیت میں محروم الارث قرابت مند تقسیم کے وقت آجائیں تو اُن کے

ساتھ حسن سلوک کی تعلیم ہے۔

تیسری آیت میں یتیموں کو ان کے مورث کا ترکہ دینے کی تاکید ہے۔ یہ آیت خصوصیت کے ساتھ ان کے چچاؤں کو عبرت دلاتی ہے جو اپنے مرحوم بھائی کے بچوں کو ان کے دادا کے ترکے سے جو ان کے باپ کو ملتا۔ اگر ان کا باپ اپنے باپ کے سامنے مر نہ جاتا، محروم کر رہے ہیں کہ وہ خود سوچیں کہ اگر خود ہی باپ کے سامنے مر گئے ہوتے تو ان کے یتیم بچے کس بے کسی میں ہوتے۔

چوتھی آیت یتیموں کا مال کھانے والوں کو دھمکی ہے، جن میں وہ چچا بھی داخل ہیں جو اپنے مرحوم بھائی کے یتیم بچوں کو محروم کر کے ان کے باپ کا حصۂ رسدی دادا کے ترکے میں سے ان یتیموں کو نہیں دیتے اور خود لے لیتے ہیں۔ یہ بھی ان یتیموں کا مال کھانے والے ہیں۔ درحقیقت یہ زمانۂ جاہلیت کی رسم پھر اسلام میں دوبارہ جاری کی گئی ہے۔

| | |
|---|---|
| (۵) يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن | اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت فرماتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، کہ ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے اور اگر وہ سب عورتیں ہی ہوں دو سے اوپر بھی تو ان سب کا دو تہائی مال متروکہ ہے اور اگر صرف ایک ہی ہو عورت، تو اس کے لئے نصف متروکہ ہے۔ |
| لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ | اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ متروکے کا ہے اگر اس کے کوئی اولاد بھی ہو اور اگر کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی وارث ہوتے ہوں تو ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے اور |

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ — اور اسکے اخوۃ بھی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا. جو وصیت وہ کر گیا ہے. اس کے پورا کرنے یا جو قرض چھوڑ گیا ہے اسکے ادا کرنے کے بعد. تمہارے باپ ماں اور بیٹا بیٹی، ان میں تم نہیں سمجھتے کہ نفع کے اعتبار سے تم سے کون قریب تر ہے۔ یہ مقرر کردہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ بیشک اللہ علم اور حکمت والا ہے۔

(۶) وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ج فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ ط وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ج فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ — اور تمہارے لئے نصف ہے اس مال کا جو چھوڑا تمہاری بیویوں نے اگر نہ ہو ان کے کوئی اولاد۔ اور اگر ہو ان کے کوئی اولاد، تو تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے ان کے متروکہ میں سے جو وصیت وہ کر گئیں. یا جو قرض وہ چھوڑ گئیں اسکے بعد۔ اور بیویوں کے لئے چوتھائی حصہ ہے تمہارے متروکہ میں سے، اگر نہ ہو تمہارے کوئی اولاد۔ اور اگر تمہارے کوئی اولاد ہو تو ان کے لئے تمہارے متروکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے جو وصیت تم کر جاؤ اس وصیت اور قرضے کے بعد۔

(۷) وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ج فَاِنْ كَانُوْا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ — اور اگر وہ مرد جو موروث ہوتا ہے۔ کلالہ ہو یا عورت (جو موروث ہو رہی ہے اگر کلالہ ہو) اور اس کے بھائی یا بہن کوئی بھی ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے سدس ہے۔ اور اگر بھائی بہن

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وَصِيَّةٍ يُّوصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ج وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ط

تعداد میں زیادہ ہوں تو جتنے بھی ہوں، وہ سب کے سب ایک ثلث میں شریک رہیں گے، وصیت جو کی گئی ہو یا جو قرضہ ہو اس کے ادا کرنے کے بعد مگر وہ وصیت نقصان پہنچانے کے لئے نہ کی گئی ہو، یہ وصیت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

---

حاشیہ صفحہ گذشتہ) لہ میں نے جو ترجمہ کیا ہے وہ اس اعتبار سے کہ "رجل" موصوف اور "یورث" جس کی ضمیر اسی رجل کیطرف پھر رہی ہے۔ جملہ فعلیہ ہو کر رجل کی صفت ٹھہری۔ اور رجل یورث صفت و موصوف مل کر کان کا اسم ہوا اور کلالۃ اس کی خبر۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے۔ یہی ترکیب صحیح ہے۔ مفسرین نے بھی اس ترکیب کو صحیح تسلیم کیا ہے مگر وہ دوسری تین ترکیبیں اور بھی لکھتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ رجل، کان کا اسم اور یورث جملہ فعلیہ ہو کر اس کی خبر، اور کلالۃ یورث کی ضمیر کا حال ہو۔ دوسری ترکیب یہ کہ کلالۃ یورث کی ضمیر کی یا رجل کی تمیز ہو۔ تیسری ترکیب یہ کہ کلالۃ کو مصدر قرار دے کر اس کو یورث کا مفعول لہٗ قرار دیا جائے۔ پہلی ترکیب جس کو میں صحیح کہتا ہوں یعنے رجل یورث کو کان کا اسم سمجھئے۔ اور کلالۃ کو خبر، اسکے مطابق تو ترجمہ میں نے لکھا ہی ہے حال والی ترکیب کے رُو سے ترجمہ یہ ہوگا "اگر کوئی مرد موروث ہو درآنحالیکہ وہ مرد کلالہ ہو" اور تمیز والی ترکیب کی رُو سے ترجمہ اس طرح ہوگا۔ اگر کوئی مرد موروث ہو کلالہ کی حیثیت سے اور مفعول لہٗ والی ترکیب کے رو سے ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر کوئی مرد موروث ہو کلالہ ہونے کی وجہ سے۔ حال والی ترکیب کو اور لوگوں نے بھی کمزور قرار دیا ہے۔ مگر تمیز والی ترکیب پر علماء نحو اور مفسرین کا زیادہ زور ہے۔ اور مفعول والی ترکیب سب سے زیادہ ناموزوں اور مہمل ہے۔ اسی لئے علامہ زمخشری نے اس ترکیب کو اسی حالت میں لکھا ہے کہ یورث کو باب افعال کا مضارع مجہول قرار دیا جائے جو بالکل مہمل ہے جس کی تصریح ابھی آتی ہے۔ لیکن ان تینوں ترکیبوں میں یہ ضعف ضرور ہے کہ کان کا اسم رجل ایک نکرہ منکرہ ہو رہا ہے۔ حالانکہ مقتضاء محل و مقام یہ ہے کہ کان کا اسم "میت" ہو یا موروث یا موروث منہ" اور اس کے متعلق کہا جائے کہ وہ موروث ایک مرد ہو یا ایک عورت۔ درآنحالیکہ وہ کلالہ ہو، یا کلالہ کی حیثیت سے۔ یعنی کان کا اسم ایسی ضمیر ہوتی جو میت یا مورث کیطرف پھرتی اور رجلاً منصوب ہو کر آتا۔ خبر کی حیثیت سے اور یورث اس خبر کی صفت ہوتا جب کہیں کلالۃ کو حال یا تمیز کہا

(باقی حاشیہ)

سورہ نساء کے اس دوسرے رکوع میں صرف چار آیتیں ہیں جن میں سے پہلی دونوں آیتیں جو میں نے اوپر لکھیں یعنے آیت نمبر ۵، ۶ انہیں دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مستحقین وراثت کے حصے خود سے بیان کر دئے۔

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بالکل صاف اور واضح ہوتا ورنہ وان کان رجل یورث کلالۃ ایک جملہ ناتمام رہتا ہے اس لئے کہ کان کی خبر کا پتہ نہیں رہتا۔ اگر مورثاً خبر محذوف ماننے تو یورث کے بعد پھر مورثاً نہایت بھونڈی خبر ہو گی اور مہمل۔ کسی لفظ کے کسی عبارت میں محذوف ماننے کے معنٰی یہ ہیں کہ اگر اس لفظ کو وہاں ذکر کر دیا جائے تو وہ لفظ وہاں چسپاں ہو جائے اور ذوقِ سلیم اس کو قبول کرے نہ کہ محض ٹھونس ٹھانس ہو۔ اس کمزوری کو دیکھتے ہوئے میں نے رجل یورث میں موصوف صفت کی ترکیب قائم کر کے کان کے اسم کو منکر محض نہیں رکھا۔ بلکہ نکرہ مخصصہ قرار دیا اور کلالۃ کو کان کی خبر بنایا۔ یہ ترکیب ہر طرح سے درست اور تمام کمزوریوں سے پاک ہے اور چونکہ آیت کا صحیح مفہوم بھی اسی ترکیب سے نکل رہا ہے۔ اس لئے یہی ترکیب صحیح ہے۔ اگرچہ حال و تمیز والی ترکیبیں بھی اسی صحیح مفہوم کے ادا کرنے سے قاصر نہیں۔ اس آیت کے صحیح مفہوم کو ان ترکیبوں کی مطابقت کے ساتھ میں بعد کو بیان کروں گا۔ پہلے ایک انوکھی ترکیب بھی اس آیت کی بیان کر دوں جس کو کسی مفسر نے نہیں لکھا ہے نہ کوئی ایسا شخص جو عربی نحو و ادب سے باخبر ہو۔ اس کا وہم بھی اس کیطرف جا سکتا ہے۔ مگر چونکہ میرے ایک محترم بھائی فاضل اجل مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری نے اپنی کتاب میں اس کو لکھا ہے اور ایک دوسرے صاحب علم بزرگ نے بھی اپنی کتاب میں اس کی تائید کی ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس پر ایک فیصلہ کن بحث کر دی جائے۔ ہمارے محترم بھائی تحریر فرماتے ہیں:۔

وان کان رجل یورث، مبنیاً علی للمفعول من الافعال ای یجعل وارثاً بالعھد کلالۃً ای لکلالۃ ای من میت لیس لہ ولد ولا احد من الابوین، او امرأۃ، تجعل وارثاً بالعھد، ولہ، ای والحال ان الکلالۃ، اخ او اخت، من ای نوع کانا فانھما لا یحجبان العھدی

---

(۱ے حاشیہ در حاشیہ) کلالۃ کی تفسیر لکلالۃ کرنے سے اس کا شبہ ہوتا ہے کہ مولانا کے نزدیک کلالۃ اس آیت میں یورث کا مفعول لہٗ ہے مگر پھر اپنی تفسیر کی تشریح فرماتے ہیں کہ ای من میت الخ یعنی لکلالۃ میں جو مولانا لام لاتے ہیں وہ تعلیلیہ نہیں بلکہ بمعنی من ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

بیعنے نہ صحابہؓ نے رسول سے پوچھا تھا نہ رسول نے جبریل امین سے دریافت کیا تھا جس طرح اور احکام آتے تھے۔ اسی طرح وارثوں کے متعلق بھی یہ احکام آگئے جن میں فروع و اُصول یعنے اولاد و والدین اور زن و شوُ کے حصّے بیان کئے۔ ان سب کے بعد تمام محدثین و مفسرین و فقہاء کے نزدیک صرف اخیافی بھائی بہن یعنے باپ کی طرف سے

بخلافِ الاُصُول والفروع ..... الخ یعنی رجل یورث میں یورث مضارع مجہول کا صیغہ مجرد سے نہیں ہے بلکہ باب افعال سے ہے یعنی جو شخص کسی رشتے سے وارث نہیں ہو سکتا۔ اس کو عہد و پیمان کے ذریعے بنا دیا گیا ہو۔ کلالۃً یعنے کسی کلالہ کا۔ اسکے بعد کلالہ کے معنی وہی بتلائے ہیں جو عام مفسرین و فقہاء نے لکھا ہے۔ یعنی وہ میّت جس کے نہ کوئی اولاد ہو اور نہ اس کے والدین میں سے کوئی ہو، یا کوئی عورت ہو جس نے عہد و پیمان کے ذریعے کسی کو اپنا وارث قرار دیا ہو۔ ولہٗ اخ او اخت ذٰلکم اس کلالہ کے بھائی یا بہن کوئی بھی ہو۔ تو وہ بھائی یا بہن ان عہد و پیمان سے بنائے ہوئے وارثوں کو محجوب نہیں کر سکتے۔ بخلاف اُصول و فروع یعنے والدین و اولاد کے۔

میرے محترم بھائی کے نزدیک اس آیت میں بھائی بہن کے حصّوں کا ذکر ہی نہیں ہے۔ یہاں ان لوگوں کے حصّوں کا ذکر ہے جو کسی قاعدے سے بھی میت لاولد کے جس کے والدین بھی نہ ہوں وارث نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر میت نے ان سے عہد و پیمان کیا تھا کہ ہم مریں تو تم ہمارے وارث اور تم مرو کو ہم تمہارے وارث۔ اب یہ مَر گیا تو وہ عہد و پیمان والے جو متبنّے وارث ہیں۔ ان کے حصّوں کا یہاں ذکر ہے، یہ متبنّے وارث بھی وارث ہو سکتے ہیں یا نہیں، اس کی بحث اس حاشیہ میں نہیں۔ متن میں عنقریب آئے گی، اس لئے اس بحث کو ابھی چھوڑ دیئے۔

میرے محترم بھائی نے یورث کو باب افعال سے تسلیم کیا ہے اور وہ اس کو مجرد سے مشتق نہیں قرار دیتے۔ مفسرین پہلے تو اس کو مجرد ہی سے مشتق بتلاتے ہیں۔ جو صحیح اور مناسب مقام ہے مگر پھر بطور "تفنن طبع" یہ لکھ دیتے ہیں کہ یورث کو باب افعال کا مضارع مجہول بھی قرار دے سکتے ہیں اور اس صورت میں کلالہ مفعول لہٗ ہوگا۔ امام رازی رح نے لکھا ہے کہ جتنی صورتیں یورث کو باب مجرد سے ماننے کی حالت میں کلالہ کی ہو سکتی ہیں۔ وہ سب صورتیں یورث کو باب افعال سے ماننے کی حالت میں بھی ہو سکتی ہیں۔ بہرحال اس نحوی بحث کو طول دیکر عامۂ ناظرین کی بے ذوقی میں اور زیادہ اضافہ مناسب نہیں سمجھتا

جو سوتیلے ہوں۔ میّت اور ان کی ماں تو ایک ہو، مگر باپ دو ہوں۔ صرف اس قسم کے بھائی بہن کے حصّے بیان کر دیئے۔ اور اپنے حقیقی بھائی بہن اور ماں کیطرف سے سوتیلے بھائی بہن جن کا باپ وہی ہو جو میّت کا باپ تھا، صرف ماں میّت کی دوسری ہو جن کو علاتی کہتے ہیں۔ ان کے حصّوں کا اشارتاً کنایتاً کسی طرح بھی کوئی ذکر ہی نہیں کیا اور میرے

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ورنہ میں بتا دیتا کہ یورث باب افعال سے یہاں مشتق ہو ہی نہیں سکتا۔ مفسّرین نے بعض اپنی نحوی قابلیت دکھانے کے لئے کھینچ تان سے کام لیا ہے۔ مختصر طور سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اورث کے معنی کسی میّت نے کسی کو وارث چھوڑا۔ اس صورت میں آیت کے معنی یوں ہوں گے اور اگر نہ ہو کوئی مرد جو وارث چھوڑا گیا ہو۔ کلالہ کی حیثیت سے (اگر کلالۃً کو تمیز مانیئے) یا درآنحالیکہ وہ کلالہ ہو (اگر کلالۃً کو حال مانیئے) یا بسبب کلالہ ہونے کے (اگر کلالۃ کو مفعول لہٗ مانیئے) یا اگر وہ شخص جو وارث چھوڑا گیا ہے کلالہ ہو۔ (اگر کلالۃ کو کان کی خبر سمجھا جائے) یا (وہ جو وارث چھوڑا گیا ہے مرد نہ ہو بلکہ) عورت ہو اور اس (وارث چھوڑے گئے ہوئے مرد یا عورت) کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو۔ (اور بقول تمام مفسّرین کے وہ بھائی بہن اخیافی ہوں یعنے ان کی اور اس وارث چھوڑے گئے ہوئے مرد یا عورت کی ماں ایک ہو اور باپ دو ہوں) تو ان دونوں بھائی بہن میں سے ہر ایک کے لئے ایک ایک سدس ہے۔ اور اگر ایک بھائی ایک بہن سے زیادہ ہوں تو وہ (جتنے بھی ہوں) ایک ثلث میں باہم برابر برابر شریک ہوں گے۔ یورث کو باب افعال کا مضارع مجہول مان لینے کی صورت میں۔ اور کلالہ کو جو بھی قرار دیجیئے۔ تمیز یا حال یا مفعول لہ یا کان کی خبر۔ آیت کا یہی ترجمہ مفسّرین کی رائے کے مطابق ہوگا۔ مگر اس کی لغویت اور غیر معنویت کس قدر نمایاں ہے کہ جو مرد یا عورت وارث چھوڑا گیا ہے اس کو تو کچھ نہیں دلوایا جاتا۔ مگر اس کے بھائی بہن کو چاہے وہ جتنے بھی ہوں۔ حصہ دلوایا جا رہا ہے۔ وہ بھی اس کے اخیافی بھائی بہن کو عینی و علاتی ہوں تو نہ اس وارث مرد یا عورت کو کچھ ملے گا۔ نہ اس کے عینی و علاتی بھائی بہن کو کچھ ملے گا۔ یہ ترجمہ اور اس پر یہ اعتراض اس وجہ سے وارد ہوا کہ لکل واحد منہما کی تثنیہ والی ضمیر تمام مفسّرین کے نزدیک بالاتفاق اخ و اخت کیطرف پھرتی ہے۔ اگر رجل اور اس کے اخ یا اخت کیطرف پھیریئے تو اس رجل یعنے اصل وارث کے محروم ہونے کا اعتراض تو نہیں وارد ہوگا۔ مگر چونکہ اخ و اخت یہاں تمام مفسّرین کے نزدیک اخیافی ہی مراد

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک محترم بھائی کے نزدیک تو یہاں اخیافی بھائی بہن کا حصہ بھی مذکور نہیں ہے۔ بلکہ عہد و پیمان کے ذریعے جن کو ایسے میت نے جس کے نہ اولاد ہوں نہ والدین اپنا وارث قرار دے دیا تھا، ان عہدی وارثوں کا حصہ یہاں بتایا گیا ہے۔ یعنے میرے محترم بھائی کے نزدیک اسی مجلس ورثہ میں اولاد ہیں، والدین ہیں، زن و شو ہیں اور عہدی منہ بولے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہیں۔ اس لئے اس رجل کے ساتھ اگر اخیافی اخ و اخت ہوں گے جبھی تو ان کو حصہ مل سکے گا اگر عینی یا علاتی ہوں گے تو ان میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں ملنے کا۔ نہ فقط ان عینی و علاتی بھائیوں کو، بلکہ اس رجل یا امرأۃ کو جو مارث ہے اس کو بھی کچھ نہیں ملنے کا۔ اس لئے کہ ملنے کی قید یہ ہے کہ اسکے کوئی اخیافی بھائی یا بہن ہو۔ اگر کوئی اخیافی بھائی یا بہن نہ ہوگی۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس وارث کو کچھ ملے کیونکہ ملنے کی قید یہی ہے کہ اس کے کوئی اخیافی بھائی یا بہن ہو۔ فافہم۔ کوئی مجھے انصاف سے بتائے کہ یہ کوئی ایسی تفسیر اس آیت کی ہوئی جس کو عقل سلیم قبول کر سکے؟ مگر مفسرین نے بغیر آیت کے مفہوم پر غور کئے صرف اپنی نحوی قابلیت دکھانے کے لئے لکھ مارا، سب سے پہلے اس نحوی تالاب میں علامہ زمخشری نہائے پھر امام رازی و قاضی بیضاوی وغیرہ سب غوطے لگاتے چلے گئے۔

اتنی تفصیل سے قارئین پر پوری طرح واضح ہو گیا ہوگا۔ کہ مفسرین نے جو احتمال یورث کو باب افعال سے لینے کا لکھا ہے وہ بالکل غلط اور سراسر عقل و مضمون آیت کے خلاف ہے۔ نحوی موشگافیوں سے ہم یہاں پر قطع نظر کرتے ہیں۔ عیاں را چہ بیان۔

البتہ میرے ایک محترم بھائی جن کیطرف میں نے پہلے اشارہ کیا۔ وہ دونوں احتمالوں کو جائز نہیں رکھتے اور مفسرین کا اتباع نہیں کرتے۔ بلکہ صرف ایک ہی احتمال کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ یعنی اس کو کہ یورث باب فعال کا مضارع مجہول ہے اور یہ معلوم ہے کہ یورث اگر باب مجرد کا مضارع مجہول ہوگا تو رجل سے مراد موروث (یا موروث منہ کہیئے) ہوگا۔ اور اگر یورث کو باب افعال سے لیجئے تو رجل سے وارث مراد ہوگا۔ یہ متقدمین و متأخرین اور میرے محترم بھائی اور خود میرے سب کے درمیان متفق علیہ بات ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اس کے بعد میرے محترم بھائی یہ نہیں بتلاتے ہیں کہ کلالۃ کیا ہوگا۔ تمیز ہوگا یا حال ہوگا یا مفعول لہ ہوگا۔ یا کان کی خبر ہوگا۔ مفسرین تو یہی چار صورتیں لکھتے ہیں، اور قاعدہ نحوی بھی انہیں چار صورتوں کا متحمل ہے۔ ان کے علاوہ پانچویں کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ مگر میرے محترم بھائی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وارث ہیں۔ مگر بھائی بہن غریب بالکل نکال باہر کردئے گئے ہیں۔ ان کا اس مجلس میں بالکل گذر نہیں۔ باوجودیکہ ان دونوں آیتوں میں سے ہر ایک میں بھائیوں کا ذکر موجود ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان چار صورتوں میں سے نہ کوئی صورت معین کرتے ہیں، نہ کسی پانچویں صورت کا نام بتاتے ہیں نہ آیت کا ترجمہ ایسا کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ ان چار صورتوں میں سے فلاں صورت کو معین کیا ہے۔ یا فلاں پانچویں صورت اختیار کی ہے جس کو اُصول نحو کے مطابق فلاں نام سے یاد کریں گے۔ محترم بھائی یوں فرماتے ہیں:۔

"اگر کوئی مرد کسی کلالہ کا وارث بنا دیا جائے یا کوئی عورت بحالیکہ اس کلالہ کے کوئی بھائی یا بہن ہو تو اس مرد یا عورت میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملے گا" (ازحالہ محجوب الارث)

دنیا کا کوئی عربی داں مجھے سمجھا دے کہ اس آیت کا یہ ترجمہ کس قاعدۂ نحوی کے ماتحت صحیح ہو سکتا ہے؟ محترم بھائی نے یورث کلالہ کا ترجمہ نہیں کیا۔ بلکہ یُجعل وارث کلالہ کا ترجمہ کیا ہے اور یُجعل کیطرح یورث کو بھی متعدی بہ دو مفعول قرار دیدیا۔ اگرچہ یُجعل کا بھی کلالۃً مفعول نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسکے مفعول دوم کا مضاف الیہ ہوگا۔ اسی لئے محترم بھائی نے ترجمہ میں ترکیب اضافی ظاہر کی اور "وارث بنایا جائے کسی کلالہ کا" تحریر فرمایا۔ مگر پھر آخر وہ کلالۃً کے منصوب ہونے کی وجہ یہاں پر اسکو یورث کا مفعول بہ ہونے کے سوا اور کیا بتائیں گے؟ تو بتاتے ہیں اس کو مفعول اور ترجمہ کرتے ہیں۔ تو اس کو مضاف الیہ قرار دیتے ہیں۔ اِنَّ ھٰذا من اعاجیب الأدب

میرے بھائی نے یہ نہیں غور فرمایا کہ یورث ہزار فعل مجہول سہی، آپ اسکے فاعل کا ذکر نہ کیجئے مگر اس کا فاعل آپ کسی کو قرار دیں گے یا نہیں؟ آپ یورث کو ایراث سے لیتے ہیں اور ایراث کے معنی "وارث چھوڑنا" نہیں کہتے بلکہ "وارث بنانا" کہتے ہیں اور دونوں کے فرق کا مطلق خیال نہیں کرتے یہ بھی نہیں سوچتے کہ پھر آخر وارث بنانے والا کون ہوگا۔ جب ان عہد و پیمان کے ذریعہ بنائے ہوئے منہ بولے وارث آپ مُراد لے رہے ہیں تو وارث بنانے والا تو وہی مردہ ہی ہوگا۔ جو مورث ہے اور وہ تو بقول آپکے وارث بنا کر مر چکا۔ اس لئے اُورث ماضی کا صیغہ یہاں ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ وہ زمانہ گذشتہ ہی میں منہ بولا وارث بنا دیا جا چکا ہے اور اس کو وارث بنانے والا وارث بنا کر مر چکا یہ مضارع مجہول کا صیغہ کس طرح یہاں پر آگیا۔ اس کی پوری بحث اصل کتاب المنقذ من الضلالۃ میں مذکور ہے۔

اجتہاد غلط بر قرآن

مگر ان کے حصوں کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ اور قانونِ وراثت کا بیان ختم کر کے فرمایا جاتا ہے کہ :-

| | |
|---|---|
| تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ من تحتها الانهار خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وله عذابٌ مُّهين | یعنے یہ اللہ کے قائم کردہ حدود ہیں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اللہ اس کو ان جنتوں میں داخل کریگا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہے گا، یہ بڑی کامیابی ہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، اور اللہ کے قائم کردہ حدود سے نکل آئے گا |

اس کو اللہ دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسواکن عذاب ہے۔

سورہ نساء کے دوسرے رکوع کی یہی آخری دو آیتیں ہیں۔ اس رکوع کی پہلی دونوں آیتوں میں قانونِ وراثت بیان فرما کر ان آخری دونوں آیتوں میں ان قوانین کو حدود اللہ فرمایا۔ اور ان کو قائم رکھنے کو اللہ اور رسول کی اطاعت کہا، اور اطاعت پر انعام اور نافرمانی پر عذاب کی دھمکی دی۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ ان دونوں آیتوں میں قانونِ وراثت کی تمام دفعات مکمل طور سے بیان ہو گئیں۔ اب کوئی دفعہ اس کی باقی نہ رہی اور اب کسی وارث کے بھی حصے کا ذکر چھوٹ نہ رہا۔ بیان قانون سے پہلے جس طرح چند آیتیں بطور مقدمہ و تمہید کے بیان کی گئی تھیں۔ اسی طرح قانون بیان کرنے کے بعد بھی بطور حسنِ خاتمہ یہ دو آیتیں آخر میں بیان کر دیگئیں۔ مگر عَلّتی و عَلاّتی بھائی بہن کے لئے اور میرے ایک محترم بھائی کے نزدیک تو ہر قسم کے بھائی بہن کے لئے بھی کوئی حصہ کسی حالت میں ہے یا نہیں، اس کو مطلقاً بیان ہی نہیں کیا گیا۔ کیوں نہیں بیان کیا گیا؟ اس کو نہ ہمارے مفسرین بیان فرماتے ہیں نہ ہمارے محترم بھائی نے بیان فرمایا۔ بہرحال۔ اب بھائی بہن کے حصوں کی آیت ملاحظہ

فرمایئے۔ مگر واضح رہے کہ قانون وراثت کی مذکورہ بالا دونوں آیتیں سورۂ نساء کی گیارہویں اور بارہویں آیتیں ہیں جو دوسرے رکوع کی پہلی اور دوسری آیتیں ہیں۔ اور اب بھائی بہن کے حصوں کا ذکر سورۂ نساء کی بالکل آخری آیت میں جو تعداد میں ایک سو چھہترویں آیت ہے۔ صحابہ کرام رض کے پوچھنے پر بیان کی جاتی ہے۔

جسے اگر صحابہ کرام رض نہ پوچھتے تو بیان ہی نہ کی جاتی۔ اور بقول مفسرین و فقہاء و محدثین علینی و علاقی اور بقول مولانا اسلم رح ہر طرح کے بھائی بہن کا حصہ بیان ہی نہ کیا جاتا۔ وہ آیت یہ ہے:-

| | |
|---|---|
| يَسْتَفْتُونَكَ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ | ترجمہ: تم سے لوگ فتویٰ پوچھتے ہیں |
| فِي الْكَلَالَةِ ط اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ | (تو اے رسول) کہہ دو کہ اللہ تعالےٰ تمہیں |
| لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗ اُخْتٌ فَلَهَا | کلالہ کے بارے میں فتویٰ (حکم) دیتا ہے |
| نِصْفُ مَا تَرَكَ ج وَهُوَ يَرِثُهَا | کہ ایک مرد مر گیا اور اس کے کوئی اولاد |
| اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ط فَاِنْ كَانَتَا | نہیں ہے۔ اور اس کے ایک بہن (ہی) |
| اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا | ہے تو اس کے لئے مال متروکہ کا نصف |
| تَرَكَ ج وَاِنْ كَانُوْا اِخْوَةً رِّجَالًا | حصہ ہے۔ اور (ایسی ہی صورت میں |
| وَّنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ | یعنی اگر عورت لاولد مر گئی ہو اور صرف |
| الْاُنْثَيَيْنِ ط | ایک بھائی اسکے ہو تو) وہ بھائی اس کے |
| | سارے مال) کا وارث ہو جائے گا اور |

اگر (صرف) بہنیں دو (بھی) ہوں تو ان کے لئے مال متروکہ کا دو ثلث ہے۔
اور اگر بھائی بہن مرد عورت ہوں تو مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حق ہے۔

اب ان دونوں آیتوں کو ملا کر دیکھئے۔ وہاں یعنی سورۂ نساء کی بارہویں آیت میں بھی وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً وَّلَهٗ اَخٌ او اخت یعنی کلالہ اور اس کے وارث بھائی بہن کے حصے مذکور ہیں۔ سارے متقدمین و متاخرین سب کے نزدیک (سوا مولانا اسلم صاحب کے مگر مولانا اسلم صاحب جو مطلب نکالتے ہیں وہ کسی طرح نکل نہیں سکتا

جس کو ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اسلئے اس کا ذکر ہی فضول ہے۔) اور یہاں بھی وہی کلالہ
اور اس کے بھائی بہن ہی کے حصّے کا ذکر ہے۔ اگلے مفسّرین و فقہاء جب اس گتھی کو
قرآن سے سُلجھا نہ سکے؟ ابن جریر کی تفسیر کیوجہ سے۔ یعنی ابن جریر نے یہ ارادہ کر
لیا تھا کہ قرآن کریم میں جہاں تک ہو سکے معنوی تحریفیں کریں اور ہر آیت کی مختلف اور
تفسیری روایتیں بنا بنا کر پیش کر دیں تاکہ صحیح مفہوم کی تعیین عام ذہنوں کے لئے دشوار
ہو جائے۔ ابن جریر شیعہ تھے اور شیعوں کا جو برتاؤ قرآن مجید کے ساتھ رہا ہے
وہ کسی واقف کار سے پوشیدہ نہیں۔

ابن جریر نے لکھدیا کہ اس بارہویں آیت میں ولہ اخ او اخت کے بعد من ام
کا لفظ محذوف ہے اور بعض صحابۂ کرام رضؓ کی قراءتوں میں یہ لفظ موجود تھا اور وہ
من اُم کے ساتھ ہی یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔ اور اس کی روایتیں بنا بنا کر پیش کر دیں
اب بعد کے مفسّرین اور فقہاء کے لئے اس دشواری کا یہ آسان حل کافی ہو گیا اور پھر
سورۂ نساء کی اس آخری ایک سو چھہترویں آیت کے لئے بھی روایتیں بنا کر لکھ دیں۔
کہ یہاں عینی و علاتی بھائی بہن مراد ہیں اور پھر سارے فقہاء و محدثین و مفسرین نے
اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور سب کی نظروں میں یہ گتھی سلجھ گئی۔ اس کی پوری بحث
اور من ام اور لأم وغیرہ کی قراءتوں کی تنقید میری اصل کتاب المنقذ من الضلالہ میں
مذکور ہو چکی ہے۔ اس لئے یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔

حالانکہ دونوں آیتوں کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ کلالہ کہتے ہیں اس لاولد میّت کو جس کے
بھائی بہن بھی ہوں۔ جیسا کہ فرمایا گیا کہ قُلِ اللّٰہُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِی الۡکَلٰلَۃِ ؕ اِنِ امۡرُؤٌا
ہَلَکَ لَیۡسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّ لَہٗۤ اُخۡتٌ اور اسی طرح آیت سے عورت کلالہ بھی سمجھی گئی کہ
جس کو یوں سمجھئے کہ وان امرأۃ ہلکت ولہا اخ اور پھر اخ کے بعد او اخت بھی فحوائے
آیت سے دونوں جگہ سمجھ لیجئے۔ اور او اخوۃ رجالاً و نساءً بھی۔ تو جب لاولد میّت کے
بھائی بہن بھی ہوں۔ تو وہ لاولد میّت اپنے بھائی بہن کے مقابل کلالہ کہا جائیگا۔ یعنے
مورث کلالہ۔ اور وہ بھائی بہن بھی وارث کلالہ کہے جائیں گے۔ اور بھائی بہن کی وراثت

بھی وراثت کلالہ کہی جائے گی۔ دونوں آیتوں میں عام طور سے بھائی بہن کی وراثت کا ذکر ہے۔ من امٌ اور من اب وغیرہ کا فرق محض لایعنے اور قرآن مجید میں صریح تحریف ہے۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ وہاں بارہویں آیت میں والدین کے ہوتے بھائی بہن کے حصوں کی تصریح ہے اور اس ایک سو چھہترویں آیت میں ایسے کلالہ مُورث کا ذکر ہے جس کے وارث صرف بھائی بہن ہی ہوں۔ یعنے وہ مورث مَن لَاوَلَدَ لَہٗ وَلَا والد ہو، اور یہیں سے دُھوکا کھاکر لوگوں نے کلالہ کی یہی تعریف ہی قرار دے دی کہ من لَاوَلَد لَہٗ وَلَا وَالِد۔ غرض دونوں آیتوں پر خالی الذہن ہوکر اگر غور کیجئے تو ہر آیت اپنے مفہوم کو نہایت واضح طور سے ادا کر رہی ہے۔ کسی طرح کی کوئی دشواری کسی آیت کے کسی لفظ کبھی مفہوم سمجھنے میں نہیں پیدا ہوسکتی۔ مگر ابن جریر اور ان کے چند ہم سازشوں کی تحریفوں کی وجہ سے ان سے متاثر متقدمین و متاخرین اتنی صاف بات کو سمجھ نہ سکے اور خواہ مخواہ لوگوں کے ذہنوں کو صراط مستقیم سے کھسکا کر ایک غلط راستے کیطرف لے گئے اور اس کی اصل وجہ روایت پرستی تھی۔ اور دوسری وجہ اختلافات قرأت کا گمراہ کن عقیدہ ہے۔ جس کے ذریعے شیطان نے ملاحدۂ عجم سے ہزاروں روایتیں بنوا بنوا کر قرآن مجید میں لفظی تحریف کی ایک دنیا ہی آباد کر کے بزعم خود رکھدی۔ جس دنیا پر ہمارے فرقہ پرست علماء ایک ہزار برس سے سرگرداں رہا کرتے ہیں۔

اس ایک سو چھہترویں آیت میں تفسیروں کے دیکھنے کے بعد دو خلشیں سزدر پیدا ہوتی ہیں مگر مفسرین نے ان کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کی۔

(۱) اس آیت میں پہلی آیتوں کیطرح کہیں بھی نہ من بعد وصیۃ کی تنبیہ نہ اَو دَین کی اگر یہ کہا جائے کہ پہلی آیتوں میں ہر جگہ یہ قید لگائی گئی ہے اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ ورثہ کو جب مال متروکہ میں سے حصے ملیں گے۔ تو پہلے وصیت و قرض کی ادائیگی ہوگی۔ اس لئے یہاں بھی وہ شرط ضرور ملحوظ سمجھی جائے گی۔ دوبارہ یہاں کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

یہ کہنا اسلئے صحیح نہیں کہ سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں۔ شرط چار چار مرتبہ

بیان کی گئی ہے۔ پہلی یعنی گیارہویں آیت میں ایک بار اور بارھویں آیت میں تین تین بار۔ جو شرط اتنی ضروری تھی کہ تاکید کے خیال سے اس قدر قریب قریب بار بار اس کی تکرار ضروری سمجھی گئی۔ گیارھویں اور بارھویں آیتوں میں چار چار بار بیان کی گئی۔ جب ایک سو چھہترویں آیت آئی تو اس کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ اتنی دور پہلے جو دوسرے وارثوں کے حصوں کے بیان میں یہ شرط لگا دی گئی تھی۔ بس اسی پہلے بیان کو یہاں بھی ایک لازمی شرط سمجھ لینے کے لئے کافی سمجھا گیا؟ یہ کوئی دل کو لگتی ہوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔

(۲) دوسری بات یہ کہ گیارھویں اور بارھویں آیتوں میں بھائی بہن کے سوا تمام وارثوں کے حصے بیان کر دئے گئے۔ اصول یعنی والدین کے بھی اور فروع یعنی اولاد کے بھی اور پھر ازواج کے حصے بھی۔ بھائی بہن کا ذکر گیارھویں آیت میں بھی آیا۔ اور بارھویں آیت میں بھی۔ مگر بقول مولانا اسلم بھائی بہن کے حصوں کا وہاں مطلقاً کچھ ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ اور بقول متقدمین و متاخرین فقہاء و مفسرین صرف اخیافی بھائی بہن کے حصے بیان کئے گئے۔ لیکن عینی و علاتی جو اخیافیوں سے زیادہ قریب یا قوی وارث ہیں۔ ان کے حصوں کا نام ہی نہیں لیا گیا۔ یہ گیارھویں اور بارھویں آیتیں بقول مفسرین و مؤرخین موسم سرما میں اتری تھیں۔ اس لئے ان کو آیاتُ الشتاء کہتے ہیں۔ یہ موسم بھی بدل گیا۔ صحابہ نے دستور کے مطابق ان آیات کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پڑھ بھی لیا۔ اور یاد بھی کر لیا۔ اور اپنے اپنے مصحف میں لکھ بھی لیا۔ اب موسم گرما پہنچ گیا۔ اور سورۂ نساء کا نزول بھی تکمیل کے قریب پہنچ گیا۔ تو بعض صحابۂ کرام کو اس کا خیال پیدا ہوا کہ اس سورۂ نساء کے دوسرے رکوع کی دونوں آیتوں میں تمام ورثہ کے حصے بیان کئے گئے، بھائی بہن کا ذکر بھی آیا، مگر صرف بھائی بہن ہی اگر وارث ہوں۔ یعنے میت کے اصول و فروع بالکل نہ ہوں تو بھائی بہن کو کس حساب سے ملیگا؟ اس کو بیان ہی نہیں فرمایا گیا اس لئے ان لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فتوٰی پوچھا کہ اگر کوئی لاولد مر جائے اور اس کے صرف بھائی بہن ہی وارث ہوں تو ان کو کس حساب سے حصے ملیں گے۔ جب کہیں آخر سورۂ نساء میں ان محروم قسمت بھائی بہن کے حصے

بیان کئے گئے۔ جیساکہ خود ہی فرمایا گیا کہ یستفتونک یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں۔ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ تو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتوٰی دیتا ہے الخ

اگر صحابۂ کرام رضؓ نہ پوچھتے تو ان غریبوں کے حصّے ذکر ہی نہیں کئے جاتے اور مولانا اسلم کی تفسیر کے اعتبار سے تومنہ بولے وارثوں تک کے حصّے مذکور ہونے اور کسی قسم کے بھائی بہن کا بھی کوئی حصّہ قرآن میں نہ ہوتا۔ اور فقہاء و مفسّرین کے نزدیک صرف اخیافی بھائی بہن کو ترکہ ملتا اور عینی و علاّتی بالکل محروم رہ جاتے۔ یہ تو بھائی بہن پر ان پوچھنے والے صحابۂ کرام نے بڑا احسان کیا کہ ان کے حصّے جو نظر انداز ہو رہے تھے ان کو نظر انداز ہونے سے بچا دیا، اور یاد دلاکر داخلِ قرآن کرا دیا۔ (معاذ اللہ من ذالک)

تعجب ہے کہ نہ کوئی مفسّر کہیں کچھ لکھتا ہے نہ مولانا اسلم صاحب بتاتے ہیں، کہ آخر بھائی بہن کے حصّے آیاتِ قانونِ وراثت میں تمام وارثوں کے ساتھ کیوں نہیں بیان کئے گئے اور یہاں بھی لوگوں کے پوچھنے کے بعد کیوں بیان کئے گئے؟ وراثت کی بحث میں وَ مَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا قرآنی آیت کا ایک حصّہ کتب فرائض والوں کو بھی بعض جگہ یاد آیا ہے۔ اور مولانا اسلم صاحب نے بھی اسی سلسلۂ بیان میں ایک جگہ تحریر فرمایا ہے۔ مگر یہاں پر حصّۂ قرآن کریم کسی کو یاد نہیں آتا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ چیز کسی کو کھٹکی ہی نہیں، یہ ایسی واضح کھٹک ہے اور یہ ایک ایسا نکیلا کانٹا ہے جو یقیناً ہر مفسّر اور ہر فقیہ کے دل میں اور میرے بھائی مولانا اسلم صاحب کے دل میں بھی ضرور کھٹکا ہوگا۔ مگر اس کانٹے کے نکالنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو مناسب یہی سمجھا ہے کہ اس کا ذکر ہی نہ کیا جائے۔

## دونوں خلشوں کا حل

جواب: یہ دونوں کانٹے جو کھٹک رہے ہیں۔ تدبّر فی القرآن کے ایک ادنیٰ سے اشارے میں نکل جاتے ہیں۔ بشرطیکہ اپنی طرف سے جو لوگوں نے قرآن مجید میں من اُمّ یا لاُمّ وغیرہ کا اضافہ کیا ہے اور اس کی تائید میں روایتیں گھڑ رکھی ہیں۔ ان سب سے بالکل قطع نظر کر کے صرف قرآنی عنوانِ بیان اور سیاق و سباقِ عبارت پر نگاہِ تدبّر ڈالی جائے

یَسْتَفْتُوْنَكَ لوگ تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ یہ کہہ کر کلالہ کے بھائی بہن کے حصے بیان کرنا صاف بتا رہا ہے کہ اس میں ایک پہلو طنز کا نمایاں ہے۔ یعنی ایسی بات جو پہلی بیان کردہ آیتوں سے خود سمجھی جا سکتی ہیں۔ ان آیتوں میں تدبّر کر کے یہ خود نہیں سمجھ لیتے بلکہ تم سے تصریح پوچھتے ہیں۔ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ تو کہہ دو کہ تو تمہیں اللہ بتائے دیتا ہے۔ فِی الْكَلٰلَةِ کلالہ کے بارے میں۔ یہاں تینوں پہلو مراد لئے جا سکتے ہیں۔ وراثت کلالہ کے بارے میں یا مورث کلالہ کے بارے میں یا وارث کلالہ کے بارے ہیں۔ اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ کہ ایک شخص مر گیا لاولد اور اس کے ایک بہن ہی ہے۔ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ تو اس کی اس بہن کو اس کے متروکہ میں سے نصف ملے گا۔ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ اور اگر بہن ہی مر گئی ہو، لاولد اور بھائی ہی اس کا وارث ہو رہا ہو تو یہ اس کے پورے مال کا وارث ہو جائیگا۔ وَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ اور اگر دو بہنیں بھی ہوں تو ان کے لئے مال متروکہ میں سے دو ثلث ہیں۔ وان کانوآ اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فللذ کر مثل حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ اور اگر بھائی بہن مرد و عورت ہوں۔ تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ یہ تصریح صاف بتا رہی ہے کہ بالکل اسی طرح اوپر بھی کسی قسم کے وارثوں کو حصہ دلوایا گیا ہے۔ اور اگر غور کیا جاتا تو ان لوگوں یعنے اپنی اولاد کی جگہ اگر والدین ہی کی اولاد ہوں تو وہ بالکل اپنی اولاد کیطرح حصے پائیں گے۔ نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ لیا جا سکتا تھا۔

آیات قانون وراثت کی تمہید میں سب سے پہلے فرمایا گیا ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ اقربون نسبی دو ہی ہو سکتے ہیں۔ اپنی اولاد کہ ان سے زیادہ اقرب کوئی نہیں۔ یہ نہ ہوں تو پھر والدین کی اولاد۔ کہ اپنی اولاد نہ ہونے کی صورت میں والدین کی اولاد سے بڑھ کر کوئی اقرب نہیں۔ اپنی اولاد کے حصے پہلے پہل جو بیان کئے گئے کہ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ الخ تو یہاں

والدین بھی اولاد کے ساتھ ہوں وہ صورت نہیں ہے۔ تو سمجھا جا سکتا تھا کہ اگر والدین
بھی نہ ہوں اور اپنی اولاد بھی نہ ہو تو والدین ہی کی اولاد اپنی اولاد کی جگہ لے گی۔
اور یہی صورت مسئلہ پوچھی گئی تھی۔ اس لئے جس میت کے والدین نہ ہوں صرف
اولاد ہوں تو جس طرح اولاد میں ترکہ بٹے گا۔ بالکل اسی طرح اگر والدین کیطرح اولادؔ
بھی کوئی نہ ہو اور صرف والدین کی اولاد ہوں تو اپنی ہی اولاد کیطرح والدین کی اولادؔ
یعنی بھائی بہن میں اس کا ترکہ تقسیم ہوگا۔ البتہ والدین تو ہوں مگر اپنی اولاد نہ ہو اور
والدین کی اولاد یعنے بھائی بہن بھی ہوں تو اس صورت میں بھائی بہن کی دو حیثیت
ہو جاتی ہے۔ ایک قرب کی یعنے اپنی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے جو والدین کی اولاد
اپنی اولاد کی جگہ لے لیتی ہے اس حیثیت سے تو بھائی بہن اقربوں میں ہیں۔ مگر ان کی
قرابت والدین کی وجہ سے ہے، اس لئے والدین کے ہوتے یہ بعید ہو جاتے ہیں۔
اسی لئے والدین کے ہوتے اگر ایک بھائی یا بہن ہو تو ماں کا حصہ جو ایک ثلث ہے
اس کا نصف ایک سدس اس کو مل جائیگا۔

اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ایک سُدس اور ملا کر پورے ایک ثلث میں سے بھائی
بہن لے لیں گے۔ چاہے جتنے بھی ہوں۔ اسی صورت کو آیات قانون وراثت کے سلسلے
میں بارھویں آیت ہی جس کو آیت الشتاء کہتے ہیں۔ بیان کیا گیا ہے، چونکہ یہ ایسی صورت
تھی جس کو بطور خود سمجھا نہیں جا سکتا تھا۔ مگر میت کے نہ اولاد ہو نہ والدین، یہ صورت
تو بالکل واضح تھی کہ جب نہ والدین ہیں نہ اپنی اولاد ہی تو پھر والدین ہی کی اولاد یقیناً اپنی
اولاد کی قائم مقام ہو جائے گی۔ اس لئے وہاں اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بعد
کو یستفتونک کہہ کر جو طنزیہ عنوان اختیار کیا گیا۔ اس میں ایک سبق بھی دیا گیا کہ جو بات تم خود
استنباط کر کے نکال سکو۔ اس کو خواہ مخواہ پوچھنے کا کیا فائدہ؟ تدبرؔ و تفکرؔ کی صلاحیت اور حکم
اللہ نے کس لئے دیا ہے؟ تو یہ حکم اور قانون کی یہ دفعہ چونکہ ضمناً اوپر بیان ہو چکی تھی۔ اس لئے
جب لوگوں نے پوچھا تو تصریح بیان کر دیگئی۔ اگر نہ پوچھتے تو ممکن تھا کہ نہ بیان کی جاتی خود
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم [illegible] دیتے۔ یا علماءِ صحابہ استنباط کر لیتے۔ اسی لئے یہاں من بعد

وصیۃ او دین کی قید قصداً نہیں دہرائی گئی کہ جو بات ضمناً پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ یہاں اس کی دوبارہ تصریح کی جا رہی ہے۔ اور اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کہاں اس کو ضمناً بیان کیا تھا۔ اب وہاں جو قید مذکور ہے اس قید کو بھی خواہ مخواہ دہرایا جائے تو یہ گویا یہ ثابت کرنا ہوگا کہ پوچھنے والے نہایت غبی ہیں اور ان کی غایت عبادت کا اثبات مقصود نہ تھا۔

وہاں جو بار بار من بعد وصیۃ او دین کہا گیا۔ وہ تو اس لئے کہ وصیت کی فرضیت اور اس کی اہمیت اور اگر قرض ہو تو اس کی ادائیگی کی اہمیت ذہن نشین رہے۔ ایسا نہ ہو کہ ورثہ ترکہ لینے کے لالچ میں ان دو اہم چیزوں کو نظر انداز کر دیں۔ اور میت بھی فریضۂ وصیت و ادائے دین سے غافل نہ رہے۔ مرنے سے پہلے ان دونوں قرضوں کو ادا کر جائے۔

گیارہویں آیت میں للذکر مثل حظ الانثیین کے ضمن میں دو بیٹوں کے حصے بیان ہی کر دیئے تھے۔ اس لئے بعد کو دو سے کم یعنی ایک بیٹی اور دو سے اوپر فوق اثنتین کے حصے بتا دیئے۔ یہاں صورت وہی ہے۔ حصے وہی ہیں۔ فرق صرف اپنی اولاد اور اپنے والدین کی اولاد کا ہے۔ جو اپنی ہی اولاد کے حکم میں اس وقت ہیں۔ اس لئے ایک کا ذکر تو ضروری تھا۔ کیونکہ ولہ اخت اور وہو یرثہا الخ کہے بغیر صورت مسئلہ بیان کس طرح کی جاتی؛

اس لئے ایک کا حصہ بیان کر دیا کہ صرف ایک بہن ہو تو نصف اور صرف ایک بھائی ہو تو اس کو پورا مال مل جائیگا۔ مگر اپنی اولاد کے ذکر میں صرف دو بیٹیاں ہوں تو ان کا ذکر وہاں ضمناً آیا ہے۔ یہاں اس ضمنی ذکر کی تصریح کر دی۔ اور صرف دو بہنوں کا ذکر کر دیا اور وہاں دو سے زیادہ کے حصے بتائے گئے تھے۔ یہاں دو سے زیادہ حصے کا ذکر نہیں کیا گیا تاکہ وہاں کے ذکر سے سمجھ لیا جائے۔ اور یہ صورت اسی لئے اختیار کی گئی تاکہ یہ سمجھا جائے کہ یہاں تصریح لوگوں کے پوچھنے کی وجہ سے کی جا رہی ہے۔ ورنہ ایسے کلالہ جس کے والدین بھی نہ ہوں۔ ان کے حصے کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ ان کے حصے میت کی اپنی اولاد کے حصے جہاں بیان کئے گئے ہیں۔ وہاں ضمناً مذکور ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

# یادداشت